عہدِ مامون کی طبی و فلسفیانہ کتب
کے تراجم
ایک تحقیقی مطالعہ

عشرت اللہ خاں

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
ویسٹ بلاک۔ 1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی۔ 110 066

پہلی اشاعت	:	1994
دوسری طباعت	:	ستمبر 2009
تعداد	:	550
قیمت	:	-/164 روپئے
سلسلۂ مطبوعات	:	712

Ahade Mamoon ki Tibbi-o-Falsafiyana
Kutub ke Tarajim: Ek Tahqiqi Mutala

Compiled by

Dr. Ishratullah Khan

ISBN :978-81-7587-300-1

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک۔1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی۔ 110066

فون نمبر: 26103938، 26103381، 26179657، فیکس: 26108159

ای۔میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in

طابع: جے۔ کے۔ آفسیٹ پریس، گلی گڑھیا، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔ 110006

اس کتاب کی چھپائی میں TNPL Maplitho 70GSM کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق نطق اور شعور کا ہے۔ ان دو خداداد صلاحیتوں نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات کا درجہ دیا بلکہ اسے کائنات کے ان اسرار و رموز سے بھی آشنا کیا جو اسے ذہنی اور روحانی ترقی کی معراج تک لے جا سکتے تھے۔ حیات و کائنات کے مخفی عوامل سے آگہی کا نام ہی علم ہے۔ علم کی دو اساسی شاخیں ہیں باطنی علوم اور ظاہری علوم۔ باطنی علوم کا تعلق انسان کی داخلی دنیا اور اس دنیا کی تہذیب و تطہیر سے رہا ہے۔ مقدس پیغمبروں کے علاوہ، خدا رسیدہ بزرگوں، سچے صوفیوں اور سنتوں اور فکر رسا رکھنے والے شاعروں نے انسان کے باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ظاہری علوم کا تعلق انسان کی خارجی دنیا اور اس کی تشکیل و تعمیر سے ہے۔ تاریخ اور فلسفہ، سیاست اور اقتصاد، سماج اور سائنس وغیرہ علم کے ایسے ہی شعبے ہیں۔ علوم داخلی ہوں یا خارجی ان کے تحفظ و ترویج میں بنیادی کردار لفظ نے ادا کیا ہے۔ بولا ہوا لفظ ہو یا لکھا ہوا لفظ، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم کی منتقلی کا سب سے موثر وسیلہ رہا ہے۔ لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لیے انسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کا فن ایجاد ہوا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقۂ اثر میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

کتابیں لفظوں کا ذخیرہ ہیں اور اسی نسبت سے مختلف علوم و فنون کا سرچشمہ۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابیں طبع کرنا اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم و ادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اردو پورے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور

پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ کونسل کی کوشش ہے کہ عوام اور خواص میں یکساں مقبول اس ہردلعزیز زبان میں اچھی نصابی اور غیر نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں اور انھیں بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کونسل نے مختلف النوع موضوعات پر طبع زاد کتابوں کے ساتھ ساتھ تنقیدیں اور دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے تراجم کی اشاعت پر بھی پوری توجہ صرف کی ہے۔

یہ امر ہمارے لیے موجب اطمینان ہے کہ ترقی اردو بیورو نے اور اپنی تشکیل کے بعد قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے مختلف علوم وفنون کی جو کتابیں شائع کی ہیں، اردو قارئین نے ان کی بھرپور پذیرائی کی ہے۔ کونسل نے ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو امید ہے کہ ایک اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔

اہل علم سے میں یہ گزارش بھی کروں گا کہ اگر کتاب میں انھیں کوئی بات نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کردی جائے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائرکٹر

فہرست

عرضِ مصنف

''جستجو ہو تو سفر ختم کہاں ہوتا
یوں تو ہر موڑ پر منزل کا گماں ہوتا ہے''

کچھ ایسی ہی بات تھی۔ جب میں نے ایم اے عربی کے مرحلے کی بحسن وخوبی تکمیل کی تو قلب کی پنہائیوں نے اندر سے پکارا۔ ابھی قناعت کے پالنے میں آرام کرنے کا وقت نہیں آیا۔ ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔ جب دیارِ شوق اور شہر آرزو میں رہتے ہوئے علم کی دنیا میں قدم رکھا ہے تو کچھ آگے بڑھنے کا عزم پیدا کرو۔ تاحیات قافلۂ علم وفن کا ہمسفر رہنے میں جو قلبی سکون حاصل ہوتا ہے اس کی کچھ بات ہی اور ہے۔ میں غور وفکر کی غواصی میں کھو گیا۔ سوچنے لگا۔ میرا مشغلہ اور معاش تو ہر درد کی ہمدردی اور طب کی خدمت ہے۔ جس کا بے پناہ ذخیرہ عربی زبان کے ذریعہ ہی سے ہم تک پہنچا ہے۔ پھر کیوں نہ اس بحث وتحقیق کو اپنے ذوق کی تسکین کا سامان بنایا جائے۔

میری لگن کے باعث مشفق اساتذہ کی رہنمائی کسی لمحے بھی مجھ سے جدا نہیں ہوئی اس کو میں نے بساغنیمت سمجھا اور دہلی کی دوسری جامعات اور کتب خانوں کی قربت نے مزید تائید کی، لہٰذا میں نے ''عہد مامون کی طبّی وفلسفیانہ کتب کے تراجم ــــ ایک تحقیقی مطالعہ'' کو اپنا موضوع بنا کر کام شروع کیا میں اس انتخاب کو اپنے لیے سعادت اور خوش بختی سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر شفیق احمد خاں ندوی کی سرپرستی اور ڈاکٹر بدرالدین الحافظ کی رہنمائی میں یہ سفرِ تحقیق اس منزل تک پہنچا۔

واقعہ یہ ہے کہ عہد وسطیٰ میں مسلمانوں نے دنیا کی تمام قوموں کا علمی سرمایہ اپنی زبان

میں منتقل کرلیا تھا اور اگر دنیا میں مسلمانوں کا قدم نہ آتا تو یونان، مصر ہندو فارس کے تمام علمی ذخیرے برباد ہو چکے ہوتے۔ ان علوم میں طب اور فلسفہ پر بہت زیادہ کام ہوا۔ اور بے شمار تراجم پیش کیے گئے۔ طبی تراجم کی داغ بیل جو بنی امیہ کے عہد حکومت میں پڑ چکی تھی، آہستہ آہستہ اس میں ترقی ہوتی گئی اور خلفائے بنی عباس کے دور میں ترجمہ کا کام انتہائی وسعت اور تکمیل تک جا پہنچا ان خلفا میں ہارون، مامون اور متوکل کا عہد دوسرے علوم حکمیہ کے ساتھ طبی تالیفات و تراجم کے لیے انتہائی سازگار اور عظیم الشان دور تھا۔ مسلمانوں نے اس عہد زریں میں تمام علوم مروجہ خصوصاً فلسفہ اور طب پر مشتمل علمی کتابوں کو عربی زبان میں منتقل کر دیا، گویا ہر قوم کا بہترین علمی سرمایہ اپنے قبضے میں کرلیا۔

ایک ابھرتی ہوئی قوم اگر کوئی چیز ہاتھ میں لیتی ہے تو اس کو کیا سے کیا بنا دیتی ہے۔ مسلمانوں نے یونانی فلسفہ کو ہاتھ میں لے کر ایسی نقش و نگاری کی کہ چشم عالم اس سے خیرہ ہوگئی اور اسے اتنا بڑھایا کہ یہ ایک مربوط فن بن گیا اور مسلمانوں نے اس فن کو سیراب نہ کیا ہوتا تو اس کی شاخیں سوکھ چکی ہوتیں۔

طبی تراجم اور فلسفہ سے متعلق جو گرانقدر کارنامے مسلمانوں نے انجام دیے اس کے احسان سے سارا عالم سبکدوش نہیں ہوسکتا۔ اس سلسلے میں تحقیقی کام کی شدید ضرورت تھی اور بکھرے ہوئے مضامین پیش کرنے کا مطالبہ ہر طرف سے ہو رہا تھا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی شخص محنت و لگن کے ساتھ ان مضامین کو پیش کرنے کی کوشش کرے۔

اس مقالہ میں طب و فلسفہ کے تراجم کی اصل حقیقت اور حیثیت کو اجاگر کیا ہے۔ اس تحقیقی کام کے لیے یونانی حکما کے بارے میں بہت چھان بین کرنے کی ضرورت پڑی۔ ان حکما کی اصل کتابوں کا پتہ لگایا اور ان کے تراجم جو مختلف زبانوں میں ہوئی اس کے بارے میں مواد اکٹھا کیا۔

چوں کہ یونانی کتابوں کے تراجم مختلف زبانوں میں ہوئے اور ایک ہی زبان میں مختلف اشخاص نے کئی بار ایک ہی کتاب کا ترجمہ کیا۔ ان تراجم کی نوعیت کا پتہ لگایا اور ان مطبوعات ومخطوطات کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کیں۔

یوں تو تراجم کے سلسلے میں عربی اور اردو تالیفات ملتی بھی ہیں تو بہت ہی ناقص ہیں۔ اس سلسلے میں مکمل اور مفصل موادفراہم کرنے کی ضرورت تھی اس لیے بے شمار تاریخی، طبی، فلسفیانہ کتابوں، رسالوں، مقالوں کو ملکی اور غیر ملکی ذرائع سے حاصل کیا اور علوم یونان اور مختلف فنون کو منظم طریقے سے پیش کرنے کی کوشش کی اس طرح کی کوشش آج تک میری دانست میں نہیں کی گئی۔ اس مقالے میں مترجمین کے احوال بڑی جستجو اور کدو کاوش کے بعد جمع کیے گئے۔ کیوں کہ قدیم اور اصل مصادر میں متکلم شکل میں اس کے احوال نہیں پیش کیے گئے ہیں۔ اسی طرح کتابوں کے بارے میں بھی معلومات ناقص ہیں، تراجم اور تالیفات کو خلط ملط کر دیا گیا ہے مثلاً صاحب عیون الابنائی طبقات الاطبا نے مترجمین کے تراجم اور تصنیفات میں فرق نہیں کیا ہے۔ میں نے ان میں فرق کرنے کی کوشش کی ہے اور تراجم کو مختلف مصادر سے متعین کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اس سلسلے میں اردو، عربی انگریزی، فارسی کتب اور رسائل سے مدد لینی پڑی۔

مقالہ کے مضامین کی نوعیت

اس مقالہ کی ابتدا ایک مبسوط مقدمہ سے کی گئی ہے جس میں علم کی اہمیت اور اسلام میں اس کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا گیا ہے۔ چوں کہ یہ مقالہ طب اور فلسفہ سے متعلق ہے اس لیے اس مقدمہ میں طب نبوی کی طرف احادیث کی روشنی میں مزید تحقیقی کام کیا جا سکتا ہے۔ فلسفہ کے مختلف گوشوں میں الٰہیات پر قدرے تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔ چونکہ یہ مقالہ دور مامون سے متعلق ہے اس لیے خلافت عباسیہ کا مختصر تعارف پیش کیا گیا، ان خلفا میں جن لوگوں نے خاص طور پر علما کی طرف توجہ کی ان کی خلافت اور حکومت کو قدرے تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔ علوم کی ترقی میں برامکہ کے خاندان کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ اسی لیے اس خاندان کی اصلیت کا پتہ لگایا گیا، اور اس کے علمی انہماک پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے مقالہ کو مربوط کرنے کے لیے یونانی فلسفہ کی نوعیت اور اس کی حقیقت سے بحث کی گئی ہے اور ضمناً دیگر علوم مثلاً علم منطق، علم ہیئت اور علم ہندسہ کا مختصر تعارف کرایا گیا ہے۔

ابتدا میں مسلمان قرآن و حدیث میں منہمک تھے دوسری قوموں سے جب ان کا

اتصال ہوا تو وہ غیر ملکی علوم سے روشناس ہوئے اور مختلف علمی مراکز کے توسط سے یہ علوم ان کی طرف منتقل ہوئے۔ اس منتقلی کی تاریخ کا مطالعہ کیا گیا ہے اور علمی مراکز پر تفصیلی اور تحقیقی طور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

چونکہ مقالہ کا تعلق مترجمین اور تراجم سے ہے۔ اس لیے مختلف زبانوں سے متعلق تاریخی اور تحقیقی ابحاث مختلف مصادر سے پیش کیے گئے چوں کہ ترجمہ کا کام زیادہ تر یونانی سے سریانی میں ہوا اور سریانی سے عربی میں اور کچھ کام نبطی اور فارسی میں بھی ہوا۔ اس لیے ان تمام زبانوں سے معلومات فراہم کی گئیں۔ زیادہ تر مواد عربی اور انگریزی مصادر سے حاصل کیے گئے۔

ترجمہ کے کئی اسکول قائم تھے۔ اس دور میں ترجمہ کا کام مختلف ڈھنگ سے سرانجام پاتا تھا۔ ترجمے کے مختلف طریقوں کو تحقیقی طور پر پیش کیا گیا۔ اس سلسلے میں ترجمہ کی حقیقت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ ترجمہ اور تعریب میں فرق واضح طور پر سامنے آجائے۔

تراجم کا کام اگرچہ پورے انہماک کے ساتھ دور عباسی میں انجام پذیر ہوا۔ لیکن اس کی ابتداء دور اموی میں ہو چکی تھی اس لیے تراجم کی تاریخ پیش کرنے کی ضرورت تھی۔

اس مقالہ میں تراجم کی تاریخ عباسی دور میں عہد مامون تک تحقیقی طور پر پیش کی گئی ہے۔

چونکہ بیت الحکمت جس کا قیام عہد رشید میں ہوا ترجمہ کے کام میں بہت ہی معاون تھا۔ اس لیے دیگر اسلامی کتب خانوں کا پتہ لگایا گیا۔ تاکہ بیت الحکمت کی اہمیت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکے۔ یہ تمام ابحاث مقالہ کو مربوط کرنے کے لیے بہت ضروری تھے۔ جو دیگر تالیفات میں میری نظر سے نہیں گزرے۔ مترجمین کے بارے میں اور تراجم کے مطالعہ کے لیے ان ابحاث کا اضافہ لازمی تھا۔ اس کے بعد مترجمین پر مفصل گفتگو کی گئی ہے اور مختلف زبانوں میں موجود نادر کتابوں، رسالوں اور مخطوطات سے مدد لے کر ان کے احوال کو قلمبند کیا ہے، اس طرح کہ ہر قسم کے قارئین ان سے پوری طرح مستفید ہو سکتے ہیں۔ ہمارے یہاں مدارس میں طلبہ فلسفہ اور دیگر علوم سے متعلق کتابیں پڑھتے ہیں۔ ان طلبہ کے لیے مؤلفین اور مترجمین کا مطالعہ بہت ہی ضروری اور مفید ہے یہ مقالہ ان مدارس کے طلبہ کے لیے بھی مفید رہے گا۔ ان کے احوال کے ساتھ ان کے تراجم بڑی جستجو کے ساتھ زیر بحث لائے گئے ہیں اور ہر طرح کی جستجو کو کام میں لاکر اصل مترجم کا پتہ لگایا گیا اور جن

جن زبانوں میں کسی کتاب کا ترجمہ ہوا ان سب کو واضح کیا گیا ہے۔ آخر میں پوری بحث کا خلاصہ ہے جو قاری کو بیک وقت کتاب کا اندازہ کرنے میں معاون ثابت ہوسکتا ہے۔

مقالہ کی تکمیل کے لیے بہت ہی لگن، محنت اور جستجو کی ضرورت تھی۔ میرے ساتھ کچھ مصروفیات بھی تھیں۔ لیکن اساتذہ کی حوصلہ افزائی نے ہر طرح کی رکاوٹوں کو دور کر دیا۔ میں مسلسل تحقیق اور جستجو اور اساتذہ کی ہمت افزائی سے اپنے کام کو آگے بڑھاتا رہا اور دو سال سے کچھ زائد عرصے میں کام پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا۔ اس کام میں مختلف اشخاص نے میرے ساتھ تعاون کیا۔ میں ان سب کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ اس کے علاوہ ہندوستان کی مختلف لائبریریوں سے بھی استفادہ کیا۔ جس کے لیے ان لائبریریوں کے منتظمین کا شکریہ ادا کرنا بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

آخر میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ڈائرکٹر ڈاکٹر علی جاوید اور رمیڈیسن پینل کے معزز ممبران کا بھی شکر گزار ہوں کہ جن کی توجہ سے میری کتاب کی اشاعتِ ثانی عمل میں آئی۔

امید کرتا ہوں کہ یہ تحقیقی کام آئندہ اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوگا۔

عشرت اللہ خاں

مقدمہ

اسلام سے پہلے عرب دنیا جہالت کے اندھیرے میں پڑی ہوئی تھی۔ علوم وفنون سے ان کو زیادہ دلچسپی نہیں تھی لیکن دین اسلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ نظری علوم کا دائرہ وسیع ہوتا گیا کیوں کہ اسلام اہل ایمان کو علم کے سیکھنے کی ترغیب دیتا ہے اس سلسلے میں قرآن مجید کی سب سے پہلی وحی کا تعلق بھی علم کے سیکھنے سکھانے سے ہے۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِقرأ بِاسمِ رَبّكَ الّذِی خَلَق۔ خَلَقَ الِانسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اِقرَأ وَرَبُّكَ الاَكرَمُ الّذِیْ عَلّمَ بِالْقَلَمِ۔ (1)

ترجمہ: پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے آدمی کو پیدا کیا اور انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب بہت کریم ہے جس نے قلم سے سکھایا۔

اس آیت میں بار بار قرأت کی تلقین کی گئی ہے۔ اور قرأت کے ساتھ دو اہم چیزوں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ یعنی ربوبیت اور تخلیق، اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرأت کا علم ایسی بنیادی چیز ہے جس کے بغیر انسان اپنے رب کو نہیں پہچان سکتا اور تخلیق عالم کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کر سکتا۔ علم ایسی گرانمایہ چیز ہے جو انسان کو تمام دوسری مخلوقات سے ممتاز کرتی ہے۔ علم کی ایک دوسری لازمی چیز جو اس آیت میں بیان ہوئی ہے۔ وہ تحریر ہے۔

اسلام سے قبل عرب میں تحریر کا رواج زیادہ نہیں تھا، مؤرخین کا بیان ہے کہ تقریباً سترہ آدمی ہی قبیلۂ قریش میں لکھنے پڑھنے والے موجود تھے، اس آیت میں تحریر کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ اور تعلیم وتحریر کو اللہ تعالیٰ نے یکجا طور پر بیان کیا۔ اس سلسلے میں ایک [illegible] مشہور احادیث کی کتابوں میں مندرج ہے اور جس کا تعلق تعلیم تعا[illegible]

طَلَبُ العَلَمِ فرِیضَتُ علیٰ کُلِّ مُسلِمٍ وَ مُسلِمَة۔

ترجمہ: ہر مسلم مرد اور عورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔

اسی طرح ایک اور مشہور حدیث ہے جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی تلاش میں دور دور تک سفر کرنے کو ضروری قرار دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔

اُطلبو العلمَ ولو کانَ بِاالصِّین۔ ''ترجمہ: علم حاصل کرو خواہ چین جانا پڑے۔

اس کے علاوہ ایک اور حدیث ہے جس سے علم کی افادیت اور اس کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے وہ حدیث یہ ہے۔

"اُطلبو العلمَ مِنَ المھدِ اِلیَ اللّحدِ۔"

ترجمہ ماں کی گود سے لے کر مرنے تک علم کی تلاش میں سرگرداں رہو۔

آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طالبان علم اور علما کی بے حد تعریف کی ہے اس سلسلے میں صحاح کی مشہور حدیث ہے جو حضرت ابوالدردا، رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

"قال اِنی سمعتُ رسولَ الله صلی الله علیه وسلم یقول مَن سَلكَ طریقاً مِن طرق الجنة وان الملائکةَ لَتضعُ اجنحتَھا الطالب العلم وان العالم یستغفرُ له من فی السموات والارض۔ والحیتانُ فی جوف الماء وان فضل العالم علی العابد کفضل القمرلیلة البدر علی سائرالکواکب۔ الحدیث۔"(2)

ترجمہ: میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپؐ نے فرمایا کہ جو علم کی تلاش کے لیے نکلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے راستے پر چلاتا ہے اور طالب علم ...... کے لیے فرشتے پر بچھاتے ہیں اور اہلِ علم کے لیے آسمان و زمین میں سب مخلوقات مغفرت طلب کرتی ہیں یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں بھی اور عابد کے مقابلے میں عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے چاندنی رات میں چاند کو تمام ستاروں پر۔

الغرض تعلیم و تعلم کی بنیاد اسلام میں بہت مضبوط ہے۔ اسی بنا پر عرب علمی میدان میں تیز رو شہسوار کی طرح آگے بڑھتے گئے اور دینی و دنیاوی ہر طرح کے علوم و فنون کے معلم بن کر دنیا کے سامنے جلوہ گر ہوئے۔ ابتدا میں قرآن و حدیث اور ان سے متعلق دیگر علوم کی طرف زیادہ اہتمام کیا گیا، پھر فتوحات کی تکمیل کے بعد دنیا کے دیگر علوم کی طرف مائل ہوئے۔ دیگر علوم کو

انھوں نے اولاً ترجمہ کے ذریعے سے حاصل کیا۔ اس کا آغاز عہدِ اموی سے ہو چکا تھا۔ یہ زبردست تحریک دورِ اموی سے شروع ہوکر دورِ عباسی کی طویل مدت تک چلتی رہی۔ اس تحریک کے بہت سے اسباب تھے جس کی بنا پر عرب قوم متحرک ہوئی جس نے علوم فارس، یونان اور ہند کی طرف توجہ کی۔ اس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ ان ترجمہ شدہ علوم میں بہت سے علوم کی قسمیں شامل تھیں، ان میں طب اور فلسفہ یا حکمت کا کام سب سے زیادہ ہوا کیوں کہ الٰہیات میں اسلام ایک عظیم سرمایہ اپنے پاس رکھتا ہے۔

عہد اموی میں ترجمہ کا آغاز خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہو چکا تھا اور اس کا اچھا ماحول بھی پیدا ہو چکا تھا۔

80 ہجری مطابق 699ء کے قریب خالد بن یزید کے ہاتھوں ترجمہ کا کام ہوا اور یہ کام عہد اسلامی کا ترجمہ کے سلسلے میں پہلا علمی کارنامہ تھا۔

اس دور میں بہت سے مترجمین آئے۔ جن میں اسکندریہ کے مترجمین زیادہ اہم تھے مشہور مترجمین میں قابل ذکر ابن اثال، سالم بن عبدالرحمان، ماسرجس البصری، جبلہ بن سالم اور وہیب بن منبہ ہیں۔

دورِ عباسی میں علوم کی منتقلی کا کام بڑی سرگرمی سے ہوا اور اس کی ابتدا عہد منصور (136 ہجری مطابق 754ء۔ 158 ہجری مطابق 775ء) میں ہوئی پھر 198 ہجری مطابق 813۔218 ہجری مطابق 833ء دور مامونی میں یہ سرگرمی اپنے عروج پر پہنچ گئی تھی اور اس دور میں بے شمار علما و مترجمین پیدا ہوئے اور مامون کے دربار میں فلسفہ و نجوم کے ماہروں اور کتب حکمت کے مترجموں کا عظیم گروہ اکٹھا ہو گیا۔ ان میں قابل ذکر یہ ہیں۔ حنین بن اسحٰق، قسطا بن لوقا، یوحنا بن ماسویہ ابن البطریق، یعقوب کندی، یحیٰ بن عدی، ابوحسان سلما، محمد بن موسیٰ منجم، محمد بن موسیٰ خوارزمی حجاج بن مطر اور جہیش وغیرہ۔

منجم، محمد بن موسیٰ خوارزمی حجاج بن مطر اور جہیش وغیرہ

طبی میدان میں ترجمہ بہت وسیع پیمانے پر ہوا۔ کیوں کہ انسان کا وجود بھی صرف دو چیزوں جسم اور روح سے عبارت ہے، اسلام نے دونوں کی تکمیل کی طرف بھی توجہ کی جس طرح روحانی علاج بتایا اسی طرح جسمانی علاج کی طرف بھی لوگوں کی توجہ مبذول کی۔ اس سلسلے میں

ایک مشہور قول ہے جس کو بعض لوگوں نے حدیث کا درجہ دیا ہے۔ وہ یہ ہے

العلمُ علمانِ علمُ الادیانِ و علمُ الابدان"

ترجمہ: علم کی دو قسمیں ہیں ایک مذاہب کا علم دوسرا جسمانی علم۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مومنین کو حفظان صحت کی ترغیب دی اور صحت مند مومن کو کمزور مومن پر ترجیح دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

المومن القویُ خیرُ واحبُ الی الله من المومن الضعیف و فی کلّ خیرُ، اِحرِصُ علی ماینفعك، واستعِنُ بالله و لاتعجز [3]

ترجمہ: طاقت ور مومن اللہ کی نظر میں کمزور مومن سے بہتر اور زیادہ محبوب ہے اور دونوں میں ہی اچھائی ہے۔ فائدہ مند چیز کی خواہش کرو اور اللہ سے مدد طلب کرو اور عاجز مت بنو۔

اس حدیث کی رو سے حفظان صحت کی طرف مومن کو توجہ دینا لازم ہے۔ کیوں کہ اللہ کی نظر میں وہی زیادہ محبوب ہے جو حفظان صحت کا خیال رکھتا ہے اس کے علاوہ قوت جسمانی، عبادات ریاضت اور جہاد ہر شعبۂ اسلامی کی ضروریات میں سے ہے۔ صحت مند جسم میں صحت مند روح اور دماغ بھی پرورش پاتے ہیں۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی متعدد احادیث میں جسم کو صحت مند رکھنے کے لیے سمّیات سے پرہیز اور سمّی حیوانات اور اشیا سے بچنے کے طریقے بتاتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوان کے جسم، اس کے لعاب اسی طرح نباتات کے سمّی اثرات اور ان کے فوائد سے لوگوں کو روشناس کرایا ہے ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ نے مکھی کے بارے میں فرمایا۔

قالَ رسولُ اللـه صلَی الله علیه و سلم اذا وقع الذُبابُ فی شراب احدِکُم فلیغُمسهٗ ثُمّ لُینزعهٗ فان فی احد جنا حیهِ داءً وفی الآخر شفاء" ...... اخرجه البخاری و بوداوٗد [4]

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مکھی کسی کے مشروب میں پڑ جائے تو اس کو پوری طرح ڈبو دے پھر باہر نکال کر پھینک دے۔ کیونکہ اس کے ایک بازو میں بیماری ہے تو دوسرے میں شفا ہے۔

اس حدیث شریف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کیڑے مکوڑے اور اڑنے والے چھوٹے جانوروں میں بھی کچھ سمّی اثرات ہوتے ہیں جن سے پرہیز لازم ہے۔ اس طرح اس حدیث نے

اطبا کو حشرات کے درس و مطالعہ پر ابھارا ہے اور ان کے سمّی اثرات اور ان کے نتائج کی تحقیق و تدقیق کرنے کی طرف ان کی توجہ منعطف کی ہے۔ اسی طرح ایک حدیث پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشہور پالتو جانور کتے کے لعاب کی تطہیر اور اس کی نجاست سے ملوث اشیا کو پاک کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"طُهُور اِناءِ احدکم اذا وَلَغَ فیه الکلبُ ان یغسلهُ سبع مراتٍ اُولاهُنّ بالتراب" اخرجه مسلم[5]

ترجمہ: جب کتا کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو اس کو سات مرتبہ دھونا۔ اس حدیث پاک سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفظانِ صحت کی طرف لوگوں کی توجہ منعطف کی ہے۔ خاص کر کتے جیسے پالتو جانور جو عام لوگوں کے ساتھ گھل مل کر رہتا ہے اس کے لعاب کی سمیت اور اس کو پاک کرنے کا طریقہ بہت ہی تاکید کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ بعض اطبا کی رائے ہے کہ کتے کی آنتوں میں چھوٹے چھوٹے کیڑے پائے جاتے ہیں۔ جب کتا باپنی غلاظت کو باہر ڈالتا ہے تو بہت سے انڈے اس کے توسط سے اس کے جسم پر پھیل جاتے ہیں اور کتا اپنے جسم کو زبان سے اکثر چاٹتا ہے اور یہ انڈے لعاب کے توسط سے ان چیزوں میں جا سکتے ہیں۔ جن میں یہ اپنا منہ ڈالتا ہے[6]

اسی طبی تحقیق کی بنیاد پر شاید کتے کی منہ پر لگی چیز کو پاک کرنے کی اتنی سخت تاکید کی گئی ہے۔ جسمانی صحت ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار سیوۂ مومن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے طہارت کی طرف بہت زیادہ توجہ دلائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں طہارت اختیار کرنے والوں کی بڑی تعریف فرمائی ہے اور جسمانی طہارت کو روحانی نظافت کا لازمی حصہ قرار دیا ہے۔ اسلام کا سب سے اہم رکن نماز ہے اس کی صحت کے لیے وضو لازم ہے اور یہ وضو، بھی طہارت صغریٰ ہے۔ اسلام نے علاج کو بہت اہمیت دی ہے اور بہت سی ایسی احادیث ملتی ہیں جن میں علاج معالجہ کی طرف رغبت دلائی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تداوُوا عبادَالله فان الله تعالیٰ لم یَضعُ داءً الّا وضع لهٗ دواً غیر داءٍ واحدٍ الصوم"۔ (المسند)

ترجمہ: علاج معالجہ کرو کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیماری پیدا کی تو اس کے لیے دوا

بھی پیدا کی مگر ایک بیماری کی دوا نہیں اور وہ ہے بڑھاپا۔

اسی طرح متعدد احادیث حفظان صحت کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے محدثین کرامؒ نے اپنی کتابوں میں درج کی ہیں، علاج کے سلسلے میں ایک بنیادی چیز جو احادیث سے ثابت ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ معالجہ کے لیے محرکات کا سہارا نہ لیا جائے۔

اس طرح معالجہ خدا کی ایک نعمت قرار دی گئی اور یہ نعمت حرام طریقے سے استعمال نہیں کی جا سکتی اس لیے شراب اور حرام جانوروں کے کسی جُز سے معالجہ جائز نہیں ہے اس سلسلے میں آنحضور صلی اللہ علیہ سلم کی ایک مشہور حدیث ہے۔

"ان اللہ تعالیٰ لمْ یَجْعَلُ شفاء کُم فیما حرّمَ عَلیکم۔" المسند

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حرام چیزوں میں شفا نہیں رکھی۔

اسی بنیاد پر اسلام نے بہت سے حیوانات کو محرمات میں شامل کیا اور اس سلسلے میں بعض جانوروں کا گوشت اور دودھ بھی محرمات میں داخل کیا جن میں غلاظت اور خباثت کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک حدیث میں آپ صلی اللہ وسلم نے فرمایا۔

"عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال نمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الجَلّالة والبانِها" اخرجه الترمذی۔(7)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاظت کھانے والی گائے اور اس کے دودھ پینے سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث پاک سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حفظان صحت کے لیے حیوانات کے گوشت اور ان کے دودھ کو بھی طبی نگاہ سے ہی جانچ پرکھ کر استعمال کیا جائے گا۔

الغرض تعلیمات اسلامی میں طب کی ایک خاص اہمیت ہے۔ اسی وجہ سے بعد کے ادوار میں علم طب پر بیش بہا خدمات انجام دی گئیں۔ یہ علم اسلام سے قبل بہت مکمل شکل میں موجود تھا اور طب کے علمی مراکز اور نامور اطبا مختلف اطراف عالم میں موجود تھے۔ نیز گذشتہ اقوام میں بھی گذر چکے ہیں۔

فن طب کی ابتدا مورخین کے نزدیک یونان سے ہوئی اور اس فن کا باوا آدم اسقلیبس کو تسلیم کیا جاتا ہے، اس کا خیال تھا کہ خدا کی طرف سے اس پر یہ فن الہام ہوا تھا، اس کے خاندان

میں بڑے بڑے نامور حکما اور اطبا گذرے ہیں اسی کی نسل سے بقراط ہوا۔ جو حضرت عیسیٰ سے تقریباً پانچ سو برس پہلے گذا ہے یہ پہلا شخص ہے جس نے اس فن کو مرتب کیا، طب کی تعلیم کو اس نے عام کیا۔ بقراط کے بعد جالینوس پیدا ہوا۔ دوسرے اطبا جو اس فن کے ماہرین میں شمار ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔ غورس، سلینس، برمابندس، افلاطن، استقلیپسوس اور بقراط، مسلمانوں نے طب کے اس سرمایہ کو عربی زبان میں منتقل کیا اور چونکہ بقراط اور جالینوس نے اس فن کو کمال کے مرتبے پر پہنچایا اس لیے ان کی تصنیفات پر زیادہ توجہ دی گئی۔[8] دوسری طرف تمدن اور طب کا بھی ایک دوسرے سے بڑا گہرا تعلق ہے، عربوں کی زندگی چوں کہ بہت سادہ تھی اور تمدن کی پیچیدگیوں سے دور تھی اس لیے ان کی یہ سادہ زندگی طب کی طرف زیادہ توجہ مرکوز کرنے میں حائل رہی، تاہم بہت سی ایسی احادیث نبویہ ملتی ہیں جو عملی طب کی طرف مسلسل اشارہ کرتی ہیں اور اس دور کے کچھ اطبا کے نام بھی لیے جاسکتے ہیں۔ عہد نبوی کے چند اطبا کے نام درج ذیل ہیں:

حارث بن کلدہ الثقفی (المتوفی 13 ہجری مطابق 636ء) یہ طائف کے باشندے تھے اور طب کی تعلیم چندیسا پور میں حاصل کی تھی بعض مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ اس نے یمن میں بھی تعلیم حاصل کی تھی[9] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طبابت پر یقین رکھتے تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اس سے علاج کروانے کا مشورہ دیتے تھے۔

2. نضر بن حارث (المتوفی 2 ہجری مطابق 623ء) یہ حارث بن علقمہ کا بیٹا تھا اور مشرکین قریش کا بہت بڑا مؤید تھا۔ غزوہ بدر میں بھی مشرکین کے ساتھ شریک جنگ رہا اور اسی سنہ میں مقتول ہوا۔

3. ضماد بن ثعلبہ الازدی رضی اللہ عنہ یہ مشہور صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد اپنے معالج ہونے کا تذکرہ بھی کیا۔ اسلام لانے سے قبل وہ قریش سے کہا کرتے تھے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے میری ملاقات ہوئی تو میں ان کا علاج کروں گا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اپنی طبی مہارت پر پورا یقین تھا۔

اس سلسلے میں دیگر اطبا کے نام یہ ہیں۔ ابن ابی رفثہ التیمی، ابن خذیم التیمی، رفیدہ الاسلمیہ، شفا بنت عبداللہ القرشیتہ، ام عطیتہ الانصاریہ، الحارث بن کعب، زہیر بن جناب، شمر ول بن قباب الکعدی۔

الغرض تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ عربوں کو طب کی افادیت اور اس کی ضرورت کا شدت سے احساس ہوتا چلا گیا اور علوم فنون کی منتقلی کے ساتھ اس اہم علم کی طرف بھی عربوں نے اپنی توجہ مبذول کی۔ بنوامیہ کے دور میں بہت سی کتابوں کے تراجم ہوئے ان میں طبی شعبہ سے متعلق بھی کتابیں ہیں، اھرن بن اعین کی کناش (قرابادین) کا واقعہ تو سب کو معلوم ہے۔ چونکہ عہد عباسی علوم وفنون کے عروج کا دور تھا اور تمدن کی پیچیدگیاں بھی اس زمانے میں بڑھ گئی تھیں اس لیے طبی میدان میں بھی اس دور نے اہم کارنامے انجام دیے، گویا طب یونانی کا احیا کیا گیا او راس میں ایسے نامور اطبا پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے انکشافات اور اصلاحات کے ذریعے طب یونانی کو طب عربی میں بدل دیا۔ اس سلسلے میں منصور سے لے کر دور مامونی تک کارہائے نمایاں انجام دیے گئے بے شمار مترجمین نے تراجم کے ذریعے اس بیش بہا علم کو سارے عالم میں پھیلایا جس کی تفصیل مقالے کے اندر ملے گی۔

فلسفہ: یا حکمت میں وہ تمام علوم شامل ہیں جن کا وجود مادی یا روحانی ہے۔ اس میں ریاضیات، طبیعیات، الٰہیات، منطق، تدبیر منزل اور سیاست مدن بھی شامل ہیں، اس کی دو قسمیں کی جاتی ہیں حکمت نظری اور حکمت عملی پھر ان دونوں کی تین تین قسمیں کی جاتی ہیں حکمت نظری میں ریاضیات الٰہیات اور طبعیات شامل ہیں اور حکمت عملی میں تہذیب اور اخلاق، تدبیر منزل او رسیاست مدن شامل ہیں۔[10]

ریاضیات: ریاضی اس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعے ایسے امور کے حالات معلوم ہوتے ہیں جو خارج میں مادے کے محتاج ہوتے ہیں اور وجود ذہنی میں مادے کے محتاج نہیں ہوتے، جیسے مثلث، دائرہ وغیرہ۔

الٰہیات: اس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعے ایسے امور معلوم ہوں جو اپنے وجود خارجی اور ذہنی میں مادے کے محتاج نہیں ہوتے، مثلاً خالق باری تعالیٰ ملائکہ وغیرہ۔

طبیعیات: ایسے علم کا نام ہے جس کے ذریعہ ان امور کے حالات معلوم ہوں جو اپنے وجود خارجی و ذہنی میں مادہ کے محتاج ہوتے ہیں۔ جیسے عالم کی اشیا انسان وحیوان وغیرہ۔

حکمت عملی: حکمت عملی کے اقسام میں پہلی قسم تہذیب اخلاق ہے۔

(1) تہذیب اخلاق! اس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کسی خاص شخص کی مصلحتیں

ہوتی ہیں تاکہ ان سے آراستہ ہوکر اخلاقی برائیوں سے پاک وصاف ہو جائے۔

(2) تدبیر منزل: اس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سماج یا خاندان کے مصالح معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً اولاد کے حقوق والدین کے حقوق اور مالک اور خادم کے تعلقات وغیرہ۔

(3) سیاست مدن: اس علم کو کہتے ہیں جس سے ایسی جماعت کی مصلحتیں معلوم ہوں جو شہر میں ایک ساتھ شریکِ زندگی ہیں۔ مثلاً حاکم و رعایا کا تعلق، ایک شہر کا دوسرے شہر سے تعلق وغیرہ۔[11]

منطق کو بھی فلسفے کی قسم میں شمار کیا جاتا ہے، لفظ فلسفہ دو لفظوں فیلا اور سوفا سے مرکب ہے فیلا کے معنی محب اور سوفا کے معنی حکمت و فلسفہ ہے۔ مگر ابنِ ابی اصیبعیہ نے لکھا ہے کہ فیلا کے معنی ایثار اور سوفا کے معنی حکمت کے ہیں۔ اس شخص کو جس نے تحصیلِ حکمت کے لیے اپنی زندگی وقف کردی ہو اس کو فیلوسوفوس کہتے ہیں۔[12]

فلاسفۂ یونان بلحاظ طبقات اونچے رتبے والے اور قدر و منزلت کے اعتبار سے علم میں بلند درجہ رکھتے ہیں۔ مندرجہ ذیل پانچ فلاسفۂ یونان کا درجہ بہت بلند ہے۔

ابندقلیس، فیثاغورس، سقراط، افلاطون، ارسطاطالیس۔

یونانی فلسفہ کی ابتدا تھیلز نے کی، اس کو عرب لوگ طالیس کہتے ہیں یہ 620ق م میں پیدا ہوا اس کے بعد بڑے بڑے حکما پیدا ہوئے یہ سلسلہ 522 تک جاری رہا۔

اس طویل مدت کو دو حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔ (1) دورِ قدیم (2) دورِ جدید۔

دورِ قدیم: افلاطون (المتوفی 347ق م) پر ختم ہو جاتا ہے اور دورِ جدید کی ابتدا ارسطو۔ (المتوفی 220ق م سے ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا پانچ فلاسفۂ یونان کے علاوہ دوسرے فلاسفہ میں انکسا غورس اور انکسیمانس بہت مشہور ہیں۔ یہ تقسیم زمانے کے اعتبار سے تھی۔ لیکن اصولِ فسلفہ، طرز تعلیم اخلاق و عادات کے لحاظ سے سات فرقے قرار دیے گئے ہیں۔

(1) قورنیہ: اس فرقے کا بانی ارسطیس[13] تھا یہ شخص قورنیہ کا رہنے والا تھا۔ اسی مناسبت سے اس فرقے کا نام قورنیہ پڑا۔

(2) رواقیہ: اس فرقے کا بانی کرسفس[14] تھا یہ شخص سائبان کے نیچے بیٹھ کر تعلیم دیتا تھا اس لیے یہ فرقہ رواقیہ کے نام سے مشہور ہوا۔

اس کے فلسفے کی غرض وغایت اخلاقیات کے لیے ایک معقول اساس مہیا کرنا تھا۔ یہ اپنا مطالعہ منطق سے شروع کرتا تھا۔ اسی لیے انھوں نے منطق کی طرف بہت زیادہ توجہ کی تھی۔ [15]

(3) کلابیہ: اس فرقے کا بانی انستھین تھا یہ فرقہ اسمی اور اصطلاحی اصول واخلاق کا مخالف تھا اسی بنا پر لوگ کہتے تھے کہ ان کی حالت کتوں جیسی ہے اس لیے وہ کلابیہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔

(4) مانعہ: اس فرقہ کا بانی فورن [16] ہے چوں کہ اس فرقہ کے لوگ لوگوں کو تعلیم سے روکتے تھے، اس لیے مانعہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

(5) لذتیہ: اس فرقہ کا بانی اپکیواس (المتولد 336ق م) تھا اس فرقہ کے لوگ فلسفہ کو ذہنی لذت کا ایک ذریعہ تسلیم کرتے تھے اور روحانی لذتوں کے قائل نہیں تھے اور دنیاوی عیش و طرب کو سب کچھ سمجھتے تھے اور اخروی عیش کے طالب نہیں تھے اس لیے یہ فرقہ لذتیہ کے نام سے مشہور ہوا۔

(6) فیثاغورثیہ: اس فرقے کا بانی فیثاغورث (المتولد 580ق م) ہے اس شخص نے فلسفہ کو بہت ترقی دی اس کے فلسفہ کے متبعین فرقہ فیثاغوثیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

(7) مشائیہ: اس کے دو بانی تھے (1) افلاطون (2) ارسطو۔ چوں کہ یہ گھوم پھر کر تعلیم دیتے تھے اس لیے اس لقب سے مشہور ہوئے ان دونوں کے متعلق قفطی نے لکھا ہے۔

وَھُماَ رُکناَ الفلسفة وَعَمُودَاھا" [17]

یعنی یہی دونوں فلسفے کے ستون ہیں۔

اور انھیں پر فلسفہ کی بنیاد قائم ہے اسلام میں فلسفہ کی ترویج دورِ اول سے ہو چکی تھی لیکن نہایت ہی قلیل پیمانے پر تھی۔ محدثین اور فقہا نے تو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ متکلمین [18] البتہ اس سے واقفیت پیدا کرتے تھے لیکن صرف رد اور ابطال کے لیے اور اس میں ان کو اس قدر غلو تھا کہ استدلال اور اثبات مطالب میں منطق اور فلسفہ کی اصلاحوں سے بھی پرہیز کرتے تھے۔ [19]

فلاسفہ نے طبعیات کے سلسلے میں بیش بہا خدمات انجام دیں اور ان کی خدمات کا اعتراف تمام اہل علم نے کیا ہے۔ البتہ الٰہیات میں وہ کم مایہ نظر آتے ہیں اور بہت سے مذہبی آرا

وحی الٰہی سے حاصل شدہ آرا سے ٹکراتے ہیں۔ اس لیے حکمائے اسلام نے ان کی آرا کی تبدیلی کے لیے مستقل طور پر خامہ فرسائی کی۔

امام غزالیؒ (التوفی 505 ہجری مطابق 1111ء) نے اس سلسلے میں قابل قدر تصنیفات چھوڑی ہیں۔ ان میں ''تھافتہ الفلاسفہ'' ایک بیش بہا تالیف ہے۔ جس میں انھوں نے فلاسفہ کے بہت سے مسائل کا ابطال کیا ہے۔ مثلاً

(1) اس دعوے کا ابطال کہ عالم ازلی ہے۔
(2) فلاسفہ کا ابطال کہ عالم ابدی ہے۔
(3) فلاسفہ اپنے اصول کے مطابق خدا کا وجود ثابت نہیں کر سکتے۔
(4) وہ خدا کو صانع عالم ثابت نہیں کر سکتے۔
(5) وہ خدا کی توحید ثابت نہیں کر سکتے۔
(6) فلاسفہ صفات الٰہی کے منکر ہیں۔ یہ ان کی غلطی ہے۔
(7) فلاسفہ ثابت نہیں کر سکتے کہ خدا مجسم نہیں۔
(8) فلاسفہ یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ خدا دوسری اشیا کا عالم ہے۔
(9) فلاسفہ کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ خدا جزئیات کو نہیں جانتا۔
(10) فلاسفہ یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ روح ابدی ہے۔[20]

الغرض فلسفہ وحکمت کے مختلف شعبہ جات ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر شعبے قابل قدر ہیں۔ مسلمانوں نے ان تمام شعبوں کی طرف اپنی توجہ مبذول کرائی۔

الٰہیات میں فلاسفہ کی بہت سی غلطیاں منظر عام پر آئیں جیسا کہ حکمائے اسلام کی تصنیفات سے پتہ چلتا ہے خاص کر امام غزالی (متوفی 505 ہجری مطابق 1111 کی تصنیفات اس سلسلے میں قابل قدر ہیں مگر اس حقیقت کو ماننا پڑتا ہے کہ یونانی فلسفہ اور تعلیم کا اثر مسلم فرقوں پر بہت نمایاں پڑا اور متعدد ایسے فرقے منظر عام پر آئے جن کی تعلیمات قرآن وسنت کی صاف و شفاف تعلیمات سے ٹکراتی رہیں۔

مسلمانوں میں فلسفہ یونان کی اشاعت تراجم کے ذریعے ہوئی اس کی تھوڑی بہت ابتدا دور اُموی میں ہو چکی تھی لیکن دور عباسی میں اس میں سرگرمی پیدا ہوئی اور خلیفہ ابو جعفر منصور کے

زمانے (136 ہجری۔ 158 ہجری مطابق 754-775) سے لے کر مامون کے زمانے (198-218 ہجری مطابق 813-833) تک ترجمہ کا کام ہوتا رہا۔ زیادہ تر ارسطو کی کتابوں کے تراجم ہوئے لیکن یہ تراجم غیر واضح تھے۔ ابونصر فارابی (المتوفی 339 ہجری مطابق 950) کے زمانے تک یہی حالت رہی۔

منصور بن نوح سامانی نے فارابی سے عمدہ ترجمہ تیار کروایا۔ انھوں نے تمام تراجم کی تہذیب وترتیب اور تلخیص اوران کو ایک مستقل کتاب میں جمع کر دیا۔ جس کا نام اس نے تعلیم ثانی رکھا اور وہ معلم ثانی کے لقب سے مشہور ہوئے۔[21] تفصیل مقالہ کے اندر ملے گی۔

اس مقالہ کے اندر طلبہ وفلاسفہ کے کارناموں کو تفصیلی سے بیان کیا گیا ہے خاص کر عہد مامونی کے مترجمین کا مفصل بیان ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ لوگ نامور اہلِ علم تھے ان کی بیش بہا خدمات کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس میں حکمائے یونان کا تذکرہ ہے۔ مختلف علوم وفنون کی اشاعت کی تاریخ ہے۔ مختلف اسلامی ادوار میں عہد مامون تک جو علمی کام تراجم وتالیفات کی شکل میں پیش کیا گیا ہے ان سب کا مفصل تذکرہ ہے۔ بیت الحکمت نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے اور اسلامی کتب خانوں نے اور مدارس ومکاتب نے طویل اسلامی ادوار میں جو خدمات انجام دیں ان سب کا تفصیلی تذکرہ ہے ان معلومات افزا مواد کے لیے دوراول کے بارے میں قابل قدر تصنیفات کی ورق گردانی کر کے ان کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے اور اپنی تحقیقات کو بھی اس میں شامل کیا ہے۔ ان میں سے کچھ مشہور تالیفات جن کی مدد سے یہ تحقیقی کام کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

مروج الذہب (المسعودی)، عیون الانباء فی طبقات الاطبا (ابن ابی اصیبعہ)، الفہرست (ابن ندیم) طبقات الامم (ابن صاعد اُندلسی)، کشف الظنون (حاجی خلیفہ) وفیات الاعیان (ابن خلکان) حکمائے اسلام (عبدالسلام ندوی) المامون (علامہ شبلی) الغزالی (علامہ شبلی) تاریخ الاسلام (حسن ابراہیم) مشکواۃ المصابیح (شیخ ولی الدین)

الغرض اپنی دانست میں متعلقہ مضمون کو پوری علمی دیانت داری کے ساتھ تحقیق کے دائرے میں لایا گیا ہے۔

والسلام

عشرت اللہ خاں

حواشی:

1. القرآن المجید، سورۃ العلق۔
2. الشیخ ولی الدین، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم، ص34، طبع دہلی آفسیٹ۔
3.
4. حافظ ابن حجر العسقلانی، بلوغ المرام مع اتحاف الکرام، ص8 طبع بنارس 1983، ص5 ایضاً ص6۔
5.
6. صفی الرحمٰن مبارک پوری، اتحاق الکرام، ص7، طبع بنارس 1982۔
7. حافظ ابن اجر اعقلانی، بلوغ المرام مع اتحاف الکرام، ص392، طبع بنارس 1982۔
8. علامہ شبلی، رسائل ص22، طبع علی گڑھ 1898۔
9. ابن صاعد الاندلسی طبقات الامم، ص81، طبع اعظم گڑھ 1928۔
10. شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں حکمت عملی کے تمام اقسام کے متعلق اچھی بحثیں کی ہیں بخوبی معلومات کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ ملاحظہ حجۃ اللہ البالغہ ج، ص41-46 طبع کتب خانہ رشیدیہ دہلی 1954۔
11. فضل امام خیر آبادی، مشرح ھدیۃ الحکمۃ، ص2۔ طبع کانپور۔
12. احمد بن صاعد الاندلسی، طبقات الامم، ص32، طبع اعظم گڑھ 1928۔
13. علامہ شبلیؒ نے اس کو ارسیلوس لکھا ہے اور (رسائل شبلی ص206) طبع اعظم گڑھ 1958۔
14. علامہ شبلیؒ نے اس کا بانی زینون کو قرار دیا ہے۔
15. شبیر احمد خاں غوری (علم منطق) بمعہ التعارف) مارچ اپریل 1988 طبع لاہو۔
16. ابن صاعد اندلسی نے اس کا نام فورون بتایا ہے۔
17. عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام، حصہ اول ص13، طبع اعظم گڑھ 1953۔
18. متکلمین: علم کلام کے علما متکلمین کہلاتے ہیں۔ لغت میں کلام کے معنی بات، قول، گفتگو اور مضمون کے ہیں۔ اس علم کے ذریعہ دین اسلام کے اثبات اور ان سے رفع شکوک وشبہات پر قدرت حاصل ہوتی ہے اس کی ابتدا پہلی صدی ہجری میں معتزلہ اور قدریہ نے کی اور اہل السلنۃ والجماعۃ کے علم کلام کی بنیاد ابوالحسن اشعری (متوفی 330ھ) نے کی۔ علامہ شبلیؒ نے اس کا موجد مہدی عباسی کو بتایا ہے جس نے متحدوں کے رد میں کتابیں لکھنے کا حکم دیا اس علم کی ضرورت اس لیے پڑی کہ فلسفہ کے مسائل اور حکما کے خیالات پر تنقید کر کے ان کا وقعت اور ان کے اثر کو کم کیا جائے۔ امام غزالی نے اس ضرورت سے "تھافتہ الفلاسفتہ" لکھی۔ علم الکلام کی دو شاخیں ہیں۔ ایک عقلی اور دوسری نقلی۔ پہلی شان فلسفہ اور دوسرے مذہب کے مقابلے میں ایجاد ہوئی۔ پہلی شاخ کے موجد معتزلہ یعنی ابوالھزیل نظام۔ حافظ اور ابومسلم اصفہانی تھے اور نقلی علم کلام اسلامی فرقوں یعنی معتزلہ، قدریہ۔ جبریہ کے مقابلے میں ایجاد ہوئی اس۔ کے موجد امام ابوالحسن اشعری تھے۔
19. علامہ شبلی الغزالی ص262، طبع کان پور 1901ء
20. علامہ شبلیؒ، الغزالی، ص123، طبع کانپور 1501۔
21. مولانا عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام، ج اص17 طبع اعظم گڑھ 1953۔

پہلا باب

خلافت عباسیہ کا مختصر تعارف

خلافت بنی عباس کا بانی ابوالعباس سفاح (متوفی 133 ہجری مطابق 753ء) ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت عباس کے متعدد بھائی تھے ان کا شجرۂ نسب مندرجہ ذیل ہے۔[1]

(نقشہ اولاد عبدالمطلب بن ہاشم) عبدالمطلب

زبیر عبالکعبہ ابولہب حمزہ عباس مصعب

حارث ابوطالب عبداللہ مغیرہ ضرار غیداق

(حضور کے والد)

بعض مؤرخین نے عبدالمطلب کے تین اور بیٹوں کے نام کا ذکر کیا ہے۔ لیکن زیادہ تر مؤرخین کا اتفاق بارہ نرینہ فرزندوں پر ہے اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ چچا ہوئے۔

حضرت عباس کا شجرۂ نسب

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عمر میں دو سال بڑے تھے ان کی والدہ کا نام نتیلہ بن جناب تھا یہ پہلی عربی خاتون تھیں جنھوں نے بیت الحرام کو حریر اور دیباج کا لباس پہنایا۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاہلیت میں بھی رؤسا قریش میں سے تھے عمارہ اور سقایہ ان ہی سے متعلق تھی۔ عمارہ کا مطلب تھا کہ بیت الحرام میں کسی شخص کو گالی گفتار نہ کرنے دیتے تھے۔ جنگ بدر میں یہ قریش کے ساتھ تھے اور قید کیے گئے تھے۔ قبول اسلام کے بعد حنین طائف اور تبوک کے غزوات میں شریک ہوئے اسلام لانے کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بہت عزت فرمایا کرتے تھے اور ارشاد فرماتے ''ھذا عمی وصنوابی'' یہ میرے چچا اور میرے باپ کے برابر ہیں۔ حضرت عباس بہت سخی اور قرابت داروں سے بے انتہا حسنِ سلوک کرنے والے تھے اور صاحب رائے وتدبیر اور صاحب دعائے مستجاب تھے انھوں نے 32 ہجری مطابق 652 میں بعمر 88 سال وفات پائی۔

فرزندانِ عباسؓ (2)

فضل عبیداللہ قثم عون کثیر

عبداللہ معبد عبدالرحمٰن تمام حارث

علی

محمد

منصور (137 ہجری 754ء) سفاح (133 ہجری) 750ء

مہدی

(159 ہجری)

775ء

(170 ہجری) ہارون ہادی (169 ہجری)

786ء 788ء

(198 ہجری) مامون امین (194 ہجری) معتصم (218 ہجری)

813ء 809ء 833ء

جیسا کہ تاریخ کے مطالعہ کرنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں کہ خلافت وامارت کے بارے میں مسلمانوں میں ابتدا ہی سے اختلافات پیدا ہونے شروع ہوگئے تھے۔ ابتدا میں تو یہ

اختلافات دبے رہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان اختلافات نے خانہ جنگی کی صورت اختیار کرلی اور حضرت علی کی شہادت کے بعد خلافت بنو امیہ میں منتقل ہوگئی۔ (41 ہجری) دور اموی کا ایک المناک حادثہ شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ہے۔ امام حسین کے شہید (61 ہجری مطابق 680) ہونے کے بعد امامت ان کے بیٹے زین العابدین کو نہیں پہنچی بلکہ محمد بن حنفیہ اور محمد بن حنفیہ کی وفات پر ان کے بیٹے ابو ہاشم کو اور ابو ہاشم نے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو امامت سپرد کردی۔ محمد بن علی نے خلافت و امامت کو یکجا کرنے کی کوشش شروع کردی اور بنوامیہ کے خلاف لوگوں کو اپنی امامت کے لیے دعوت دینے لگے۔ ان کی دعوت کی ابتدا 100 ہجری مطابق 718ء) سے ہوئی انھوں نے اپنی وفات (124 ہجری مطابق 741ء) سے پہلے اپنے تینوں بیٹوں ابراہیم، ابوالعباس سفاح، ابوجعفر منصور کو سلسلہ وار اپنا جانشین مقرر کردیا تھا۔ ابراہیم نے تحمل اور دلیری کے ساتھ دعوت کا سلسلہ جاری رکھا خراسان میں اس دعوت نے زور پکڑا۔ ابومسلم خراسانی نے دعوت عباسیہ کو پھیلانے کی زبردست کوشش کی۔ اس نے اپنی لیاقت اور سلیقہ سے بہت سے آدمیوں کو بنی عباس کا طرفدار بنالیا اور خراسان سے کوفہ تک کا تمام علاقہ زیر نگیں کرلیا اور ابوالعباس سفاح کو خلیفہ بنادیا۔ (132 ہجری مطابق 750ء) اس سلسلے میں ذاکر حسین جعفری اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''حکومت عباسیہ کی بنیاد جن اصولوں پر ڈالی گئی اور جن تدابیر کے نتیجے میں وہ قائم ہوئی تھی اگر اس لحاظ سے دیکھا جائے تو کہنا پڑے گا کہ بہ نسبت زور طاقت اور فاتحانہ عظمت و استقلال کے بنی عباس کا اعتماد زیادہ تر چالبازیوں اور حیلہ کاریوں پر ہی رہا۔ مکروفریب کے سوا ان کو بہت کم جرأت و دلیری سے غلبہ حاصل ہوا مگر یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس حکومت کے عہد میں سلطنت کی حالت قابلِ تعریف رہی علوم فنون کے پھیلنے کا موقع ملا۔ ادب و ہنر کو سرسبزی حاصل ہوئی زراعت وتجارت کا بازار گرم رہا، ممالک اسلامیہ کی سرحدیں مستحکم کی گئیں، امن وآزادی کی برکتیں عام رہیں اس لیے ماننا پڑتا ہے کہ اس مبارک خاندان کی حکومت دنیا کے لیے رحمتِ الٰہی سے ہرگز کم نہیں تھی[3]۔

شاہ معین الدین ندوی اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

''جو عظمت وشان اور جو اہمیت دولت عباسیہ کو حاصل ہوئی وہ کسی کے حصہ میں نہ آئی

گو اموی حکومت کے مقابلے میں اس کا حصہ کم تھا اور برابر گھٹتا ہی گیا لیکن جب تک عباسی حکومت کا نام باقی رہا اس وقت تک اسلامی حکومتوں میں مرکزی حیثیت اسی کو حاصل رہی...... اسلامی تاریخ میں علوم وفنون کی تدوین کا آغاز اسی علم دوست حکومت کے زمانے میں ہوا اور اسی کے عہد میں عروج کمال کو پہنچا...... مسلمانوں کی ساری دماغی ترقیاں علمی کارنامے اور اکابر علما اور علم وفن کے بہترین ذخائر عباسی عہد کے یادگار ہیں۔''(4)

احمد حسن زیات اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

حکوت عباسیہ کا زمانہ اسلام کا وہ زرّیں عہد ہے جس میں مسلمان تہذیب وتمدن اور عمران واقتدار کے لحاظ سے اس قدر بلند مقام پر پہنچ گئے تھے کہ اس سے قبل یا اس کے بعد پھر کبھی اس بلندی پر نہ پہونچے، فنون اسلامیہ اس دور میں پھلے پھولے آداب عربیہ نے نشو ونما پائی۔ غیر ملکی علوم کے ترجمے کیے گئے۔ عقل عربی پک کر تیار ہوئی اور اس نے غور وفکر بحث وتمحیص کے لیے ایک وسیع جولان گاہ بنائی۔ اس حکومت کے فرمانروا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس کی طرف منسوب ہیں جنھوں نے ایرانیوں کی مدد سے خلافت کو امویوں کے ہاتھ سے بزور وجبر چھین کر اس کا پایہ تخت عراق کو بنایا جہاں پانچ صدی سے کچھ زیادہ مدت میں سینتیس خلفا تخت سلطنت پر باری باری بیٹھے تا آنکہ ہلاکو نے 656 ہجری مطابق 1258 میں اس حکومت کا تختہ الٹ دیا۔''(5)

عصر عباسی کی اس طویل مدت کو چار ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

دور اول 132 ہجری 749ء سے 232 ہجری 846ء یعنی آغاز خلافت عباسیہ سے خلیفہ المتوکل کی مسند نشینی تک۔

دور دوم 232 ہجری 846ء سے 334 ہجری 945ء یعنی المتوکل کی خلافت سے سلطنت بنی بویہ تک۔

دور سوم! 334 ہجری 945ء۔ 447 ہجری 1055ء یعنی دولت بنی بویہ سے سلاجقہ کی آمد تک

دور چہارم! 447 ہجری 1055ء۔ 656 ہجری 1258ء عنی سلاجقہ کی آمد سے ہلاکو خاں کے ہاتھوں بغداد کی تباہی تک۔

جیسا کہ اوپر کے بیانات سے معلو ہوا کہ خلافت عباسیہ کی بنیاد خلافت بنی امیہ پر رکھی گئی تھی اس کے قیام کے سلسلے میں بہت سی سازشوں اور شورشوں کا سہارا لیا گیا لیکن علمی ترقی کو دیکھتے ہوئے اس دور کو تمام مورخین نے بالاتفاق اسلام کا عہد زریں قرار دیا ہے۔ اگر چہ تمدنی نقش آرائیاں اموی دور سے شروع ہو چکی تھیں لیکن اس کی تکمیل اسی عباسی عہد میں ہوئی۔ مختلف قوموں کے میل جول کے اثر نے تہذیب و معاشرت میں عظیم الشان انقلاب برپا کر دیا اور عباسی خلفا کی تمدن نوازی نے ایرانی، کلدانی، مصری، رومی، یونانی اور ہندی تہذیب و تمدن کے گونا گوں رنگوں سے سادہ عربی تمدن میں وہ نقش آرائیاں کیں کہ عباسی تمدن دنیا کا تماشا گاہ بن گیا اور مشرق میں اس کا نام اسلامی تمدن قرار پایا اور کشمیر کا شغر سے لے کر مصر و مغرب تک تمام مسلمانوں کو دینی تمدن ہو گیا۔[6]

حکومت بنی عباس کا بانی اور پہلا حکمراں ابوالعباس سفاح (متوفی 136 ہجری مطابق 754ء) ہے جو ابو مسلم خراسانی اور دوسرے عجمی سرداروں کی مدد سے خاندان بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان ثانی کو شکست دینے کے بعد تخت نشیں ہوا اس نے تخت نشینی کے بعد بنی امیہ کو بہت بے دردی سے قتل کیا اور اس کی خونریزی کے سبب سفاح کے لقب سے مشہور ہو گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنوامیہ کے طرفدار سفاح کے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر یہ بغاوتیں عاقلانہ طریقہ سے فرو کر دی گئیں۔ سفاح جتنا بڑا ظالم تھا اتنا ہی بڑا وہ دوسروں کے لیے رحم دل اور فیاض بھی تھا۔

اس سلسلے میں اکبر شاہ خاں نجیب آبادی لکھتے ہیں۔

''عبداللہ سفاح نے مال و دولت سے اپنی خلافت کے قیام و استحکام میں اسی طرح کام لیا جس طرح بانی خلافت بنوامیہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کام لیا تھا۔ حضرت امیر معاویہ نے اپنی سخاوت کے ذریعہ اپنے مخالفوں یعنی علویوں کا منہ بند کر دیا تھا۔ اس طرح اس نے تمام علویوں کو مال و دولت دے کر خاموش رکھا اور کسی کو مقابلہ پر کھڑا نہ ہونے دیا۔''[7]

ابوالعباس سفاح نے انتقال کے وقت اپنے بھائی ابوجعفر منصور کو اپنا ولی عہد بنا لیا تھا جس نے اپنی سلطنت کو بہت مستحکم کیا اور عظیم الشان علمی کارنامے انجام دیے۔

ابوجعفر عبداللہ منصور: (متوفی 158 ہجری مطابق 774ء) ابوالعباس سفاح حکومت عباسیہ کا بانی تھا اس کا معمار اول اس کا بھائی ابوجعفر منصور تھا۔ اس نے مضبوط بنیادوں پر حکومت

عباسیہ کی تعمیر کی وہ ہمت اور جرأت واستقلال کا پیکر تھا، اس نے ایسی حکومت کی تعمیر کی کہ بعد کے جانشین صدیوں تک شان وشوکت کے ساتھ حکومت کرتے رہے۔ منصور بڑا عاقبت اندیش اور دور بینی سے کام لینے والا خلیفہ تھا اسی وجہ سے اس خاندان کو اس قدر اقتدار حاصل ہوا کہ دنیاوی سلطنت رہنے کے بعد بھی اس خاندان کا اثر باقی رہا۔

منصور علم وکمال کا شیدائی تھا تصنیف وتالیف اور علمی خدمات کا سلسلہ اگرچہ عہد اموی میں شروع ہو چکا تھا لیکن صحیح معنوں میں علمی سرپرستی کا دور منصور کے عہد حکومت سے شروع ہوتا ہے اس سلسلے میں مؤلف طبقات الامم لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کی توجہ علوم وفنون کی طرف منعطف ہوئی وہ علم فقہ کا متجر عالم اور علوم فلسفہ خصوصاً علم نجوم میں نامور ہونے کے ساتھ علم کا شیدائی اور اہل علم کا دلدادہ تھا۔(8)

''اس نے روم وفارس کی قانونی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرایا مجسطی اور اقلیدس کا یونانی سے عربی میں ترجمہ ہوا اس کے عہد سے تمام علوم کی تدوین شروع ہوئی چنانچہ ابن جریج نے مکہ میں اور امام مالک نے مدینہ میں اس کام کو انجام دیا......

الغرض منصور کی قدردانی سے بڑے بڑے عالم اور ہنر مند بغداد میں جمع ہوئے۔ خلفائے اسلام میں سے اول اسی نے نجومیوں کے قول پر عمل کیا۔''(9)

شاہ معین الدین احمد اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

''تالیف وتصنیف اور دوسری قوموں اور زبانوں کے علوم کا مذاق منصور کے زمانے میں پیدا ہوا۔ حدیث وتفسیر، فقہ ومغازی وسیرت کی تالیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ چنانچہ امام مالک نے موطا لکھا، امام ابوحنیفہ نے فقہ مدون کیا۔ ابن اسحاق نے مغازی مرتب کی ان کے علاوہ ابن ابی عروبہ حماد بن سلمہ نے بصرہ میں معمر نے یمن میں سفیان ثوریؒ نے کوفہ میں اور ابن المبارک اور امام یوسف وغیرہ محدثین وفقہا نے اپنے اپنے مقامات پر حدیث اور فقہ کی تدوین وترتیب کی جانب توجہ دی۔''(10)

بعض مورخین کا بیان ہے کہ منصور حزم واحتیاط اور عوام کی مصلحتوں کا بہت خیال رکھنے والا خلیفہ تھا۔ سنجیدہ مزاج تھا اور اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کی طرح حزم واحتیاط کی بنا پر سلطنت کی بنیاد کو بہت مضبوط کر دیا۔

ڈاکٹر حسن ابراہیم اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"ان المنصور کان اعظم الخلفاءِ العبارسپینَ شِدّةً و باساً ویقظة وحزماً وصلاحاً واِهتماماً بمصالح الرعیة وجداً فی بلاطِهِ وَهوَ یُعبرُ بحق الموسس الثانی لله ولة العباسیة کما کان عبدالملك بن مروان بالنسبة الله ولة الاموية۔" (11)

ترجمہ: منصور عظیم الشان عباسی خلیفہ تھا، یہ سخت گیر تھا جزم واحتیاط کا مالک تھا۔ رعایا کا بہت خیال رکھنے والا تھا، سنجیدہ مزاج تھا، حقیقت میں یہ عباسی سلطنت کا دوسرا بانی تھا جس طرح عبدالملک بن مروان اموی سلطنت کے لیے تھا۔

ڈاکٹر ابراہیم شریفی اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

شجع الخلیفة المنصور الحرکةَ العلمیةَ والادبیةَ واقبل العُلماءَ علی ترجمة الکتب مِن اللخلت الفادسیة والیونانیة الی للغة العربیة وتالیف الکُتب فی الفقهِ والطب وعلمه الفلك و الریاضیات۔" (12)

ترجمہ: خلیفہ منصور نے علمی اور ادبی تحریک کی حوصلہ افزائی کی اور علما فارسی اور یونانی زبانوں سے عربی زبان میں ترجمہ کی طرف مائل ہوئے اور فقہ، طب فلکیات اور ریاضیات پر کتابیں تالیف کیں۔

منصور کا بہت بڑا کارنامہ بغداد کی تعمیر ہے اس شہر کو دائرہ کی شکل میں ایک نہایت ہی خوشنما نقشہ پر تیار کیا گیا تھا یہ نہایت ہی وسیع رقبہ میں پھیلا ہوا تھا اور اس پر کروڑوں روپیہ صرف کیا گیا تھا، دنیا کے مختلف حصوں سے معمار وسنگ تراش جمع کیے گئے تھے۔ انوری نے اس شہر کی خوب تعریف کی ہے۔

''خوشا نواحی بغداد جائے فضل وہنر

کہ کس نشان نہ بدد در جہاں چناں کشور

سواد او بمثل چون سپہر مینا رنگ

ہوائے او بصفت چون نسیم جان پرور

بخاصیت ہمہ سنگش عقیق نو نو بار

بمنفعت ہمہ خاکش عبیر نمالیہ بر،،(13)

یعنی بغداد کے اطراف و جوانب کیا ہی خوش نما اور دلکش ہیں۔ یہ علم و فضل اور ہنر کا مخزن ہے۔ دنیا میں ایسی آبادی کا نام و نشان نہیں ملتا اس کے گرد و نواح کے علاقے ایسے پُر رونق ہیں جیسے چمک دار ستاروں سے بھرا ہوا آسمان اس کی ہوا ایسی پر لطف ہے جیسے دل کو اور جان کو معطر کر دینے والی بادِ صبا، اس کے تمام پتھر ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے موتی اور یاقوت، اس کی مٹی خاصیت میں ایسی ہے جیسے معطر کرنے والی عطر کی خوشبو۔

ہارون الرشید بن مہدی متوفی(193 ہجری مطابق 809ء) ہارون رشید خلفائے بنی عباسیہ میں بہت با عظمت اور خوش اقبال خلیفہ ہوا ہے نہایت فصیح البیان اور کامل ادیب تھا اہل علم کو دوست رکھتا تھا، مستقل مزاجی عقل کی رسائی ہمت و شہرت کے اعتبار سے دنیا کے عظیم ترین بادشاہوں میں سے تھا، اس کا دورِ حکومت ہر اعتبار سے نہایت شاندار اور زرّیں دور تھا۔ حکومت کا بڑا دبدبہ اور وقار تھا، ہر طرف رونق و خوش حالی تھی۔ برامکہ جیسے لائق مدبرین اس کے وزرا تھے، اس کی سلطنت کا رقبہ بہت وسیع تھا۔ اس کے دربار میں علما و فقہا اور ماہرین فن جمع تھے۔ وہ بذات خود رعایا اور حکام کی تحقیق حال کے لیے گشت لگایا کرتا تھا اور تمام زائد ٹیکسوں کو موقوف کر دیا تھا۔ اس سلسلے میں اکبر شاہ خاں نجیب آبادی لکھتے ہیں۔

''ہارون الرشید کو خاندان عباسیہ میں آفتاب خاندان سمجھنا چاہیے اس کے زمانے میں خلافتِ عباسیہ نہایت مقبول ہو کر معراج کمال کو پہنچ گئی تھی۔ اس کے زمانے میں یہودی اور عیسائی علما کی بھی بڑی قدر دانی ہوتی تھی۔ عیرانی زبان کی کتابوں کے ترجمے ہوئے مختلف علوم و فنون کی تدوین کا سلسلہ جاری ہوا۔،،(14)

ذاکر حسین جعفر اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

''اس کا عہد علم و ہنر تہذیب و تمدن، خوش حالی اور تمول کی سر سبزی کا اور دولت اسلامیہ کے اوج و اقبال اور ترقی سلطنت کا زمانہ تھا، مسجدیں، کالج مدرسے، شفا خانے، سرائیں، سڑکیں، پل اور نہریں تعمیر ہوئیں۔ رشید پہلا خلیفہ ہے جس کے دربار میں فغفور چین اور شارلیمین شہنشاہ فرانس کے سفیر آئے۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی یحییٰ بن خالد برمکی کو اپنا وزیر بنا کر سلطنت کے سیاہ و سفید کا مختار بنا دیا۔،،(15)

ہارون الرشید دولت عباسیہ کا گل سرسبز اور عباسی حکومت کے عہد زریں کا بے مثال تاجدار تھا اس کے زمانے میں دولت عباسیہ علمی، تمدنی، سیاسی، ہر حیثیت سے اوج کمال پر پہنچ گئی۔ بیت الحکمت جس سے عباسی حکومت میں علوم وفنون کا دروازہ کھلا اسی کے زمانے میں قائم ہوا۔ عربی اور ایرانی تمدن کی آمیزش سے ایک ایسا دو آتشہ اور بوقلمونی تمدن پیدا ہوا جو اس دور کے اسلامی تمدن کا معیار بن گیا۔"(16)

اس سلسلے میں ڈاکٹر حسن ابراہیم لکھتے ہیں:

کـان الـرشیدُ من افاضل الغلفاء و فصحاءِ هم و علماء هم و کرمائهم کـان یـعج سنةً ویغزو سنةً مدة خلافتة الاسنین قلیلاً وکانَ یتشه فی افعاله بـالمنصور الافی بذل المال وکـان یـحبُّ الشعرَ والشُعرا ویمیل الی اهل الادب والفقیه ویکره المَراءَ فی الدین." (17)

ترجمہ: ''رشید، عالم وفاضل فصیح وبلیغ اور سخی خلیفہ تھا اور ایک سال حج کرتا تھا اور ایک سال جنگ کرتا تھا سوائے چند سالوں کے، اپنے کاموں میں منصور کی پیروی کرتا تھا لیکن سخاوت میں نہیں، شعرا کو دوست رکھتا تھا اور ادبا وفقہا کی طرف مائل تھا اور دینی امور میں مناظرہ بازی کو ناپسند کرتا تھا۔'' ڈاکٹر ابراہیم شریفی لکھتے ہیں۔

"وفـدعُـنـی الـرشـیـد یـنـشـرالـعلوم فامرَبتا سیس المعاهدلتخریج الاطبـا وکـان هـنـاك نوعان من الکلیات الطبیة النوع الاول طوبیمارستان ای الـمستشـفیٰ والـنـوع الثـانـی المدارس النظریة کماشجع الصناعات فی الولایات الاسلامیة." (18)

ترجمہ: رشید نے علوم وفنون کی نشرواشاعت کی طرف توجہ کی اور اطبا کے لیے مدرسہ قائم کیے اس کے عہد میں دو قسم کے طبی مدارس تھے ایک اسپتال کی شکل میں اور دوسرا تعلیمی مدارس کی شکل میں اس طرح انھوں نے مختلف صوبوں میں صنعت وحرفت کی حوصلہ افزائی کی۔

اس سلسلے میں فلپ حتی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ'' تاریخ وافسانہ دونوں ہارون الرشید کی خلافت کے دوران بغداد کی حکومت کو زریں اور روشن ترین عہد شمار کرتے ہیں اگرچہ نصف صدی سے کم عرصہ ہی گذرا تھا مگر بغداد ایک بہت اہم بین الاقوامی شہرت مند عالمی مرکز بن گیا تھا

اور اس سلسلے میں روم کا ہم پلہ ہو گیا تھا اس کی ایک شان و شوکت اس حکومت کے لائق تھی جس کی یہ راجدھانی تھا گویا بغداد ایک شہر تھا جس کی نظیر دنیا میں ملنی مشکل تھی۔"[19]

البرامکہ! یہ حقیقت بالکل عیاں ہے کہ ہارون رشید کا زمانہ خلافت عباسیہ کا عہد زرّیں تھا اس کے عہد کی ترقیوں کا سہرا ہارون سے زیادہ اس کے نامور برمکی وزرا کے سر ہے اس برمکی خاندان نے اس قدر عروج وعظمت و شان حاصل کی جو بڑے بڑے سلاطین کو میسر نہ ہوئی لیکن تاریخ کا یہ المناک واقعہ ہے کہ اسی عہد میں اس پر ایسا زوال آیا کہ اس خاندان کا نام ونشان مٹ گیا خاندان برامکہ نومسلم آتش پرستوں کا مشہور خاندان تھا جس کے تین افراد یحیٰ برمکی فضل برمکی اور جعفر برمکی باری باری ہارونی حکومت کے وزیر رہے ہیں۔ اس خاندان کا جدِ اعلیٰ بلخ کے نو بہار آتش کدے کا پجاری تھا، آتش کدے کے متولی پجاری کو مُغ کہتے تھے اور مرکزی آتش کدے کا مُغ، برمُغ کہلاتا تھا، ایران کے چار آتش کدوں میں سے ایک آتش کدہ نو بہار کا تھا۔ اسی نو بہار کا پجاری اس خاندان کا جد اعلیٰ تھا۔ یہ لفظ محرف ہو کر بعد میں برمک ہو گیا۔ بعض مورخین برمک کو ایک جگہ کا نام بتلاتے ہیں لیکن یہ بات تحقیق کے خلاف ہے شاید سب سے پہلا شخص جو اسلام کے آغوش میں آیا وہ یحیٰ بن خالد کا دادا جعفر بن برمک تھا۔ سلیمان بن عبدالملک کے زمانے میں بلخ سے شام میں آ کر بنی امیہ کے دربار میں معزز و محترم رہا۔ جعفر کا بیٹا خالد سفاح اور مہدی کا وزیر رہا خالد کا بیٹا یحیٰ ہارون رشید کا وزیر ہوا۔ یحیٰ نے جب بوجہ ضعیفی استعفیٰ دے دیا تو رشید نے پہلے اس کے بیٹے فضل کو پھر دوسرے بیٹے جعفر کو وزیر بنایا۔ "یہ مشہور اور لائق خاندان حقیقت میں رشید کی سلطنت پر حکومت کرتا رہا۔ منصور اور ہارون کے زمانے میں جو کچھ تصنیف و تالیف کا کام ہوا اسی خاندان کو حُسن تدبیر سمجھنا چاہیے۔"[20]

"خاندان برامکہ کے قبل وزرا کی بدولت بہت سے رفاہِ عام کے کارنامے انجام دیے گئے، نہریں، مسجدیں، اور دیگر رفاہِ عام کے کام ان قابلِ برمکی وزرا نے عباسی دور حکومت میں انجام دیے۔"[21]

عہد ہارون میں سب سے قابل وزیر جس نے اپنی قابلیت اور ذہانت سے دورِ ہارونی کو چار چاند لگائے وہ یحیٰ بن خالد برمکی تھا یہی شخص بیت الحکمت کا بانی بھی تسلیم کیا جاتا ہے اس سلسلے میں مؤلف البرامکہ لکھتے ہیں۔

''عہد ہارون میں سب سے زیادہ جس چیز نے یحییٰ برمکی کی وزارت کو فیاضی اور شاہانہ شان وشوکت کے علاوہ تمام دنیا میں مشہور کردیا وہ اس کے علمی کارنامے میں اور علوم فلسفہ وحکمت کی عام قدردانی کا یہ نتیجہ ہے کہ صفحات تاریخ پر آج بھی یحییٰ کا نام نامی ثبت ہے۔
بیت الحکمت کا بانی اگر چہ ہارون رشید کہا جاسکتا ہے لیکن اصلی انجینئر جس نے اس عمارت کا نقشہ بنایا پھر علوم وفنون کے مرقعوں سے اس کے درودیوار کو سجادیا وہ یحییٰ برمکی ہے کیوں کہ اسی عالم وزیر کے مشورے سے ہارون رشید نے بیت الحکمت قائم کیا تھا۔''(22)

اس سلسلے میں ڈاکٹر ابراہیم الشرفی لکھتے ہیں:

"ان البرامکة بثقافتهم و علمِهم وخبرتِهم قدمُواخد ماتٍ جُلّی للرشید واسهموافی تقوية وعائم حكمه وقدطلواسبع عشرة سنةً يتمتعون بنفوذ كبير وصلا حيات مطلقة فی اوارة شئون الدولة جمعو اخلالها ثرواتٍ ضخمةً وبنواقصورً فخمةً والقتنو االخدَم والموَالی حتی الصبح عددهم لايقل عن عدموالی وخدمِ الخليفة۔"(23)

ترجمہ: یعنی برامکہ نے اپنی ثقافت علم اور تجربہ کی بنیاد پر رشید کے لیے بڑی بڑی خدمات انجام دیں اور حکومت کی بنیادوں کو مضبوط کرنے میں بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، سترہ سال تک حکومت کے انتظام اور انصرام میں بہت بڑے اخرات اور صلاحیتوں سے ہم کنار رہے، اس دوران انھوں نے خوب دولت جمع کی اور اونچے محل بنائے، خدمت گاروں کو اکٹھا کیا یہاں تک کہ ان کی تعداد خلیفہ کے خدمت گاروں کی تعداد سے کم نہ تھی۔ ہر کمال کے لیے زوال ہے جیسا کہ مثل مشہور ہے۔ اسی طرح برمکی خاندان کو بھی زوال لاحق ہوا اور یہ بھی اسی خلیفہ کے ہاتھوں جس نے اس کو عروج وکمال کے زینے پر چڑھایا تھا۔

مؤرخین نے اس سلسلے میں بہت سی داستانیں بیان کی ہیں، مشہور داستان خلیفہ رشید کی بہن عباسہ سے تعلق رکھتی ہے لیکن اگر اس کا مطالعہ گہرائی سے کیا جائے تو یہ داستان غیر معمولی نظر آتی ہے۔ اسی لیے مشہور مؤرخ ابن خلدون نے اس کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا ہے۔ ایسا خلیفہ جو علم وفضل میں بے مثال ہو جس کی سلطنت کے رعب سے یورپ کے حکمراں بھی کانپتے ہوں اس قسم کی بچکانہ داستان کا ہیرو نہیں ہوسکتا ہے دراصل اس خاندان کے زوال کے بہت سے اسباب

ہیں ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

(1) برامکہ اہم باتوں میں خلیفہ کی رائے کے بغیر قطعی فیصلہ صادر کرنے لگے تھے مثلاً یحییٰ بن عبداللہ علوی کو رشید کے مشورہ کے بغیر رہا کر دیا تھا۔

(2) برامکہ نے بہت دولت جمع کر لی تھی اور خدمت گاروں اور محلات کی تعمیر پر بے حساب صرف کرنے لگے تھے۔

(3) برامکہ حکومت کے سیاہ وسفید کے مالک ہو چکے تھے اور رشید کو ڈر پیدا ہو چکا تھا کہ ملک فارسیوں کے ہاتھ میں دوبارہ نہ چلا جائے یا علویوں کے ہاتھ میں خلافت کی باگ ڈور سونپ دی جائے کیوں کہ برامکہ در پردہ علویوں کے طرفدار تھے۔

دور عباسی میں علمی کارنامے جس قدر بھی انجام دیے گئے ان سب کارناموں میں دور مامون کا حصہ سب سے زیادہ ہے اور اس لحاظ سے اس دور کو عہدِ عباسی کا زرّیں دور کہا جا سکتا ہے۔

مامون الرشید: ابوالعباس عبداللہ (متوفی 218 ہجری مطابق 833ء) ہارون رشید کے انتقال کے بعد 193 ہجری مطابق 809ء) میں بغداد کے تخت پر اس کا بیٹا امین الرشید بیٹھا لیکن اس کا بھائی مامون الرشید حریف کی حیثیت سے نمودار ہوا اور فارسیوں کی مدد سے امین کو شکست دے دی اور خود مملکت اسلامیہ کا خلیفہ بن گیا۔ مامون ایک ایرانی کنیز کی بطن سے تھا اس لیے ایرانی اس کی حمایت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ سب سے بڑا سپہ سالار جس نے اس کو تخت خلافت پر بٹھایا وہ عجمی سردار طاہر خراسانی تھا۔

مامون حزم واحتیاط، تدبیر ودانائی، جوانمردی عظمت وسخاوت کے لحاظ سے خاندان عباسی کا ممتاز بادشاہ تھا۔ وہ بے مثل فاضل اور حکیم تھا اس نے ہر علم میں کافی مہارت حاصل کی تھی۔ ادب وفقہ نجوم اور فلسفہ کا تبحر عالم تھا اسی کی توجہ سے اہلِ عرب تحصیل علوم کے شائق ہوئے انھوں نے فلسفہ علم ادب، علم ریاضی علم ہیئت اور علم طب وغیرہ میں نمایاں ترقی کی۔''[24]

''اس نے اپنے دادا منصور کے کارناموں کو تکمیل تک پہنچایا اس کی بلند ہمت نے اس کو کتب علمیہ کی جستجو اور علمی خزانوں سے ان کو ڈھونڈ نکالنے پر آمادہ کیا۔ اس نے قیاصرہ روم سے تعلقات پیدا کیے اور ان سے فلاسفر یونان کی کتابیں طلب کیں۔ انھوں نے افلاطون، ارسطو، بقراط، جالینوس اور بطلیموس وغیرہ فلاسفہ یونان کی وہ تمام کتابیں جو ان کے پاس موجود تھیں مامون

کی خدمت میں روانہ کیں اس نے لوگوں کو ترجمہ شدہ علمی کتابوں کے پڑھنے پڑھانے کی طرف رغبت اور شوق دلایا اس وجہ سے اس کے عہد میں فلسفہ کی گرم بازاری اور ہر طرف اس کی حکومت قائم ہوگئی۔،،(25)

مامون مذہبی رواداری میں بے مثل تھا اور مذہبی آرا کے اظہار میں لوگوں کو پوری آزادی دے رکھی تھی لیکن مسئلہ خلق القرآن میں بہت متشدد تھا۔عہد مامون اہلِ کمال سے مالا مال تھا۔اس کی سلطنت کا رقبہ بے حد وسیع تھا بغداد سے لے کر ایران و سندھ تک یہ رقبہ پھیلا ہوا تھا اور ہر جگہ علمی کارخانے کھلے ہوئے تھے۔اس سلسلے میں علامہ شبلی لکھتے ہیں۔

مامون کی حکومت بغداد سے لے کر شام، افریقہ، ایشیا کوچک، ترکی تاتار، خراسان، ایران اور سندھ تک پھیلی ہوئی تھی اور ایک ایک شہر بلکہ ایک ایک قصبہ میں علمی کارخانے کھلے ہوئے تھے جن کا صدر مقام اور اصلی مرکز دارالخلافہ بغداد تھا۔وہ مزید لکھتے ہیں۔

''اس عہد میں خیالات کی وسعت اور متعدد بانیانِ مذہب کا پیدا ہونا زیادہ تر اس آزادی کا اثر تھا جو مامون نے مذہبی خیالات کے ظاہر کرنے میں لوگوں کو دے رکھی تھی۔ وہ خود معتزلی یا شیعی تھا لیکن اس کے دربار میں قدری وجہمی اور تمام دوسرے مذاہب والے بھی نہایت عزت ووقار کے ساتھ شرف باریابی پاتے تھے۔،،(27)

مامون نے علوم وفنون کی طرف اپنی پوری توجہ کو منعطف کر دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ارکانِ دولت اور ارباب ثروت بھی ان کی طرف مائل ہوگئے اور بغداد علم وفن کا مرکز بن گیا اور تالیف وتراجم کی وجہ سے بغداد میں کتب فروشوں اور وراقوں کی کثرت ہوگئی۔اس سلسلے میں شاہ معین الدین احمد لکھتے ہیں۔

''مامون کے ذوق وشوق اور حوصلہ افزائی سے ارکان دولت صاحب وجاہت بھی ادھر مائل ہوگئے اور چند دنوں میں جزیرہ عراق، شام، اور فارس کے مترجمین کا بغداد میں مجمع ہوگیا۔ ان میں سطوری، یعقوبی، صابی، مجوسی، رومی، اور براہمہ سب تھے یہ سب یونانی، فارسی، سریانی، سنسکرت، نبطی، اور لاطینی وغیرہ کے تراجم کرتے تھے۔،،(28)

مامون اعتزال کی طرف مائل تھا اور دینی امور میں عقلی استدلال کو بطور ہتھیار استعمال کرتا تھا، جیسا کہ عام معتزلہ کی روش تھی، اس سلسلے میں فلپ حتی لکھتے ہیں کہ

''مامونی عہد میں یونانی فلسفہ وحکمت کا نمایاں اثر لوگوں پر ظاہر ہوا۔ چونکہ خلیفہ عقلی استدلال کی طرف مائل تھا اس لیے یونانی فلسفہ وحکمت کے تراجم کا کام سرگرمی سے ہوا کیوں کہ استدلال کے سلسلے میں منطق وفلسفہ کی شدید ضرورت پڑتی تھی، ان ہی وجوہات کی بنا پر مامون کا خیال تھا کہ مذہب کو عقل کے ساتھ موافقت لازم ہے اور عقل کی بنیاد پر ہی مذہبی امور کو پرکھنا چاہیے۔''(29)

مامون سنجیدہ مزاج کا حامل تھا اپنے بھائی امین کی طرح عیش وطرب کا دلدادہ نہیں تھا بلکہ ایک تجربہ کار فاضل وحکیم تھا فارغ اوقات میں علوم وفنون میں مشغول رہتا تھا۔

اس سلسلے میں احمد امین لکھتے ہیں۔

"کان لہُ ملاذُ عقلیةُ تشغُدُ وقتَه فهُوَيُحبُ الكُتُب ويُحبُ الفلسفة ويحب الجدل مى المسائل الدينية والفقهية وحوله العلماء من كل نوع يُبا حثهم ويجادلهم وهومع ذالك بلهر لهواخفيفا۔(30)

ترجمہ: یعنی مامون عقلی مسائل میں دلچسپی لیتا تھا اور اپنے اوقات کو اسی میں صرف کرتا تھا۔ کتابوں کا شوقین تھا فلسفہ کا دلدادہ تھا دینی اور فقہی مسائل میں مناظرہ باز تھا اس کے گرد ہر قسم کے علما جمع تھے وہ ان سے مباحثہ ومناظرہ باز تھا اس کے گرد ہر قسم کے علما جمع تھے وہ ان سے مباحثہ ومناظرہ کرتا تھا اس کے باوجود تھوڑا بہت وقت عیش وطرب میں بھی گذارتا تھا۔

مامون میں سب سے بڑی نمایاں صفت عفو وکرم کی صفت تھی اپنے معاندین کو آسانی سے معاف کردیتا تھا اور انتقام سے گریز کرتا تھا بحث ومباحثہ کی طرف مائل ہوتا تھا کیوں کہ موٴرخین کی رائے میں وہ معتزل مذہب کا موٴید تھا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر حسن ابراہیم لکھتے ہیں۔

کان المامون یتحلیَ بکثیرینَ الصفاتِ التی یهتا زُ یهاعن سائر الغلفا العباسیین من فالك میله الی العفو وکراهة لِلانتقام۔(31)

ترجمہ: مامون میں بہت سے ایسے صفات تھے جن کی بدولت وہ دوسرے خلفا سے ممتاز تھا۔ ان صفات میں سے ایک صفت عفو وکرم کی طرف اس کا میلان تھی اور انتقام سے نفرت۔

بغداد کے تخت خلافت پر بہت سے عباسی خلفا متمکن ہوئے ان کی مجموعی تعداد سینتیس ہے ان کے اسامع سنہ وفات وسنہ جلوس نیچے دیے جارہے ہیں۔

نمبر شمار	نام بادشاہ	سنہ جلوس	سنہ وفات
1.	ابوالعباس سفاح بن محمد	۱۳۲ھ	۱۳۶ھ
		۷۵۰ء	۷۵۴ء
2.	ابوجعفر منصور بن محمد	۱۳۶ھ	۱۵۸ھ
		۷۵۴ء	۷۷۵ء
3.	مہدی بن منصور	۱۵۸ھ	۱۶۹ھ
		۷۷۵ء	۷۵۸ء
4.	موسیٰ ہادی بن مہدی	۱۶۹ھ	۱۷۰ھ
		۷۸۵ء	۷۸۶ء
5.	ہارون رشید بن مہدی	۱۷۰ھ	۱۹۳ھ
		۷۸۶ء	۸۰۹ء
6.	امین بن ہارون	۱۹۳ھ	۱۹۸ھ
		۸۰۹ء	۸۱۳ء
7.	مامون بن ہارون	۱۹۸ھ	۲۱۸ھ
		۸۱۳ء	۸۳۳ء
8.	معتصم بن ہارون	۲۱۸ھ	۲۲۷ھ
		۸۳۳ء	۸۴۱ء
9.	واثق بن معتصم	۲۲۷ھ	۲۳۲ھ
		۸۴۱ء	۸۴۳ء
10.	متوکل بن معتصم	۲۳۲ھ	۲۴۷ھ
		۸۴۵ء	۸۶۱ء
11.	منتصر بن متوکل	۲۴۷ھ	۲۴۸ھ
		۸۶۱ء	۸۶۲ء

12. مستعین بن معتصم	۲۴۸ھ ۸۶۲ء	۲۵۲ھ ۸۶۶ء
13. معتز بن متوکل	۲۵۲ھ ۸۶۶ء	۲۵۵ھ ۸۶۹ء
14. مہدی بن واثق	۲۵۵ھ ۸۶۹ء	۲۵۶ھ ۸۷۰ء
15. معتمد بن متوکل	۲۵۶ھ ۸۷۰ء	۲۷۹ھ ۸۹۲ء
16. معتضد بن موفق بن متوکل	۲۷۹ھ ۸۹۳ء	۲۸۹ھ ۹۰۲ء
17. مکتفی بن معتضد	۲۸۹ھ ۹۰۲ء	۲۹۵ھ ۹۰۸ء
18. مقتدر بن معتضد	۲۹۵ھ ۹۰۸ء	۳۲۰ھ ۸۳۲ء
19. قاہر بن معتضد	۳۲۰ھ	۳۲۱ھ
20. راضی بن مقتدر	۳۲۲ھ ۹۳۴ء	۳۲۹ھ ۹۴۰ء
21. متقی بن مقتدر	۳۲۹ھ ۹۴۰ء	۳۳۳ھ ۹۴۴ء
22. مستکفی بن مکتفی	۳۳۳ھ ۹۴۴ء	۳۳۴ھ ۹۴۵ء
23. مطیع بن مقتدر	۳۳۴ھ ۹۴۵ء	۳۶۴ھ ۹۷۵ء
24. طائع بن مطیع	۳۶۳ھ ۹۷۴ء	۳۹۳ھ ۱۰۰۳ء

25. قادر بن مقتدر	۳۹۳ھ ۱۰۰۳ء	۴۲۲ھ ۱۰۳۱ء
26. قائم بن قادر	۴۲۲ھ ۱۰۳۱ء	۴۶۷ھ ۱۰۷۵ء
27. مقتدی	۴۶۷ھ ۱۰۷۵ف	۴۸۷ھ ۱۰۹۴ء
28. مستظہر بن مقتدی	۴۸۷ھ ۱۰۹۴ء	۵۱۲ھ ۱۱۱۸ء
29. مسترشد بن مستظہر	۵۱۲ھ ۱۱۱۸ء	۵۲۹ھ ۱۱۳۵ء
30. راشد بن مسترشد	۵۲۹ھ ۱۱۳۵ء	۵۳۲ھ ۱۱۳۸ء
31. مستنجد بن مقتفی	۵۵۵ھ ۱۱۶۰ء	۵۶۶ھ ۱۱۷۱ء
32. مقتفی بن مستظہر	۵۳۰ھ ۱۱۳۶ء	۵۵۵ھ ۱۱۶۰ء
33. مستضی بن مستنجد	۵۶۶ھ ۱۱۷۱ء	۵۷۵ھ ۱۱۸۰ء
34. ناصر بن مستضی	۵۷۵ھ ۱۱۸۰ء	۶۲۲ھ ۱۲۲۵ء
35. ظاہر بن ناصر	۶۲۲ھ ۱۲۲۵ء	۶۲۳ھ ۱۲۲۵ء
36. مستنصر بن ظاہر	۶۲۳ھ ۱۲۲۶ء	۶۴۰ھ ۱۲۴۲ء
37. مستعصم بن مستنصر	۶۴۰ھ ۱۲۴۲ء	۶۵۶ھ ۱۲۵۸ء

حواشی:

1. قاضی محمد سلیمان منصور پوری۔ رحمت اللعالمین، ج 2 ص 71 طبع دہلی 1981۔
2. قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمت اللعالمین ج 2، ص VI طبع دہلی 1980۔
3. ذاکر حسین جعفر، تاریخ اسلام، ج ا ص 51 طبع دہلی 1918۔
4. شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام ج 3 ص 2 طبع اعظم گڑھ 1949۔
5. احمد حسن زیات، تاریخ ادب عربی ص 308 طبع لاہور، 1972۔
6. شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام، ج 3 ص 2 طبع اعظم گڑھ 1949۔
7. اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، تاریخ اسلام حصہ دوم ص 274 طبع دہلی 1987۔
8. قاضی ابو القاسم صاعد بن احمد اندلسی، طبقات الامم ص 82 طبع اعظم گڑھ 1928۔
9. ذاکر حسین جعفر تاریخ اسلام، ج ا ص 55 طبع دہلی 1918۔
10. شاہ معین الدین ندوی، تاریخ اسلام، ج 3۔ ص 63 طبع اعظم گڑھ 1949۔
11. الاکتور حسن ابراھیم حسن، تاریخ اسلام، الجزو الثانی ص 31 طبع القاھرہ 1964۔
12. الاکتور ابراھیم الشریقی، التاریخ الاسلامی، ص 124 طبع السعودیۃ 1969۔
13. سید امیر علی، اسپرٹ آف اسلام، ص 69-368 طبع برطانیہ 1965۔
14. اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، تاریخ اسلام، ج 2 ص 359 طبع دہلی 1987۔
15. ذاکر حسین جعفر، تاریخ اسلام، ج 1۔ ص 57 طبع دہلی 1918۔
16. شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام، ج 3 ص 117 طبع اعظم گڑھ 1949۔
17. الاکتور حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام، بالجزء الثانی ص 61، القاھرہ 1964۔
18. الاکتور ابراہیم الشریفی، التاریخ الاسلامی (عربی) ص 139 طبع السعودیہ 1969۔
19. فلپ حتی، تاریخ عرب (انگریزی) ص 301 طبع نیویارک 1968۔
20. ذاکر حسین جعفر، تاریخ اسلام، حصہ اول ص 58 طبع دہلی 1918۔
21. فلپ حتی، تاریخ عرب (انگریزی) ص 295 طبع نیویارک 1968۔
22. مولوی عبدالرزاق کانپوری، البرامکہ ص ...... طبع کانپور 1857۔
23. الاکتور ابراہیم الشریفی، التاریخ الاسلامی (عربی) ص 136 طبع اول، السعودیۃ 1979۔
24. ذاکر حسین جعفر، تاریخ اسلام، حصہ اول ص 62، طبع دہلی 1918۔
25. قاضی ابوالقاسم صاعد بن احمد اندلسی، طبقات الامم، ص 83 طبع اعظم گڑھ 1928۔
26. مسئلہ خلق القرآن: قرآن ایک وحی منزل من اللہ ہے۔ اس میں تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے لیکن اموی دور میں خلیفہ ھشام کے زمانے میں جعد بن درہم نے قرآن مجید کے بارے میں ایک فتنہ برپا کیا وہ قرآن کے مخلوق ہونے کا سلسلہ تھا۔ قرآن خدا کے علم سے متعلق ہے جو ایک صفت قدیم ہے قرآن کے قدیم و حادث ہونے کا مسئلہ مسلمانوں میں ایک نیا مسئلہ تھا۔ تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین اس قسم کے مسئلے سے بحث نہیں کرتے تھے۔ جعد بن درہم نے قرآن کو مخلوق کی حیثیت سے پیش کیا اس فتنہ نے عباسی دور میں بڑی گرمی سے سر اٹھایا اور مامون نے تشدد کا راستہ اختیار کیا اور علما کو مجبور کیا کہ وہ قرآن کو مخلوق تصور

کریں اس سلسلے میں اس نے مذہبی رواداری کو بالائے طاق رکھ دیا۔ دورِ عباسی میں بہت سے ائمہ کرام کو اس عقیدے کی مخالفت کی بنا پر سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ امام احمد بن حنبل کی آزمائش کا واقعہ تاریخ کا ایک اہم باب بن چکا ہے۔ حتیٰ کہ متوکل علی اللہ نے اس فتنہ کو اپنے عہد میں دور کر دیا۔

27. علامہ شبلی، المامون، ص 232-234، طبع اعظم گڑھ، 1957۔
28. شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام، ج 3، ص 179، طبع اعظم گڑھ 1949۔
29. فلپ حتی، عرب (انگریزی) ص-9، طبع لندن 1957۔
30. احمد امین ضحیٰ الاسلام الجزء الاول ص 129، طبع القاہرہ 1938۔
31. الدکتور حسن ابراہیم، تاریخ الاسلام الجزء الثانی ص 72، طبع القاہرہ 1964۔

دوسرا باب

حکمائے یونان اور عربی میں نقل شدہ علوم وفنون کا ایک جائزہ

بلاد یونانی معمورۂ ارض کے شمالی مغربی ربع میں واقع ۔۔۔ ہیں کے جنوب میں بحیرۂ روم شام اور بلادِ خترر ہیں اس کے مغرب میں بلادِ روم ہیں جن کا پایۂ تخت شہر روما تھا اور مشرقی سمت میں آرمینیہ، ور بند اور خلیج ہے جو بحیرۂ روم اور بحر اسود کو ملاتی ہے۔ اہل یونان تمام اقوام عالم میں جلیل القدر، شہرۂ آفاق اور عظیم الشان بادشاہوں والے تھے۔ سکندر اعظم کو اسی قوم سے خیال کیا جاتا تھا، اہل یونان کا مذہب تعظیم کواکب اور بت پرستی تھا، اس قوم میں بڑے بڑے علما اور فلاسفہ گذرے ہیں فیلسوف یونانی زبان میں محب حکمت کو کہتے ہیں اور اسی کی جمع فلاسفہ ہے۔ فلاسفۂ یونان اہل علم میں بہت بلند درجہ رکھتے تھے کیوں کہ انھوں نے علوم فلسفہ کی تمام اصناف، ریاضیات، منطق، طبعیات، الٰہیات، سیاست مدن اور تدبیر منزل سے بخوبی اعتنا کیا تھا۔[1]

فلسفہ

یونانی فلسفہ کی ابتدا تھیلز سے ہوئی جس کو عرب طالیس کہتے ہیں۔ یہ حکیم (620ق م) میں پیدا ہوا، اس نے مصر میں تعلیم پائی تھی اور فلسفہ کے بہت سے اصول وہیں سیکھے تھے اس کے بعد بڑے بڑے حکما پیدا ہوئے اور یہ سلسلہ 522ء تک جاری رہا اس سنہ میں قیصر روم کے حکم سے ایتھنز میں فلسفہ کا اسکول بند کر دیا گیا تھا، اس طویل مدت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے قدیم اور جدید، دور قدیم کی انتہا افلاطون (347ق م) پر ہوتی ہے اور ارسطو 322ق م سے دور جدید

شروع ہوتا ہے۔قدما میں سات بڑے حکما فلسفہ کے ستون سمجھے جاتے ہیں۔

(1) طالیس

(2) انکساغورس

(3) انکیمالنس

(4) ابندقلیس

(5) فیثاغورس

(6) سقراط

(7) افلاطون

یونان میں جس قدر فلسفی پیدا ہوئے ان کی تین قسمیں تھیں۔

(1) حکمائے دھریین: یہ لوگ خدا کے وجود کے منکر تھے، عالم کو قدیم جانتے تھے، قدیم فلسفۂ یونان کا عموماً یہی عقیدہ تھا، مسلمان ان حکما کے نظریہ کو قبول نہ کر سکے۔ کیونکہ یہ ان کے مذہب کے بالکل مخالف تھا، اس وجہ سے ان کے فلسفیانہ خیالات مسلمانوں میں نہ پھیل سکے۔

(2) حکمائے طبعیین: یہ حکما خالق کے معتقد تھے اور کہتے تھے کہ خالق ایک فاعل مختار اور قادر مطلق ہے جس نے تمام موجودات کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا لیکن یہ لوگ موجودات کے بارے میں رائے رکھتے تھے کہ ایک خاص حد تک پہنچ کر وہ بالکل فنا ہو جاتے ہیں، اس لیے وہ عالم حشر کے منکر تھے مذہبی حیثیت سے بھی ان کا نظریہ مسلمانوں میں مقبول نہ ہو سکا۔

(3) حکمائے الٰہیین: ان میں تمام متاخرین فلاسفہ یونان شامل تھے ابتدا سقراط (400ق م) سے ہوئی اس کے شاگرد افلاطون نے اس کو ترقی دی۔ پھر ارسطو نے اس کو درجہ کمال تک پہنچایا۔ ارسطو نے فلسفہ کے اصول وقواعد کو مستحکم کیا اور دھریوں کے عقائد ونظریات کی تردید کی۔[2]

فلسفہ: علوم عقلیہ جن کو علوم فلسفہ وحکمت کہتے ہیں ان میں منطق ہندسہ، ہیئت، موسیقی، الٰہیات، حساب، طبیعیات سبھی شامل ہیں۔

ان علوم میں کسی ملت کی تخصیص نہیں بلکہ تمام اصحاب فکر ان کے مباحث میں برابر ہیں امم ماضیہ میں سے اہلِ فارس اور اہل مصر کے یہاں ان کی بڑی گرم بازاری تھی اور ان سے پہلے کلدانی، سریانی اور قبطی قو [illegible] ں نے [illegible] ان علوم میں دلچسپی لی تھی لیکن ان کو سحر ونجوم اور ان کے

تاثیرات سے زیادہ دلچسپی تھی اور انھیں سے اہلِ فارس نے یہ علوم حاصل کیے۔

سکندرِ اعظم: (متوفی 323ق م) جب ان کی مملکت پر غالب آیا اور ان کی کتب علمیہ پر قابض ہوا تو یہ علوم اہل یونان کی طرف منتقل ہوئے اور ان کے علوم میں شامل ہو گئے۔ پھر مسلمانوں کے پاس اہل یونان کے توسط سے بذریعہ ترجمہ منتقل ہوئے۔[3]

سکندر اعظم[4] (متوفی 323ق م) وہ فاتح تھا جس کے زیرنگیں ایشیا اور افریقہ کے اکثر ممالک آگئے تھے اور اسی کی بدولت یونانی ثقافت مشرقی ممالک کے اطراف و اکناف میں پھیلی اور یونانی فلسفہ حکمت و طب کے بہت سے مراکز مختلف امصار و دیار میں شہرت کے مالک ہوئے احمد امین اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"کانت فتوح الاسکندُالمقدوتی لکثیر من بلاد آسیا و افر یقیة سبباً کبیراً من اسباب انتشار الثقانة الیونانیة فی الثوق وکان من سیاسة التقویبُ بین البلا والمفتوحة و بلاداالاغمه یق و مزجُ الجنس الاغریقی باجناس آسیا وافریقیا فی الحضارة والعمارة ونُظُمِ الحکم و الثقافة۔"[5]

ترجمہ: یعنی ایشیا اور افریقہ کے بیشتر ممالک پر سکندر مقدونی کے فاتحانہ قبضہ کا مشرق میں یونانی ثقافت کی ترویج و اشاعت میں بڑا حصہ رہا ہے اس کی پالیسی مفتوحہ علاقوں میں اور یونان کے درمیان قربت پیدا کرنا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ یونانیوں کو ایشیا اور افریقہ کے باشندوں کے ساتھ تمدن و تعمیر اور تنظیم و ثقافت میں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کر دے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، اہلِ یونان میں علوم عقلیہ کی ترویج سکندر اعظم کی فتوحات کے ساتھ ہوئی اور مشرق و مغرب کے ہر گوشہ میں علوم عقلیہ کے مراکز قائم ہوئے، بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ان مراکز کے تذکرے سے پہلے ان مختلف فلسفیانہ شاخوں کا تذکرہ کیا جائے جن کی تقسیم اصول فلسفہ، طرز تعلیم اور اخلاق و عادات کے لحاظ سے کی گئی ہے۔ اور یہ سات فرقے تھے جو مختلف ناموں سے مشہور ہوئے۔

(1) **قورنیہ:** اس کا بانی ارسطیس تھا۔

(2) **رواقیہ:** اس فرقہ کا بانی کرسفس تھا۔

(3) **کلبیہ:** اس فرقہ کا بانی انستھین تھا۔

(4) **مانعہ**: اس فرقہ کا بانی فورون تھا۔

(5) **لذتیہ**: اس فرقہ کا بانی اپکیورس تھا۔

(6) **فیثا غورثیہ**: اس کا بانی فیثا غورث تھا۔

(7) **مشائیہ**: اس کے دو بانی تھے افلاطون اور ارسطو۔

اسلامی فلسفہ کی بنیاد ان ہی آخری دو یعنی افلاطون اور ارسطو کے فلسفے پر رکھی گئی ہے۔

افلاطون کے زمانے سے یونانی فلسفہ کی تاریخ کا نیا دور شروع ہوا اس سے پہلے حکمائے یونان فلسفۂ طبعیہ کی طرف مائل تھے لیکن متاخرین حکمائے یونان مثلاً سقراط افلاطون اور ارسطو فلسفۂ مدنیہ کی طرف مائل ہوگئے اس کی ابتدا سقراط (متوفی 400ق م) کے دور سے ہوئی اور وہ افلاطون کے دور میں درجۂ کمال کو پہنچ گیا اور افلاطون پر ہی یونان کے علوم کا خاتمہ ہوگیا۔[6]

مسلمانوں میں عام طور پر ارسطو کے فلسفہ کو شہرت حاصل ہوئی، حکمائے قدیم کے فلسفیانہ خیالات عام طور پر مسلمانوں میں نہ پھیل سکے۔ تاہم وہ بالکل بے اثر نہ رہے اور ان کی ترکیب وآمیزش سے فلسفہ ارسطو نے مستقل اسلامی فلسفہ کی شکل اختیار کی جس کو فلسفہ اشراف کہتے ہیں اور غالباً اس فلسفہ کی طرف مسلمانوں نے اس وقت توجہ کی جب اسلامی تصوف نے فلسفیانہ قالب اختیار کرلیا تھا اور اسلامی تصوف کا یہ فلسفیانہ قالب قدیم حکمائے یونان کے مختلف فلسفیانہ خیالات ونظریات کے لیے تیار ہوسکتا تھا۔[7]

مرور زمانہ کے ساتھ افلاطون کے فلسفہ میں تغیر واقع ہوا اور افلوطین[8] (متوفی 269ء) نے اس میں کچھ نئے خیالات وتصورات وآرا کا اضافہ کیا اور ایک نیا مذہب جدید افلاطونیت کے نام سے جاری کیا اس مذہب کے اکثر وبیشتر عناصر افلاطون، ارسطو اور رواقین کے فلسفیانہ آراو مباحث سے ماخوذ ہیں اس میں روحانیت کی آمیزش زیادہ ہے اور مادیت کی تنقید ہے۔

شیخ شہاب الدین مقتول (556ھ مطابق 1161ء) نے فلسفہ میں اپنا ایک مستقل طریقہ قائم کیا جس کا نام انھوں نے فلسفۂ اشراق رکھا جو ارسطو کے فلسفہ کے بالکل مخالف تھا۔[9]

فلسفۂ یونان نے الٰہیات کے سلسلے میں بہت سی غلطیاں کی تھیں حکمائے اسلام نے ان غلطیوں کا ازالہ کیا ہے، فلسفہ کے مسائل تین قسم کے ہیں اور ان تینوں اقسام سے حکمائے اسلام نے بحث کی ہے۔ وہ اقسام حسب ذیل ہیں۔

(1) وہ مسائل ہیں جو الفاظ اور اصطلاحات کے لحاظ سے مسائل اسلام سے مختلف ہیں، مثلاً وہ خدا کو جوہر سے تعبیر کرتے ہیں لیکن جوہر سے ان کی مراد متحیز بالمکان نہیں بلکہ وہ شے مراد ہے جو بالذات قائم ہو۔

(2) وہ مسائل جو اصولی طور پر اسلام کے مخالف نہیں مثلاً کسوف شمس وقمر کا مسئلہ اس قسم کے مسائل کا رد کرنا ہمارا فرض نہیں۔

(3) وہ مسائل جو اسلام کے عقائد کے مخالف ہیں مثلاً عالم کا قدیم ہونا اور حشر اجساد کا انکار وغیرہ۔[10]

امام غزالی نے اس تیسری قسم کے مسائل کا ابطال کیا ہے۔

امام صاحب نے تین مسائل میں فلاسفہ کی تکفیر کی ہے۔

(1) معاد جسمانی

(2) خدائے تعالیٰ کے جزئیات کا عدم علم

(3) قدم عالم (عالم کا قدیم ہونا)

دوسرے مسئلہ کے متعلق مؤلف تاریخ فلاسفہ الاسلام لکھتے ہیں کہ فلاسفہ کا یہ قول نہیں بلکہ غلط طور پر ان کی طرف منسوب ہو گیا۔[11]

طب: طب کی ابتدا یونان میں اسقلبیس سے ہوئی یونانیوں نے اس کو ابوالطب کا لقب دیا تھا اور ان کا خیال تھا کہ اس پر خدا کی طرف سے یہ فن الہام ہوا تھا۔ اس خاندان میں بڑے بڑے نامور حکما اور اطبا گذرے ہیں، اسی نسل سے تقریباً (500ق م) میں بقراط پیدا ہوا، یونانیوں میں وہ پہلا شخص ہے جس نے اس فن کو مرتب کیا۔ بقراط کے بعد جالینوس پر اس فن کا خاتمہ ہو گیا یونانیوں کے نزدیک فن طب کے آٹھ ستون ہیں۔

(1) اسقلبیس (2) غورس (3) سینس (4) برمانیدس (5) افلاطون (6) اسقلیوس دوم (7) بقراط (8) جالینوس[12]

مختلف اقوام نے فن طب کی ایجاد کو اپنی طرف منسوب کیا ہے ان میں اہلِ بابل، اہلِ مصر، اہلِ چین اور اہلِ یونان شامل ہیں۔

اہلِ ہند بھی فن طب کا باوا آدم برہما جی کو تسلیم کرتے ہیں بہر حال ان تمام دعوؤں سے

پتہ چلتا ہے کہ فن طب کا وجود بہت قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے اور بابل میں اس فن کے اثرات پانچ ہزار سال قبل مسیح سے پائے جاتے ہیں۔ اہلِ مصر بھی اس فن کے مالک رہے ہیں بلکہ بابلی تہذیب کے زوال کے بعد یہ فن یونان میں منتقل ہو گیا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے اسقلیبس اس فن کا باوا آدم تسلیم کیا گیا ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ چین میں طب کا رواج تقریباً 400 سال قبل مسیح سے تھا اور طب کے متعلق ترقی یافتہ شعور ان کے یہاں موجود تھا علم الادویہ اور طب کے متعلق تشخیص الامراض سے متعلق نہایت مفید اصول مقرر تھے۔

بہر حال یونانی طب نے بہت ترقی کی اور نامور اطبا کی سرپرستی میں اس کی خوب نشو ونما ہوئی اور یونان سے یہ فن ملکِ روم میں داخل ہوا اس سلسلے میں کچھ رومی اطبا کے نام لیے جاتے ہیں مثلاً سرنوس، اطی نوس کلسوس وغیرہ بہر حال تاریخ طب کے متعلق اختلاف ہے بعض اس کو قدیم مانتے ہیں اور بعض اس کو حادث کہتے ہیں چوں کہ علم طب کا موضوع جسم انسانی ہے جو دیگر اجسام کی طرح حادث ہے اس لیے علم طب بھی حادث ہوگا ایک فریق اس کو الہامی کہتا ہے اور مختلف انبیا کرام کی طرف اس کو منسوب کرتا ہے، دوسرا فریق کہتا ہے کہ علم طب علم حکمت کی ایک شاخ ہے اور انسانی دماغ کی متواتر محنتوں کا ایک نیا نمونہ ہے۔[13]

بہر حال قدیم ہو یا حادث اس علم کی افادیت میں کسی کو شک وشبہ نہیں اس سلسلے میں احادیث نبوی سے اس کی اہمیت پر دلیل لائی جاتی ہے۔ ایک مشہور قول ہے۔

"العلم علمان، علم الادیان وعلم الابدان۔"

ترجمہ: علم تو صرف دو ہیں ایک مذاہب کا علم دوسرا جسم انسانی کا علم۔ اسلام سے قبل اور بعد یونانی حکمت کے تین اہم مراکز تھے (1) اسکندریہ (2) جندیسا پور (3) حزان۔ ان میں جندیسا پور اور اسکندریہ سرفہرست ہیں۔ اسکندریہ کے تعلیم یافتہ نامور حکما مثلاً شمعون طیماؤس، سرجیوس وغیرہ نے شمالی عراق اور شام میں اس فن کو ترقی دی، اسکندریہ کی اہمیت اس کی سب سے بڑی یونیورسٹی اور لائبریری کی بدولت تھی اور ایک بہت بڑا عجائب گھر بھی تھا جہاں بڑے بڑے معلمین درس وتدریس میں مشغول تھے، یونانی دنیا کی سب سے بڑی لائبریری اسی جگہ قائم تھی، ہزاروں کتابوں کے دفاتر بہترین تنظیم کے ساتھ رکھے گئے تھے۔ بطلیموس چہارم اور سوم کے دور میں کلیما

کس نام کا ایک لائبریرین گذرا ہے جس نے اسکندریہ کی لائبریری کو جدید طرز پر منظم کیا تھا۔[14]

یونانی طب کے برخلاف عرب جیسے سادہ مزاج اور سادہ زندگی گذارنے والے عرب باشندے روایتی طب پر اعتماد رکھتے تھے اور تمدنی پیچیدگیوں سے سے چوں کہ وہ دور تھے اس لیے ان کی زندگی طب کی ترقی میں معاون نہ بن سکی بہرحال ان کے یہاں علاج معالجہ کے کچھ اصول متعین تھے کی (داغنا) اور حجامت (سینگی لگانا) بہترین طریقہ علاج سمجھتے تھے۔[15]

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نظری اور عملی دونوں طرح کے علاج مروی ہیں، آپ نے شہد سے متعدد اشخاص کو علاج بتایا اس سلسلے میں مشکوٰۃ المصابیح میں ایک مستقل باب ہے جو کتاب الطب کے نام سے مشہور ہے اور مراجعت کے قابل ہے۔ بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ قدیم عربوں میں بہت سے ایسے طریقے رائج تھے جو یقینی طریقہ نہیں کہے جاسکتے۔لیکن مریضوں کو بعض اوقات راحت بھی مل جاتی تھی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بہت سے اطبا موجود تھے ان میں حارث بن کلدہ ثقفی کا نام سرفہرست ہے اس کی طبابت پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اعتماد تھا۔

اسلامی تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ یونانی طب کو مسلمانوں نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اس فن کو عروج تک پہنچایا۔مسلمانوں نے طب کے تمام دیرینہ سرمایہ کو اکٹھا کر کے عربی میں منتقل کیا اور اس میں بہت کچھ اضافہ واصلاح اور ترمیم بھی کی، دولت امویہ اور عباسیہ میں بقراط اور جالینوس جیسے اطباء یونان کی بہت سی کتابوں کے تراجم ہوئے اور ان میں بہت سی کتابیں طبی درسگاہوں میں داخل درس تھیں۔ اسلامی طب کا عروج ابوبکر محمد بن زکریا الرازی (850 مطابق 235ھ) سے شروع ہوتا ہے علم طب پر اس کی کتاب الحاوی فی الطب نہایت عمدہ کتاب ہے۔ رازی کے بعد شیخ الرئیس بوعلی سینا البخاری کا نام بھی قابل ذکر ہے ابن سینا کے بعد ابوالقاسم زھراوی مشہور طبیب گذرا ہے جس نے التصریف کے نام سے ایک طبی قاموس بھی لکھی، اس سلسلے میں ابوالولید ابن رشد (1198 مطابق 594ھ) بڑا نامور حکیم گذرا ہے جس نے طب اور فلسفے پر بہت سی نامور کتابیں لکھی ہیں۔

اسلامی طب بیت الحکمت کی مرہون منت ہے اور اس کے احسان سے یہ فن کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتا کیوں کہ یہاں اس فن کی بہترین، کتابوں کے تراجم ہوئے جنھوں نے اطبا

یونان کے نام کو اطراف و اکناف عالم میں شہرت کے زینہ پر چڑھایا۔ ان تراجم انکشافات و ایجادات کا راستہ ہموار کیا ان اساطین اطباء کے حالات آئندہ تفصیل سے لکھے جائیں گے۔

فلسفہ طب کے علاوہ مختلف علوم وفنون پر بھی تالیفات ہوئیں اور تراجم کے کام ہوئے۔ ان میں بالخصوص علم منطق (2) علم ہیئت (3) علم ہندسہ (4) علم حساب (5) جغرافیہ (6) علم ادب کا تذکرہ مختصراً یہاں کیا جاتا ہے۔

علم منطق: علم منطق کو علم میزان بھی کہتے ہیں وہ علم جس کے ذریعے انسانی ذہن کو فکری خطا سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اس کے ذریعے نفس ناطقہ کلام فصیح و صحیح اور ادراک معقولات پر قادر ہو جاتا ہے، یونان کے رئیس الحکماء ارسطو نے اس فن کو مدوّن کیا اسی لیے اس کو معلم اول کہتے ہیں، پھر عہد مامون میں جب یونانی فلسفہ عربی میں منتقل ہوا تو فارابی (متوفی 239ھ مطابق 950ء) نے دوبارہ اس علم کو مدوّن کیا اس لیے اس کو معلم ثانی کہتے ہیں۔ پھر بوعلی سینا (متوفی 428ھ مطابق 1036ء) نے تیسری بار اصلی صورت میں اس کی تدوین کی اس لیے اس کو معلم ثالث کہتے ہیں۔

اس علم پر بہت سے لوگوں نے کتابیں لکھیں، متقدمین میں سے امام غزالیؒ نے محک النظر کے نام سے کتاب لکھی ہے علم منطق کو رئیس العلوم بھی کہا جاتا ہے۔

علم ہیئت: یہ وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے اجرام فلکی اور کرۂ زمین کی گردش کشش اور ساخت و بناوٹ وغیرہ کی کیفیات معلوم ہوں اس فن کا موجد ثالیس مدطی (660ق م) کہا جاتا ہے یہ پہلا شخص تھا جس نے زیچ بنائی۔ اس کے بعد فیثاغورث (536ق م) وافلاطون (430ق م) نے اس فن کو نہاتی ترقی دی ان کے بعد ارسترخوس (250ق م) ایرخس (140ق م) اور بطلیموس وغیرہ بڑے بڑے ہیئت داں گذرے ہیں۔ ارسترخوس کی "الشمس والقمر" اور حکیم بطلیموس قلوذی کی المجطی وغیرہ کتابیں بہت مشہور ہیں۔ المجطی کا عربی میں کئی بار ترجمہ کیا گیا، اس کے مشہور مترجموں میں حجاج بن سطر اسحاق اور ثابت بن قرہ وغیرہ مشہور ہیں۔ مامونی دور کے مشہور ہیئت داں یحییٰ بن ابی منصور ہیں۔

علم ہندسہ: لفظ ہندسہ کے معنی قیاس، حد، شکل اور مقدار کے ہیں اس علم کے ذریعہ احوال واوضاع اور اشکال کی خاصیتیں معلوم ہوتی ہیں۔

اس فن کا موجد اول تھیلز (660ق م) ہے دائرہ اسی کی ایجاد ہے علم ہندسہ کی مشہور

کتاب اقلیدس ہے، ابوجعفر منصور کے زمانہ میں یہی کتاب سب سے پہلے ترجمہ ہوکر آئی اس کے مترجمین میں سے حنین بن اسحاق، ثابت بن قرہ یوسف بن حجاج کے ترجمے زیادہ مشہور ہیں۔ ابن سینا نے اس کتاب کا اختصار کیا اور کتاب الشفا کا ایک باب اس کے بارے میں لکھا۔ اقلیدس کے بارے میں دو نامور فاضل اور گذرے ہیں ان میں سے ایک ارشمیدس (257 ق م) ہے اور دوسرا ایلو نیوس ہے، علم ہندسہ عقل کو روشن اور فکر کو استوار کرتا ہے۔

علم حساب: علم حساب کے ذریعہ متفرق رقموں کو باہم جوڑنے یا تقسیم کرنے کے طریقے۔ گنتی اور اعداد کے قواعد معلوم ہوتے ہیں، یہ فن حکمت نظری میں ریاضیات کی ایک شاخ ہے اس کی ابتدا غالباً حکمائے یونان ہی کے ہاتھوں ہوئی یونانی میں سب سے پہلا شخص ابرخس (140 ق م) ہے یہ مشہور ریاضی داں تھا۔ علم حساب سے متعلق سب سے قدیم مصنف فیثا غورس کی ارتماطیقی ہے اس کے بعد نیقو ماخس حکیم نے اس فن کے متعلق کتابیں لکھیں، مسلمانوں نے یونانی تصانیف سے واقفیت حاصل کی اور ان کا عربی میں ترجمہ بھی کیا۔

کچھ مؤرخین کا خیال ہے کہ علم حساب مسلمانوں نے ہندوؤں سے حاصل کیا۔

علم جغرافیہ: اس فن کا بانی ایراتسیشن ہے جو یونانی تھا اس کے بعد ابرخس نے اس علم میں بہت کچھ اضافہ کیا ابرخس کے بعد استرابون ہوا اس نے سیر وسیاحت کے بعد جغرافیہ پر ایک عمدہ کتاب لکھی۔ سب سے آخر میں بطلیموس ہوا اس نے ایک نہایت مفصل کتاب اس موضوع پر لکھی۔ جغرافیہ کی کتابوں میں جن کا ترجمہ عربی میں ہوا وہ مارینوس اور بطلیموس کا جغرافیہ ہے۔

علم ادب: وہ علم ہے جس کی رعایت کرنے سے آدمی اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے میں لفظی معنوی اور تحریری غلطیوں سے بچ سکے، حقیقت یہ ہے کہ ادبی علوم وفنون ہماری زندگی کا ماحصل ہیں اور ہمارے افکار و جذبات کا خلاصہ ہیں اور انسانی عقول وقلوب پر حکمرانی کرنے کا ایک موثر ذریعہ ہیں، ادیب مؤدب ہوتا ہے اور لوگوں کو مؤدب ومہذب بناتا ہے، ادب کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کیوں کہ قرآن وحدیث کو اس کے اعجاز لفظی ومعنوی سے کامل طور پر متاثر ہوکر ان کے مضامین کو سمجھنے اور سمجھانے میں اسی ادب پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

ادب کی تاریخ عہد اموی سے شروع ہوتی ہے پھر بعد کے ادوار میں ادب کا اطلاق نظم، نثر، انساب، اخبار، لغت، نحو، صرف اور تنقید پر ہونے لگا، ادب ترقی کرتا رہا اور بہت سے

نامور اد با پیدا ہوئے۔ کہتے ہیں کہ ادب کی اصولی چار کتابیں ہیں۔ (1) ادب الکاتب ابن قتیبہ (2) الکامل للمبرد (3) البیان والتبیین للجاحظ (4) کتاب النوادر لابی علی القالی۔

دور عباسی میں بہت سی ادبی کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں اس سلسلے میں ابن المقفع کا نام سرفہرست ہے اس نے فارسی سے عربی میں بہت سی نامی کتابوں کے ترجمے کیے مثلاً کلیلہ ودمنہ اور اخذ کر کے تالیف بھی کیں مثلاً الادب الکبیر والادب الصیغر علوم وفنون کے تذکرے کے بعد ان مشہور حکمائے یونان کا تذکرہ مناسب ہے جنھوں نے مختلف علوم وفنون میں کارہائے نمایاں انجام دیے اور جن کی تالیفات عربی میں منتقل ہوئیں اور جنھوں نے علوم کی ترقی میں بیش بہا حصہ لیا ان میں چند حکما کے حالات قدرے تفصیل سے بیان کیے جاتے ہیں۔

فیثاغورث: (التولد (580ق م) یہ فرقہ فیثاغورثیہ کا بانی مشہور یونانی فلسفی تھا، اس نے فلسفہ کو خوب ترقی دی، یہاں تک کہ فلسفہ کا یہ نام اسی کے عہد میں ایجاد ہوا اس نے مصر جا کر اپنی تعلیم کی تکمیل کی اور پھر شہر ساموس میں درس وتدریس میں مشغول ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ وہاں کا بادشاہ ہر کام میں اس سے مشورہ کرتا تھا۔ تمام ملک یونان میں اس کی شہرت تھی مصر سے وہ انطاکیہ پہنچا اور وہاں تقریباً آٹھ سال مقیم رہا اس کے بعد جب وہ یونان پہنچا تو علم ہندسہ طبعیات اور الٰہیات سے اس نے یونانیوں کو روشناس کرایا، اس نے فن موسیقی میں بہت سے اضافے کیے اور ترکیب نغمات کو ایجاد کیا، یہ روحانی دنیا کا قائل تھا اور کہتا تھا کہ اس دنیا کی خوش نظری کا ادراک کرنے سے عقل انسانی قاصر ہے، ہر نیک سرشت انسان اس عالم روحانی تک پہنچنے کے قابل ہوسکتا ہے۔[16]

ان کتابوں کے تراجم عربی زبان میں ہو چکے ہیں، ابن الندیم نے اس کی ایک فہرست دی ہے اور ابن ابی اصیبعہ نے اس فہرست میں اضافہ کیا ہے ان دونوں مصنفین کے علاوہ دوسرے مؤرخین نے کچھ دیگر کتابوں کا پتہ دیا ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں۔

(1) رسالۃ فی السیاسۃ العقلیۃ

(2) رسالۃ الی متمر وصقلیۃ

(3) رسالۃ الی سیفانس فی استخراج المعانی

(4) کتاب ارتماطیقی

(5) کتاب الالواح

(6) کتاب فی النوم والیقظۃ

(7) کتاب فی ابدال الادویۃ المفردۃ والاشجار والصموغ والطین۔

آخری کتاب کا مترجم حسنین بن اسحاق ہے اور ایک رسالہ ذہبیہ کا پتہ چلتا ہے جس کو جالینوس بہت پسند کرتا تھا اور اس کو اپنے مطالعہ میں رکھتا تھا۔

افلاطون: (347 ق م) یہ فیثا غورث کا شاگرد تھا شریف النسب اور اہلِ علم کے خاندان سے تھا فلسفہ میں اسکو مہارت نامہ حاصل تھی، یہ فرقہ مشائیہ کے بانیوں میں سے تھا یہ لوگ گھوم پھر کر فلسفے کا درس دیتے تھے آخر عمر میں خلوت نشیں ہو گیا تھا۔

یہ شخص سلیم الذوق واسع العقل اور حمیدہ اخلاق وصفات سے متصف تھا اس نے تین قدیم مذاہب کی پیروی کی تھی ہرقلیطس کی اتباع طبعیات میں اور فیثا غورث کی اتباع فلسفہ میں اور سقراط کی اتباع تہذیب واخلاق میں اس نے عالم کو تین بنیادوں پر تسلیم کیا ہے۔

(1) الہٰ (معبود) (2) مادہ (3) ادراک

جرجی زیدان لکھتے ہیں۔

"مذهبه مقتبسٌ من ثلاثة مذاهب قديمةٍ فانه قيعه هرقليطس فى الطبعيات وفيثاغورس فيما وَرَاءَ الطبعية والنقليات وتبع سقراط فى الفلسفة الاوبية والاخلاق وقال بثلاثة اصول: الاله والمادة والادرك۔"[17]

ترجمہ: یعنی اس کا مذہب تین قدیم مذاہب کا چربہ ہے کیوں کہ طبعیات میں اس نے ہرقلیطس کی اتباع کی اور الٰہیات میں اور منقولات میں فیثا غورث کی اور ادب واخلاق میں سقراط کی اتباع کی یہ تین اصول عقائد کا قائل ہے یعنی معبود، مادہ اور ادراک۔

یہ شخص علوم وفنون طبعی کا ماہر تھا۔ یہ شاعری کی طرف بھی میلان رکھتا تھا لیکن سقراط کی تقریر سے متاثر ہو کر شاعری سے کنارہ کشی اختیار کر لی، اور فیثا غورث کے فلسفہ میں منہمک ہو گیا۔ اس نے اسی سال کی عمر میں وفات پائی اس کی قبر کے ایک طرف رومی زبان میں ایک کتبہ درج تھا جس کے معنی یہ ہیں کہ افلاطون کا جسم بے شک زمین میں مستور ہے لیکن اس کی روح بلندیوں پر پہنچ چکی ہے جہاں موت کی رسائی نہیں ہو سکتی۔[18]

اس کی بہت سی تالیفات ہیں جن میں سے اکثر کے تراجم عربی میں ہو چکے ہیں مؤلف تاریخ الحکما نے ان کی تعداد پینتیس لکھی ہے۔

یہ تالیفات مختلف علوم وفنون سے تعلق رکھتی ہیں یہ فلسفہ وادب، ہندسہ اور الٰہیات وغیرہ سے متعلق ہیں۔

ان میں سے چند مشہور کتب کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) کتاب السیاستہ (2) کتاب المناسبات (3) کتاب نوامیس (4) کتاب طیماؤس (5) کتاب التوحید (6) کتاب الحسن واللذہ (7) کتاب اصول الھندستہ (8) کتاب فی العقل والنفس والجوھر والعرض (9) کتاب تادیب الاحداث (10) کتاب سوفسطس۔

مترجمین: بہت سے مترجمین ان کی کتابوں کے تراجم پر مامور ہوئے جن میں سے شہرت کے مالک حسب ذیل ہیں۔(1)

(1) حنین بن اسحاق (2) یحییٰ بن عدی (3) ابن البطریق (4) قسطا بن لوقا۔

ارسطو (ارسطاطالیس) (متوفی 322 ق م)

یہ مشہور یونانی فلسفی اور منطقی نیفوماخوس فیثاغوری کا بیٹا تھا۔

یہ مشہور افلاطون کا شاگرد تھا اور مدت دراز تک اس کی شاگردی میں رہا۔ ارسطو تمام تلامذہ میں افلاطون کے نزدیک محبوب تھا، کہتے ہیں کہ یہ مقدونیہ کی بستی استاجیر میں پیدا ہوا تھا۔ سال پیدائش (384 ق م) ہے یہ نہایت تیز فہیم اور ذکی تھا، بیس سال تک افلاطون کی خدمت میں رہا اور اس کے جملہ علوم میں مہارت تامہ پیدا کی۔

فلسفہ یونان کا خاتمہ اسی فلسفہ پر ہوتا ہے اور یہ معلم اول کے نام سے مشہور ہے یہ سکندر مقدونی کا وزیر تھا[19] اور اس کا معلم بھی تھا چنانچہ مؤلف قصد القرآن امام رازی کا قول نقل کر کے لکھتے ہیں۔

"کان الاسکندر کافراً وکان مُعلِمُهُ ارسطاطیس وکان یامرُ بامره وھُومِن الکفار بلاشك۔"[20]

ترجمہ: یعنی سکندر مقدونی کافر تھا اور اس کا معلم و وزیر ارسطو تھا اور وہ بلاشبہ کافر تھا۔

ارسطو نے سکندر کی تعلیم وتربیت کی۔ یہ فرقہ مشائیہ کے بانیوں میں سے تھا اس نے علم

منطق کو مدون کیا اس لیے معلم اول کے لقب سے مشہور ہوا۔ اور اس علم کو اس نے علوم نظری کا آلہ بنادیا۔[21]

مسلمانوں نے ارسطو کے فسلفہ کے ساتھ بہت زیادہ اعتنا کیا اس نے تصنیف و تالیف کا منظم طریقہ قائم کیا اور اپنے مضامین کو بہت واضح طریقہ سے پیش کیا، افلاطون اس کے اس طرز طریق پر ناراض بھی ہوتا تھا، ارسطو کا فلسفہ بعض اصول میں اسلامی فلسفہ سے ملتا جلتا ہے اور بعض مؤلفین اس کو وحدانیت اور حشر و نشر کا قائل مانتے ہیں۔[22]

ارسطو نے تمام شعبوں پر کتابیں لکھیں اور فن منطق کو پیچیدگیوں سے آزاد کیا اور اس کو اشکال ثلاثہ (صغریٰ، کبریٰ، حد اوسط) کی صورت دی، ارسطو کے بعد تصنیف و تالیف کا عام رواج ہوگیا، انھوں نے فلسفہ میں بہت سی تصنیفات چھوڑیں فلسفہ میں ان کی کتابیں تین طرح کی ہیں۔

(1) علوم فلسفہ۔ طبعیات، الٰہیات، ریاضیات

(2) اعمال فلسفہ۔ اخلاقیات

(3) آلات فلسفہ۔ منطقیات

یہ سب تصانیف تعلیمی تالیفات کہی جاتی ہیں کیوں کہ ان کے ذریعہ علوم کی تحصیل کی جاتی ہے ان کی کتابوں میں ستر ایسی کتابیں ہیں جن میں ملک فارس کا تذکرہ ہے کچھ کتابیں ہدایات و نصائح پر مشتمل ہیں ان کی مشہور کتابیں حسب ذیل ہیں۔

(1) کتاب المقولات (2) تحلیل القیاس (3) کتاب ابرھان (4) کتاب البحث والجدل (5) کتاب المغالطات (6) کتاب الشعر (7) کتاب الکون والفساد (8) کتاب الاخلاق (9) کتاب الالٰہیات (10) کتاب النفس۔

مترجمین: ان کی بیشتر کتابوں کے تراجم عربی میں ہو چکے ہیں۔ مترجمین میں قابل تذکرہ حسب ذیل ہیں۔

(1) حنین بن اسحاق (2) یحییٰ بن عدی (3) ابوالبشر متی (4) ابن الناعمہ حمصی (5) قسطا بن لوقا (6) ابن البطریق (7) حجاج بن مطر (8) جیش الاعم وغیرہ

بقراط: (متوفی (357 ق م) بقراط علم طب کا مشہور امام تھا اور سکندر اعظم (المتوفی 323 ق م) سے تقریباً پینتیس سال پہلے گذرا ہے۔ یہ فن طب کے بانیوں میں سے تھا اور

اسقلبیوس دوم کی نسل سے تھا۔

بقراط بڑا خدا پرست اور زاہد انسان تھا اور دیہات میں گھوم پھر کر مریضوں کا علاج کرتا تھا اس نے ایران کے کئی بادشاہوں کا بھی علاج کیا۔ بعض ایرانی بادشاہوں کی طلب پر بھی ان کے ملک میں جانا گوارا نہیں کیا۔[23]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بقراط بہت معزز تھا اور اپنی عزت نفس کا بہت زیادہ خیال رکھنے والا تھا۔

بقراط دنیا کے مشہور اطبا میں ساتویں نمبر پر ہے اور جالینوس آٹھویں درجہ پر اس نے پچانوے سال کی عمر پائی اور تعلیم و تدریس میں انہتر سال بسر کیے۔

مولف تاریخ الحکما یحییٰ نحوی اسکندرانی کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''بقراط یگانہ دھر، کامل، فاضل، تمام اشیا سے واقف اور ایک فلسفی طبیب تھا اس نے سب سے پہلے طب کو منظم طریقے سے مدون کیا۔''

جرجی زیدان لکھتے ہیں۔

"واوّل من رقب الطب و بوبهُ ونباهُ علی اُسُس صحیحتهٍ البقراطُ المتوفی سنة ۳۵۷ ق م ونـدالك سَمَوه ابـاالـطب وتـعلهُ اطلع علی طب البـابـلیـن والـمصویین فاضافهُما ال طب الیونان والف فیه الکُتب واساس معالجته ۲ لاعتمادُ علی الطهبعیته۔[24]

ترجمہ: یعنی سب سے پہلے طب کی ترتیب و تبویب بقراط نے کی اس لیے اس کو ابو الطب کا لقب دیا گیا شاید اہل بابل و مصر کی طب سے وہ واقف تھا اس کو طب یونانی میں اضافہ کر کے شائع کیا اور کتابیں تالیف کیں اس کی طب کی بنیاد مزاج انسانی پر ہے۔

بقراط نے بہت سی کتابیں لکھیں جن کی مجموعی تعداد 87 تک بیان کی جاتی ہے۔ لیکن تقریباً 20 کتابیں ثابت شدہ ہیں ان میں سے بیشتر کتابوں کا ترجمہ عربی میں ہو چکا ہے۔[25]

ان کی کچھ مشہور کتابیں جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) کتاب الفصول (2) کتاب القروح (3) کتاب الامراض الوافدۃ (4) کتاب الاخلاط (5) کتاب الغذا (6) کتاب حفظ الصحتہ (7) کتاب اوجاع النسا (8) کتاب طبعیۃ

الانسان (9) کتاب الفصد والحجامتہ (10) کتاب البثور (11) کتاب الاجنتہ (12) کتاب المفاصل (13) کتاب الصرع۔

مترجمین: بہت سے نامور مترجمین اس نامور طبیب کی تالیفات کو عربی میں منتقل کرنے پر مامور ہوئے ان میں قابل ذکر حسب ذیل ہیں۔

(1) حنین بن اسحاق (2) یوحنا بن البطریق (3) حبیش الاعلم (4) عیسیٰ بن یحییٰ

جالینوس: یونان کے ایک شہر فرقاموس میں 59ء میں پیدا ہوا۔ یہ شہر قسطنطنیہ کے مشرق میں تھا۔ یہ اطبا کا امام سمجھا جاتا ہے۔ انھوں نے فن طب کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے مختلف شہروں کا سفر کیا اور بہت سے نئے مسائل کی کھوج کی۔ اس فن کو اس نے عروج پر پہنچایا۔ اس لیے یہ خاتم الاطبا کہا جاتا ہے یہ اکثر اوقات روم کے شہروں میں مصروف علاج رہتا تھا اور اسکندر افرودیسی سے بہت زیادہ میل جول رکھتا تھا اس کا استاد ارمینس رومی تھا۔ قائدین فن طب میں اس کا آٹھواں درجہ ہے۔[26]

جالینوس بہت صابر وشاکر انسان تھا۔ شدید تکلیفیں انتہائی صبر سے برداشت کرتا تھا، یہ شخص امراو سلاطین کا بھی علاج کرتا تھا، زیادہ تر شہر رومہ میں مقیم رہتا تھا۔ فن طب پر انھوں نے کچھ مباحث لکھے اور اغلوقین کے ساتھ اس نے بحث ومباحثہ بھی کیا اور اس سے استفادہ بھی کیا۔

جالینوس نے بہت سے علماطبعیات کی آرا پر تنقید بھی کی ہے اور صحیح واضح دلائل وبراہین سے ان کی ضعیف آرا کی تردید کی ہے۔[27]

جالینوس نے بہت سی تالیفات چھوڑیں، انھوں نے اپنی زندگی میں اپنی تالیفات کی ایک فہرست لکھی تھی ان کی اکثر کتابیں قدیم زمانے میں اسلامی درسگاہوں کے نصاب تعلیم میں شامل تھیں تقریباً ستر کتابوں کا یا ان سے بیشتر کا تذکرہ کیا جاتا ہے، اکثر کتابوں کا ترجمہ عربی میں ہو چکا ہے، مشہور کتابوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) کتاب الفرق (2) کتاب النبض (3) کتاب الطبعیتہ (4) العلل والا راض (5) کتاب التشریح الکبیر (6) حرکات الصدور والریتہ (7) کتاب منافع الاعضا (8) کتاب الادویتہ المفردۃ (9) کتاب القصد (10) کتاب تقدمتہ المعرفتہ (11) ترکیب الادویتہ (12) کتاب التریاق (13) کتاب الادویتہ المقابلتہ للدوا (4) کتاب البحران (15) کتاب المزاج۔

مترجمین: عہد عباسی کے نامور مترجمین ان کی کتابوں کے تراجم پر مامور ہوئے۔ حنین نے اپنی پوری زندگی جالینوس کی کتابوں کے ترجمہ میں صرف کر دی اس کے علاوہ مشہور مترجمین حسب ذیل ہیں۔

(1) جیش (2) اصطفن (3) عیسیٰ بن یحییٰ (4) ثابت بن قرہ (5) اسحاق بن حنین (6) ابراہیم الصلت (7) یحییٰ بن البطریق (8) قسطا بن لوقا وغیرہ۔

دیسقوریدس العین زربی: اس کو سیاح بلاد کہا جاتا ہے۔ اس نے ادویہ مفردہ کے بارے میں بہت زبردست تحقیق کی، اس نے ہر قسم کی بوٹیوں پر اپنے ذاتی تجربہ کے بنا پر ایک مفصل کتاب لکھی یہ جنگلوں، جزیروں اور دریاؤں سے ادویہ مفردہ کے علم کی تحصیل کے لیے مختلف ملکوں گھومتا پھرتا تھا اور جوئی دوا ہاتھ آتی تھیں اس کی تاثیر قلمبند کرتا تھا اس کی تصویریں بھی کھینچتا تھا۔

کتاب الحشائش اس کی مشہور کتاب ہے۔

اس کا ترجمہ حنین نے کیا۔ حنین کے علاوہ اصطفن بن باسیل ان کے مترجم ہیں۔

ثاؤفرسطس: ثاؤفرسطس (متوفی 310 ق م) ارسطو کا خاص شاگرد تھا اور ارسطو نے اپنی وفات کے بعد دارالتعلیم میں اس کو اپنا جانشین ...... مقرر کیا تھا، یونان کے بڑے بڑے حکما اس کے درس میں شامل ہوتے تھے۔ وہ قائل تھا کہ خدا کی ذات وصفات میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہو سکتا۔ کچھ مورخین کا بیان ہے کہ یہ ارسطو کا بھانجہ تھا، فلسفہ میں اس کی متعدد تصانیف ہیں جن میں سے چند کتابوں کا ترجمہ عربی میں ہو چکا ہے۔

تصانیف: اس کی مشہور تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) کتاب النفس
(2) کتاب الآثار العلویہ
(3) کتاب الادب
(4) کتاب الحس والمحسوس
(5) کتاب مابعد الطبعیۃ
(6) کتاب اسباب النبات

مترجمین: ابراہیم بن بکوس اور ابوزکریا یحییٰ بن عدی اس کی کتابوں کے مشہور مترجم ہیں۔

اسکندرافرودیسی: اسکندر افرودیسی 129ء میں دمشق میں پیدا ہوا، یہ جالینوس کے ہمعصر اطبا میں سے تھا اس نے جالینوس کو رائس البغل (خچر کا سر) لقب دے رکھا تھا۔ یہ ارسطو کی کتاب کا بہت بڑا شارح تھا اس نے ارسطو کی کتابوں پر نہایت کثیر تعداد میں شرحیں لکھی ہیں، وہ ارسطو کے فلسفہ کا ایک بڑا رکن خیال کیا جاتا ہے۔اس نے بعض اصول خود بھی ایجاد کیے چنانچہ خدا کے عالم کلیات و جزئیات ہونے پر اوّل اسی نے دلیل قائم کی۔اس کی شرحیں اور مستقل تصنیفات دونوں عربی میں ترجمہ کی گئی ہیں۔

اسکندرافرودیسی کی وہ تصنیفات جو عربی میں ترجمہ کی گئیں وہ حسب ذیل ہیں۔

کتاب النفس، کتاب الردعلی جالینوس فی التمکن، کتاب الابصار، کتاب اصول العامتہ، کتاب عکس المقدمات، کتاب العقل، کتاب اللون، کتاب المالیخولیا۔

مترجمین: اس کے کسی مترجم کے نام کا پتہ نہیں چلتا ہے۔

بطلیموس القلوذی: یہ ددسری صدی عیسوی میں تھا، سنہ پیدائش کے بارے میں ٹھیک سے پتہ نہیں چلتا۔ یہ ماہر جغرافیہ داں تھا اس نے تمام دنیا میں اپنی طرف سے سیاح بھیجے جنھوں نے نہایت جدوجہد سے مختلف ممالک کے عرض وطول وغیرہ کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور پھر ان معلومات کی بنا پر اس نے ایک نہایت مفصل جغرافیہ لکھا اور یہ آٹھ بابوں پر مشتمل ہے۔ اس کی کتاب کا ترجمہ سریانی ادرعربی دونوں زبانوں میں ہو چکا ہے۔ یہ علم ریاضی کا بہت بڑا ماہر تھا اس کی شہرت کا سب سے بڑا سبب اس کی کتاب المجطی ہے۔

تصانیف (1) کتاب المجطی (2) کتاب المواليد (3) کتاب الحرب والقتال (4) کتاب القرعتہ (5) کتاب استخراج السہام (6) کتاب ذات الذوائب (7) کتاب الاربعہ۔

مترجمین: اس کی تصانیف کے اہم مترجمین میں ثابت بن قرہ اور ابن الصامت کافی مشہور ہیں۔

فرفوریوس: (4S):۔ 233ء میں پیدا ہوا۔ یہ سکندر کے بعد اور امونیوس سے پہلے ہوا۔ یہ شہر صور کا باشندہ تھا اس کا زمانہ جالینوس کے بعد کا ہے اس نے فن بلاغت ایتھنز میں حاصل کیا یہ عیسائی مذہب کا سخت مخالف تھا اور اس نے عیسائیت کی رد میں بہت سی کتابیں بھی لکھیں۔

اس نے تصنیفات ارسطو کی شروح لکھیں اس نے حکما کے حالات میں ایک نہایت مفصل اور عمدہ کتاب لکھی جس کا بعد میں عربی میں ترجمہ کیا گیا۔[28]

فرفوریوس کی چند مشہور کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

تصنیفات: (1) کتاب العقل والمعقول (2) کتاب الاسطقسات

(3) کتاب اخبار الفلاسفۃ (4) کتاب ایسافوجی فی المدخل الی الکتب المنطقیۃ

(5) کتاب المدخل الی القیاسات العلمیہ۔

مترجمین: اسحاق بن حنین، بسیل مطران، ابوعثمان دمشقی وغیرہ ہیں۔

اقلیدس: اقلیدس علم ہندسہ کا امام سمجھا جاتا ہے۔[29] یہ مشہور فاضل و دانا شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے 272 سال پہلے گذرا ہے۔ اگر چہ یہ یونان کا باشندہ نہ تھا لیکن چوں کہ تعلیم یونان میں حاصل کی تھی اور اس کی تمام تصنیفات یونانی زبان میں تھیں اس لیے وہ یونانی کہلاتا تھا، اس کی علم ہندسہ پر مشہور کتاب ہے جو اسی کے نام سے منسوب ہے اور یہ کتاب ہندسہ کے اصول پر اتنی جامع و مکمل کتاب ہے کہ آج بھی بطور سند استعمال ہوتی ہے۔ اس کا دوسرا نام کتاب الاصول اور کتاب الارکان ہے۔ بسط و شرح مسائل کے لحاظ سے یہ کتاب طلبہ کے لیے نہایت موزوں ہے اور اس کتاب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہی سب سے پہلی کتاب پندرہ مقالوں پر مشتمل ہے، چار میں سطح سے بحث ہے۔ ایک میں مقادیر متناسبہ کا بیان ہے ایک میں سطحوں کی آپسی نسبت کا ذکر ہے تین میں عدد کا بیان ہے ایک میں جذر و مجذرات کی شرح ہے اور پانچ میں مجسمات کی۔[30]

یونانی زبان میں اقلی کے معنی کنجی ہیں اور دس کے معنی حساب کے ہیں اس طرح اقلیدس کے معنی حساب کی کنجی ہے۔ چوں کہ یہ شخص علم ہندسہ کا بڑا شائق تھا اس لیے اس کا نام اقلیدس ہو گیا اس کی بہت سی تصانیف پائی جاتی ہیں جن میں سے کچھ کا ترجمہ عربی میں بھی ہو چکا ہے۔

تصانیف! (1) اصول الھندسہ (2) کتاب المعطیات (3) کتاب الفوائد (4) کتاب القانون (5) کتاب النعم (6) کتاب الظاھرات (7) کتاب الترکیب المخول (8) کتاب الموسیقی (9) کتاب التحلیل المخول (کتاب الثقل والخفہ۔

مترجمین: اس کی کتابوں کے مشہور مترجمین! حجاج بن مطر اور اسحاق بن حنین ہیں۔ اور ثابت بن قرہ نے ان کے تراجم کی اصلاح کی۔

ارشمیدس! (المتولد ۲۸۳ ق م) یہ علم ریاضی کا بہت بڑا فاضل تھا یہ وہ نامور شخص ہے جس نے علم ہندسہ کو فن کمال تک پہنچایا۔ سب سے پہلے اسی نے ہندسہ کو عملی طور پر برتا اور بہت سے مفید آلات ایجاد کیے۔ اس نے دائرہ، کرہ، خطوط متوازیہ، اشکال مثلثہ اور زاویہ پر کئی کتابیں لکھیں، اس کی مشہور تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں۔

تصنیفات (1) کتاب الکرہ والاسطوانہ (2) کتاب تربیع الادائرہ

(3) کتاب تسبیع الدائرہ (4) کتاب المفروضات (6) کتاب الخطوط المتوازیہ

(6) کتاب الماخوذات فی اصول الھندسہ۔

مترجمین: اس کی کتابوں کے مترجمین کا پتہ نہیں چلتا۔

ثامسطیوس: اس کا شمار بہت بڑے بڑے فلاسفہ میں کیا جاتا ہے۔ یہ روی بادشاہ لیولیانس کا منشی اور کاتب تھا، یہ جالینوس کے بعد نصرانیت ترک کر کے فلاسفہ کے مذہب میں شامل ہو گیا تھا، اس نے ارسطو کی تصنیفات کی شرحیں لکھی ہیں، اس کی چند تصانیف کے نام مندرجہ ذیل ہیں، جن میں سے کچھ کا ترجمہ عربی زبان میں ہو چکا ہے۔

تصنیفات: کتاب الی لیولیانس فی التدبیر (2) رسالہ الی لیولیانس الملک (3) تفسیر کتاب طوبیقا (4) شرح کتاب قاطیغوریاس (5) تفسیر سماع طبعی (6) تفسیر کتاب النفس (7) تفسیر کتاب الحروف (8) تفسیر کتاب السماء والعالم (9) کتاب تفسیر الکون والفساد (10) شرح انالوطیقا۔

ارسطوخس

تصنیف: کتاب جرفی الشمس والقمر۔

مترجم: قسطا بن لوقا۔

ابیون البطریق

تصنیف: کتاب العمل بالاسطرلاب المسطح۔

ہبس الرومی

تصنیفات: (1) کتاب فی الشرح تسطیح الکرہ۔

تصنیفات: (2) کتاب تفسیر المقالہ العاشرہ من اقلیدس۔

مترجم: ثابت بن قرہ

ابرخس

تصنیفات: (1) کتاب صناعۃ الجبر۔

(2) کتاب قسمۃ الاعداد

ایرن

تصنیفات: (1) کتاب حل شکوک الاقلیدس۔ (2) کتاب العمل بالاسطرلاب

(3) کتاب الحیل الروحانیہ۔

ثاؤن الاسکندرانی

تصنیفات: (1) کتاب العمل بذات الحلق۔

(2) کتاب العمل بالاسطرلاب

(3) کتاب المدخل الی المجسطی

قالیس الرومی

ان کی تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں۔

تصنیفات: (1) کتاب المدخل الی صناعۃ النجوم

(2) کتاب الموالید (3) کتاب المسائل۔

(4) کتاب المسائل الکبیر (5) کتاب الامطار

(6) کتاب الملوک۔

سنبلیقوس

تصنیفات: (1) شرح کتاب المدخل الی الھندسہ۔

(2) شرح کتاب قاطیغوریاس

منالاؤس

تصنیفات: (1) کتاب الاشکال الکرویۃ

(2) کتاب اصول الھندستہ

(3) کتاب المثلثات

مترجم ثابت بن قرۃ۔

اوطولوقس

تصنیفات: (1) کتاب الکرۃ المتحرکتہ (2) کتاب الطلوع والغروب۔

ھرمس

تصنیفات: (1) کتاب عرض مفتاح النجوم

(2) کتاب طول مفتاح النجوم

(3) کتاب تیسیر الکواکب

ابسقلاؤس

تصنیفات: (1) کتاب الاجرام والابعاد

(2) کتاب المطالع

مترجم: قسطا بن لوقا۔

ابلونیوس

تصنیفات: (1) کتاب المخروطات (2) کتاب قطع الخطوط۔

(3) کتاب قطع السطوح (4) کتاب الدوائر المحاستہ

اسکافرودیطوس

تصنیف: کتاب تفسیر کلام ارسطاطالیس فی الھالہ وقوس القزح۔

مترجم: ثابت بن قرۃ

ارسطن

تصنیف: کتاب النفس۔

نیقولاؤس

تصنیفات: (1) کتاب الرو علی جاعلی الفعل۔

(2) کتاب اختصار فلسفتہ ارسطاطالیس۔

ارکاجینس

تصنیفات (1) کتاب الادواء المزمنتہ (2) اوجاع الکلی،

(3) کتاب الکناش (4) کتاب استقام الارحام (5) کتاب فی المقرس
روفس الافسی

تصنیفات (1) کتاب تدبیر النسا (2) کتاب تدبیر الاطفال،

(3) کتاب اوجاع المفاصل (4) کتاب الشراب،

(5) کتاب الاطعمۃ (6) کتاب البحران،

(7) کتاب فی ذات الخبب (8) کتاب الباہ۔

مترجم: قسطا بن لوقا۔

حواشی:

1. قاضی ابن صاعد اندلسی، طبقات الامم، ص 32، طبع اعظم گڑھ 1928ء۔
2. مولانا عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام ج 1، ص 15 طبع اعظم گڑھ 1953ء۔
3. مولانا محمد حنیف گنگوہی، قرۃ العیون تذکرۃ الفنون، ص 138 طبع دیوبند 398ھ۔
4. حالیہ تحقیقات سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ سکندر مقدونی قرآن کا ذوالقرنین نہیں بلکہ قرین صواب یہ ہے کہ ذوالقرنین شاہ ایران خورس کا لقب تھا اس سلسلے میں مؤلف قصص القرآن لکھتے ہیں "تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ امر قطعی ہے کہ سکندر مقدونی کسی حالت میں بھی قرآن کا ذوالقرنین نہیں کہلایا جاسکتا ہے اور بعض علمائے حق نے اس کو اگر ذوالقرنین بتایا ہے تو سلف صالحین کی اکثریت نے ان کے اس قول کی تردید کی ہے۔ اور ناقابل انکار دلائل کے ساتھ تردید کی ہے۔ مولانا حفظ الرحمان، قصص القرآن ج 3۔ ص 126، طبع دلی 1982)
5. احمد امین، ضحیٰ الاسلام، الجزء الاول، ص 227، طبع القاھرہ 1938ء۔
6. عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام، حصہ اول ص 12، طبع اعظم گڑھ 1953ء۔
7. عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام، حصہ اول ص 32، طبع اعظم گڑھ 1953ء۔
8. افلوطین ( ) یہ شخص جدید افلاطونیت اسکول کا بانی اور سب سے بڑا فلسفی تھا اس کا تعلق مصر سے تھا اس کا ثقافتی تعلق یونان سے تھا اس کے نزدیک فلسفہ کا مقصد ذات الٰہی سے اتصال تھا بعد میں اس کا فلسفہ تمام فلاسفہ میں مقبول ہو گیا۔ (ابوالحسن علی ندوی، مذہب اور تمدن، انگریزی ص 32 طبع لکھنؤ 1970ء۔
9. مولانا محمد حنیف گنگوہی، قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون، ص 46، طبع دیوبند 1398ھ۔
10. علامہ شبلی الغزالی، ص 121، طبع کانپور 1901ء۔
11. محمد لطفی جمعہ، تاریخ فلاسفۃ الاسلام ص 199، طبع کراچی 1964ء۔
12. علامہ شبلی رسائل شبلی ص 220، طبع علی گڑھ 1898ء۔
13. مولانا حنیف گنگوہی قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون، ص 154 طبع دیوبند 1398ھ۔
14. ڈیوس ایچ اے مختصر تاریخ عالم (انگریزی) ص 151 طبع لندن 1969ء۔
15. ڈاکٹر کمال سامرائی، مختصر تاریخ الطب العربی، ج ا ص 336، طبع دمشق 1984ء۔
16. ابن صاعد اندلسی، طبقات الامم، ص 34، طبع اعظم گڑھ 1928ء۔
17. جرجی زیدان تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ ص 27، طبع الھلال القاھرہ 1920ء۔
18. القفطی، تاریخ الحکما (اردو ترجمہ) ص 51، طبع دہلی 1945ء۔
19. حفظ الرحمٰن سیوہاروی قصص القرآن حصہ سوم ص 134، طبع دہلی 1982ء۔
20. حفظ الرحمٰن سیوہاروی قصص القرآن حصہ سوم ص 134، طبع دہلی 1982ء۔
21. ابن صاعد اندلسی، طبقات الامم، ص 37 طبع اعظم گڑھ 1928ء۔
22. علامہ شبلی، رسائل شبلی ص 200، طبع علی گڑھ 1858ء۔
23. القفطی، تاریخ الحکما ص 143، طبع دلی 1945ء۔
24. جرجی زیدان، تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ ج 2، ص 28، طبع الھلال القاھرہ 1920ء۔

25. جرجی زیدان، تاریخ آداب اللغۃ العربیہ، ج 2، ص28، طبع الھلال القاھرہ 1920۔

26. ابن الندیم، الفہرست، ص666، طبع لاہور 1969۔

27. ابن صاعد اندلسی، طبقات الامم، ص44، طبع اعظم گڑھ 1928۔

28. علامہ شبلی، رسائل، ص209، طبع علی گڑھ 1898۔

29. القفطی، تاریخ الحکماء، ص13، طبع دہلی 1945۔

30. مولانا محمد حنیف گنگوہی، قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون، ص 151، طبع دیوبند 1977۔

تیسرا باب

مسلمانوں میں یونانی علوم کی اشاعت

اسلام سے پہلے بہت سے اطراف و اکناف میں علمی مراکز قائم تھے۔ یہ مراکز یونانی علوم کی اشاعت کے سلسلے میں بہت اہمیت کے حامل ہیں، سکندر اعظم نے اپنی فتوحات کو وسیع کرنے کے بعد مختلف ممالک میں سیاسی مصالح کی بنا پر معاشرتی تمدنی اور علمی حیثیت سے یونان اور مفتوحہ ممالک میں تعلق پیدا کرنا چاہا۔ اس لیے بہت سے علما و فضلا ان مفتوحہ علاقوں میں آباد ہو گئے۔ ان علما نے یونانی علم و ادب کی اشاعت میں حتی المقدور کوشش کی۔ اس طرح مشرقی ممالک میں یونانی تمدن اور یونانی علوم پھیلتے چلے گئے اور ممالک کے مختلف شہروں میں علوم و فنون کے مراکز قائم کیے گئے۔ لیکن تاریخی طور پر اس سلسلے میں تین شہروں کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔

(1) اسکندریہ **(2)** جندیساپور **(3)** حران۔

(1) اسکندریہ: اسکندریہ مصر کا مشہور شہر اور بندرگاہ ہے۔ یہ یونانیوں کا دارالسلطنت تھا، مصر، برِ اعظم افریقہ کے شمالی مشرقی حصے میں واقع ہے اس کی شکل مربع نما ہے اور دریائے نیل کے دہانے پر آباد ہے، شمال میں بحرِ روم، مشرق میں فلسطین خلیج عقبہ اور بحرِ احمر ہیں، جنوب میں سوڈان کا ملک اور مغرب میں صحرائے لیبیا ہے۔ یہ براعظم افریقہ کے تقریباً 1/20 رقبے میں پھیلا ہوا ہے۔[1]

یونانی فلسفہ وعلوم کی اشاعت میں اسکندریہ کا اہم رول رہا ہے دارالسلطنت میں ایک بہت بڑا مدرسہ قائم تھا جہاں علوم عقلیہ وادبیہ کی تعلیم دی جاتی تھی، جدید افلاطونیت کی بنیاد یہیں قائم ہوئی اور جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے، اس مذہب کا بانی حکیم افلوطین (المتوفی 269 م۔ق۔) تھا۔ مؤرخین نے اس کے دو ادوار قائم کیے ہیں۔

دوراوّل: (306 قبل مسیح سے 3-ق۔م۔تک) یعنی بالسہ (2) کے آغاز سے رومیوں کے غلبے تک، اس دور میں اسکندریہ باعتبار علم وادب تمام شہروں میں ممتاز رہا۔[2]

دوردوم: (30 ق۔م۔ سے 642 یعنی فتح اسلامی تک) اس دور میں اسکندریہ فلسفہ کے علاوہ ادب اور علوم وفنون میں بھی ممتاز تھا اور اسی دور میں اس کی سب سے مشہور لائبریری قائم تھی، رومیوں کے دور میں مسیحیت اور فلسفہ یونان اپنے عروج پر تھے۔نصاریٰ مختلف گروہوں میں منقسم تھے اور حضرت مسیح کے مسئلے میں مناظرہ کا بازار گرم تھا۔

احمد امین لکھتے ہیں:

"انتشرت الديانة النصرانيه فى الاسكندرية فى العهد الرومانى كماانتشرت فى غيرها و قامت النصرانية فيها بجانب الفلسفة اليونانيتة واختلف النصرىٰ فيما بينتهم طوائف وشيعاً و تجادلوافى طبعية المسيع وناسوته ولاهوته وعلاقة المسيع بالله۔"[4]

ترجمہ: رومن عہد میں دوسری نصرانی آبادی کی طرح اسکندریہ میں بھی نصرانیت کی اشاعت ہوئی۔ یونانی فلسفہ کی وجہ سے نصرانیت کی ترویج ممکن ہوسکتی تھی، دوسری طرف نصاریٰ گروہ بندی اور انتشار کے شکار ہوچکے تھے، حضرت مسیح کی طبیعت، انسانیت، الٰہی فطرت اور خدا کے ساتھ ان کے تعلق کے بارے میں وہ مناظرہ کرتے تھے۔

چونکہ مسیحی مذہب کا تعلق یونانی فلسفہ سے ہوگیا تھا اس لیے مسیحی مذہب میں جدید افلاطونیت کے عناصر خلط ملط ہوگئے تھے۔

مسلمانوں نے دوراموی مین اسکندریہ کے اسکول سے تعلق قائم کیا اور خالد بن یزید کے لیے اصطفن نے کچھ کتابوں کے تراجم کیے۔ قفطی اسی کو اصطن اسکندرانی کہتے ہیں۔ ابن الجبر طبیب کا تعلق بھی اسی شہر سے تھا۔حضرت عمر طب میں اس پر اعتماد کرتے تھے۔[5]

دورعباسی میں بھی اس مدرسہ سے متعلق کچھ نصرانی طبیبوں کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً ابن ابی اصیبعہ نے بلیطیان مصری کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے لیکن اس مدرسہ کا تعلق عباسی حکومت سے اتنا نہیں تھا، جس قدر جندیسا پور اور حران کا تھا، تاہم اسکندریہ کے اسکول نے طب کیمیا اور علوم طبعیہ میں بہت شہرت حاصل کی، ان کے علاوہ علم وادب کی دوسری شاخوں کی بھی اسکندریہ میں نشو ونما ہوئی۔

اسکندریہ کے مشہور کتب خانے نے فلسفے کی اشاعت اور ترقی میں خاص طور پر مدد دی جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جاچکا ہے کہ بطلیموس سوم اور چہارم کے عہد حکومت میں کلیما کیس نے اس کتب خانہ کی ازسرِ نو تنظیم کی اور تمام کتابوں کی مکمل فہرست تیار کی اور تمام علوم وفنون کی کتابوں کو مرتب کر کے لائبریری میں جگہ دی۔(6)

اسکندریہ کے ایک اسکول میں عیسائی متکلمین کا ایک مستقل گروہ پیدا ہوگیا تھا۔ جو عیسائیت اور فلسفہ میں تطبیق دیتا تھا۔ مثلاً جبرئیل بن بختیشوع نے ایک کتاب لکھی تھی جس میں انبیاء اور فلاسفہ کے اقوال میں تطبیق دی تھی، علامہ ابن ابی اصیبعہ نے اس کتاب کی بہت تعریف کی ہے۔(7) عموماً مصر اور اسکندریہ کے کلیسا یعقوبی مذہب کے پابند تھے اور ان کی زبان سریانی اور قبطی تھی، تمام فلسفیانہ مذاہب میں علوم نجوم کی آمیزش پائی جاتی تھی اور یعقوبی عیسائی جدید افلاطونیت، تصوف اور راھبانہ زندگی کی طرف مائل تھے اس کے برخلاف عراق کے عیسائی منطق اور فلسفیانہ خیالات کی طرف میلان رکھتے تھے۔ اور روحانیت ورہبانیت کی طرف زیادہ مائل نہ تھے۔

اسکندریہ میں طب کی شہرت اتنی زیادہ تھی کہ وہاں کے اطبا معزز سمجھے جاتے تھے اور شاہی درباروں میں ان کو طلب کیا جاتا تھا۔ چنانچہ مورخین کا بیان ہے کہ ہارون رشید نے اپنی کنیز کے علاج کے لیے مصری طبیب کو ہی طلب کیا تھا۔(8)

یہ اسکول زیادہ تر روحانیت اور رہبانیت کی طرف مائل تھا، اسی لیے عباسی خلفاء کی نظر میں زیادہ پسندیدہ نہیں تھا اور حران اور جندیسا پور سے ان کا تعلق زیادہ تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ دارالسلام بغداد سے یہ دونوں مراکز یعنی حران اور جندیسا پور قریبی علاقوں میں قائم تھے۔ جبکہ مصری مرکز بہت ہی دور دراز علاقے میں قائم تھا۔ اس کے علاوہ ایک سبب یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اسکندریہ کا مدرسہ اسلام سے قبل کچھ کمزور پڑ گیا تھا کیونکہ وہاں کے اکثر باشندے نصرانیت کو

قبول کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

بہر حال عراق کے نسطوریوں اور مصر کے یعقوبیوں نے یونانی علوم وفنون کو سریانی زبان میں منتقل کیا اور پھر ان ہی لوگوں نے اسلامی دور میں سریانی سے اس کو عربی میں منتقل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان مترجمین نے اکتشافات اور ایجادات کے سلسلے میں کوئی زیادہ کارہائے نمایاں انجام نہیں دیے اور نہ جدید نظریات سے اپنی کتابوں کو مدلل کیا بلکہ صرف ترجمہ ہی پر اکتفا کیا، کیا دوسری بات جو اس سلسلے میں کہی جاتی ہے کہ ان تراجم میں صحت کا بہت کم خیال کیا گیا تھا اور اسی وجہ سے عربوں کو جدید تراجم کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ انھوں نے اپنے دور میں ترجمے بھی کیے اور جدید نظریات سے اس کو مدلل بھی کیا۔

جندیساپور: یہ ایران کا ایک تاریخی شہر تھا جس کی بنیاد ایرانی بادشاہ ساپور نے ڈالی تھی اور اس میں رومی قیدیوں کو آباد کیا تھا، ایران ایشیا کا مشہور اور زرخیز ملک ہے جس کو دور قدیم میں فارس کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اس کی سرحد عراق سے ملتی ہے۔ یہ ساسانی دور (226-652ء) میں علوم وفنون کا بہت بڑا مرکز تھا، ساپور اول کے بعد نوشیرواں (531-878ء) نے اس مقام پر طب کا مشہور مدرسہ قائم کیا۔ طب کے علاوہ دیگر علوم وفنون کی بھی تعلیم دی جاتی تھی، اس طرح یہ آج کل کی یونیورسٹی کے قائم مقام تھا۔ جیسا کہ مؤرخین کا بیان ہے کہ آرامی زبان شام کے بعض علاقوں کی زبان تھی اور یہ زبان عربی کی ایک شاخ تسلم کی جاتی تھی، اس مدرسہ میں آرامی زبان ہی ذریعہ تعلیم تھی، عموماً یہ زبان یونانی علوم وفنون کی ترویج کے لیے استعمال کی جاتی تھی اور ایران کی قومی زبان پہلوی۔۔(قدیم فارسی) بھی مستعمل تھی لیکن یہ زبان زیادہ تر ہندی علوم کی اشاعت کے لیے مستعمل تھی، اس مدرسہ میں بہت سے ہندوستانی علما و فضلا تعلیم دینے پر مامور تھے۔[9]

مؤرخین کا بیان ہے کہ ساپور کا تعلق قیصر روم کے ساتھ اس کی لڑکی کے ذریعے رشتے داری میں بدل گیا۔ کیونکہ سابور نے اس شہزادی کے ساتھ نکاح کر لیا تھا، اسی اہم تاریخی واقعہ کی بنا پر اس شہر کی بنیاد پڑی۔ کیونکہ ساپور نے اسی شہر میں اس کو بسایا اور اس کے ساتھ ہی یہ شہر رومی باشندوں کا مرکز بھی بن گیا تھا کیونکہ بہت سے رومی قیدی اسی شہر میں آباد ہو گئے تھے۔ تعمیر مکمل ہو جانے کے بعد بہت سے علما وفضلا بھی اس شہر میں منتقل ہو گئے تھے جن میں اطبا کی بھی ایک بڑی

تعداد تھی ان اطبا نے وہاں طب کی ترویج کی بڑی کوششیں کیں۔ عموماً یہ لوگ ہندوستانی طریقہ علاج کے مماثل طریقہ کو اپنایا کرتے تھے، اسی وجہ سے طب میں ہندوستان اور یونان بھی آگے بڑھ گئے۔ کیونکہ ان اطبا نے ایرانی طب یعنی بابلی اور مصری میں جدید اضافے بھی کیے اور نمایاں خصوصیات کے ساتھ اپنے اکتشافات کے ذریعے اس فن کو عروج تک پہنچایا شاہ ایران عموماً علمی مسائل میں علما سے بحث ومباحثہ اور مناظرہ کرایا کرتا تھا، یہ شہر عرصہ دراز تک قائم رہا اور عصرِ حاضر میں اسی مقام پر ایران کا مشہور شہر شاہ آباد واقع ہے۔

اسی شہر جندیساپور کو نوشیرواں نے رومی شہر قسطنطنیہ کے طرزِ عمل پر تعمیر کیا تھا جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ طبی مدرسہ کا قیام بھی اسی بادشاہ کے ہاتھوں ہوا۔ یہاں پر نظری اور عملی دونوں قسم کی طبی تعلیم دی جاتی تھی، علماء ہند وروم ویونان اس طبی مدرسہ میں طب نظری کی اشاعت میں مشغول تھے اس مدرسہ کے ساتھ عملی طب کی اشاعت کے لیے ایک اسپتال ''بیمارستان'' کے نام سے قائم کیا تھا۔ جہاں پر رومی قیدیوں کے ساتھ ساتھ عام مریضوں کا بھی علاج ہوتا تھا۔ احمد امین نے اخبار الحکماء کے حوالے سے لکھا ہے۔

"ان اولَ علَّمَ الطّب بهااطباء من الرومِ والماقاموابها بدوُيُعلِّمُون احداثاً من اهلها، ويرتبون قرانين العلاج على مقتضى امزجةِ بُلدانِهِم حتىٰ برزُوافي الفضائل۔" (10)

ترجمہ: رومی اطبا نے سب سے پہلے اس شہر میں طب کی تعلیم شروع کی اور اقامت گزیں ہونے کے بعد وہاں کے نوعمر لوگوں کو تعلیم دینے لگے، وہ لوگ اپنے علاقے کے مزاج کے مطابق قوانین علاج مرتب کرتے تھے، یہاں تک کہ علم وفضل میں وہ بہت آگے بڑھ گئے۔

جندیساپور نے علوم وفنون کی خدمت عرصہ دراز تک کی اور اس کی شہرت عہدِ اسلام تک باقی تھی دورِ عباسی میں اس مدرسے سے مسلمانوں کا تعلق بہت گہرا تھا اس مدرسہ کا رئیس الاطباء جو رجیس بختیشوع تھا۔

یہ بہت نامور طبیب تھا یہاں تک کہ عباسی خلفا اس کی طبابت پر اعتماد رکھتے تھے۔

کہتے ہیں کہ ابوجعفر منصور نے سب سے پہلے اس طبی مدرسہ سے تعلق قائم کیا کیونکہ بغداد کی تعمیر کے وقت وہ ایک شدید مرض میں مبتلا ہوگیا تھا، لوگوں نے اس کو جندیساپور کے اطباء

سے معالجہ کا مشورہ دیا اور جورجیس بن بختیشوع اس کے علاج کے لیے مامور ہوا، ہارون الرشید نے اپنے دور میں بختیشوع کے بیٹے جبریل کو جندیساپور کے بیمارستان کے طرز پر بغداد میں ایک بیمارستان قائم کرنے کا حکم دیا، مامون نے بھی اپنے دور میں یہاں کے اطبا سے اپنا تعلق قائم کیا۔ چنانچہ جبریل مامون کا درباری طبیب تھا۔ بغداد کے بیمارستان کا انتظام وانصرام اسی جندیساپور کے اطبا کے ہاتھوں میں تھا۔ اس طرح جندیساپور کا مدرسہ مرکزی حیثیت کا حامل ہوگیا تھا۔ اور بغداد کا بیمارستان اسی مدرسے کی ایک شاخ کی طرح کام کرتا تھا۔

جندیساپور کی اہمیت تاریخی طور پر مسلم رہی ہے اور خلفا، بغداد اسی سے برابر مستفید ہوتے رہے، یہاں کے اطبا میں سے ایک طبیب بختیشوع بھی تھا، تاریخ الحکما میں محمد بن اسحاق (ابن الندیم) کے حوالے سے لکھا ہے کہ بختیشوع خلفائے بغداد کے درباریوں میں سے تھا، اس نے رشید، امین، مامون، معتصم، واثق اور متوکل کا زمانہ دیکھا۔ یہ فن طب میں یگانہ روزگار تھا۔[11]

مہدی کے زمانے میں شہزادہ ہادی کے علاج کے لیے جندیساپور سے طلب کیا گیا تھا۔ حالانکہ اس وقت ابوقریش نام کا ایک شاہی طبیب دربار میں موجود تھا۔ یہ طبیب خلیفہ مہدی کا طبیب خاص تھا لیکن بایں ہمہ خلیفہ نے جندیساپور سے طبیب کو طلب کیا تھا...... اس سے جندیساپور کی اہمیت بخوبی ثابت ہوتی ہے۔

حران: یہ شہر بھی علوم وفنون کا مرکز رہا ہے۔ شمالی عراق کا مشہور شہر تھا۔[12] یہ بہت قدیم شہر ہے جو الرھا شہر کے پاس واقع ہے اس شہر نے کئی ادوار دیکھے۔ اس کی شہرت دور یونانی رومی اور عہد اسلام میں بھی باقی رہی۔ سکندر اعظم کے زمانے میں بہت سے مقدونی باشندے یہاں آکر آباد ہوگئے تھے۔ حرانیوں پر یونانی دیومالا ( ) کا بہت اثر پڑا اور حران کے باشندوں نے یونانی دیوتاؤں کا نام اختیار کرلیا، اسی شہر میں عراق کے اصلی باشندوں کی بھی کثرت تھی اور یہ لوگ سریانی تھے اور ان کی زبان اسی نام سے مشہور تھی۔ اور ان کے علاوہ اس شہر میں یونان کے باشندے بھی بکثرت آباد تھے اس طرح عربوں کی بھی ایک بڑی تعداد اس میں آباد تھی، رومیوں نے اپنے دور حکومت میں نصرانی مذہب کو شدت سے پھیلانے کی کوشش کی اور حران کے باشندوں کو بھی اپنے زیر اثر لانے کے لیے جبر سے کام لیا، لیکن وہاں کے باشندے اپنے عقیدے میں بہت پختہ تھے، اور بآسانی نصرانیت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے، یہ شہر بُت پرستوں کا مرکز تھا۔

اور جو مسیحی مذہب سے ہمکنار نہیں ہونا چاہتے تھے وہ بھاگ کر اس شہر میں پناہ لیتے تھے ان لوگوں نے اس وقت سے اپنے فرقے کا نام صابئہ یعنی کواکب پرست قرار دے دیا۔

احمد امین لکھتے ہیں۔

"كَانَ رجالُ الكنية يُطلقونَ على حرانَ مدينة الوثلنيين. وَيَنظهُرُ انّ دينهم كان مزيجاً من الديانة البابلية واليونانية القديمة والافلاطونية الحديثةِ حتى كانَ شأنهُم كذالِكَ في العصر الاسلامي الىٰ عهدِالمامون متسمّوا اِذَاكَ بِالصَّائبةِ.

ترجمہ: پادری لوگ حران کو بُت پرستوں کا شہر کہتے تھے اور بظاہر ان کا مذہب بابلی قدیم یونانی اور جدید افلاطونیت کا مرکب تھا اور عہدِ اسلامی سے لے کر عہد مامون تک اس کی یہی حالت رہی پھر ان کو صابئہ سے موسوم کیا جانے لگا۔

ان لوگوں نے دورِ مامون میں ماحول کے مطابق اپنے طور وطریق میں تبدیلی پیدا کر لی تھی اور اپنے لباس اور اپنے حلیے کو بدل لیا تھا۔ اس دور میں ان کی ایک بڑی تعداد مسلمان بھی ہوگئی تھی لیکن ایک بڑی تعداد آبائی دین پر قائم رہی اور کچھ لوگوں نے اپنے کو صائبین میں شمار کر لیا۔

الغرض یہ شہر یونانی ثقافت کا بہت بڑا مرکز تھا اسلامی دور میں بھی بڑی شخصیات کے وجود کا بھی تعلق اسی شہر سے تھا۔ مثلاً بہت بڑے مترجم ثابت بن قرہ الحرانی کا نام سرفہرست اور سب پر عیاں ہے اور بہت بڑے امام ابن تیمیہ کا تعلق بھی اسی شہر سے تھا۔ حران اسکول کا تعلق خلفائے عباسی سے بھی گہرا تھا۔

جندیساپور کے بعد اس کا تعلق خلفائے بغداد سے ہوا۔ سب سے پہلا شخص جس کا تعلق بغداد کے دربار سے ہوا وہ ثابت بن قرہ الحرانی تھا جس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ بنی موسیٰ بن شاکر کے توسط سے اس کا تعلق بغداد کے دربار سے ہوا، خلیفہ معتضد (المتوفی 289ھ مطابق 902ء) کے زمانے میں یہ حران سے بغداد آیا اور اپنے علمی کارناموں سے خلفاء کو متاثر کیا۔

جندیساپور نے اگر طبی میدان میں شہرت حاصل کی تو حران نے ریاضیات میں خاص مقام پیدا کیا، شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کے باشندے کواکب پرست تھے اور ستاروں کی تعظیم کی وجہ سے فلکیات کا علم ان کے پاس بہت زیادہ تھا اسی وجہ سے ان لوگوں نے علم ہیئت میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔

حواشی:

1. مولانا محی الدین الوائی، عرب دنیا ص 21، طبع دلی 1961۔
2. سکندر کے بعد یونان کا ایک خاندان بطالسہ واحد بطلیموس کے نام سے برسر حکومت ہوگیا بالآخر رومیوں نے ان پر غلبہ پا کر ان کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور رومی سلطنت قائم کی۔
3. عبدالسلام ندوی حکما کے اسلام، ص 45، طبع اعظم گڑھ 1953
4. عبدالسلام ندوی احمد امین ضحی الاسلام، الجزءالاول، ص 273۔ طبع القاہرہ 1938۔
5. احمد امین، ضحی الاسلام، الجزء الاول، ص 276، طبع القاہرہ 1938۔
6. ڈیوس ایچ اے، مختصر تاریخ عالم، (انگریزی) ص 851 طبع لندن 1969۔
7. عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام، حصہ اول، ص 46، طبع اعظم گڑھ 1953۔
8. احمد امین ضحیٰ الاسلام، الجزالاول ص 276، طبع القاہرہ 1938۔
9. مولانا عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام ص 47، طبع اعظم گڑھ 1953۔
10. احمد امین ضحیٰ الاسلام ص 268، طبع القاہرہ 1938۔
11. القفطی، تاریخ الحکما، ص 155، طبع دلی 1945۔
12. ایشیا کا مشہور خطہ جس کے شمال میں ایشیا کوچک جنوب میں خلیج فارس مشرق میں ایران اور مغرب میں ملک شام ہے اس ملک کا ایک حصہ جزیرہ کے نام سے مشہور ہے یہ زرخیز حصہ دجلہ اور فرات کے درمیان واقع ہے۔
13. احمد امین۔ ضحی الاسلام، الجزالاول، ص 270، طبع القاہرہ 1338۔

چوتھا باب

السنہ جن کے توسط سے عربی میں ترجمہ کا کام ہوا

گذشتہ ابواب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ یونانی علوم وفنون کی اشاعت مسلمانوں میں کیوں کر ہوئی اور یہ بات بھی واضح ہو چکی ہے کہ یونانی علوم کی اشاعت میں بہت سی اقوام کا ہاتھ تھا۔مختلف قومیت کے علما وفضلا علمی سرمایہ کو عربی میں منتقل کرنے پر مامور تھے۔ یہ علما وفضلا مختلف زبانوں کے ماہر تھے۔انھوں نے مختلف زبانوں میں حاصل کیے ہوئے علمی سرمایہ کو بڑی کدوکاوش کے بعد عربی میں منتقل کیا،ان میں سریانی، یونانی فارسی ،نبطی اور سنسکرت وغیرہ شامل ہیں،اب ہم مختصراً زبان کی تاریخ بیان کریں گے۔

علما نے انسانی بولی کے بارے میں مختلف آرا قائم کی ہیں۔لیکن یہ بات یقینی طور پر نہیں کہی جاسکتی کہ انسانی زبان کی ابتدا دنیا کے کس خطے میں ہوئی یہ زبان کسی ایک خطے میں پیدا ہوئی یا مختلف مقامات پر پیدا ہوئی اور انسان نے بولنا کس طرح سیکھا۔

اس کا جواب بھی یقینی طور پر نہیں دیا جاسکتا۔اگر زبان کی ابتدا کسی ایک خطے سے تسلیم کی جائے تو تمام زبانوں کی اصل ایک ثابت ہوتی ہے اور اگر کئی مقامات پر اس کی ابتدا ہوئی تو قدیم زمانے میں طرح طرح کی بولیوں کا وجود تسلیم کرنا پڑے گا۔

زبان خدا کی نعمت ہے۔کیوں کہ یہی بات اسے حیوانات سے ممتاز کرتی ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

خَلَقَ الْاِنسانَ عَلَّمَهُ الْبَیَان۔"[1]

ترجمہ: "یعنی اس نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بیان سکھایا۔"

بہر حال ابتدا میں زبان بالکل سادہ رہی ہوگی اور بتدریج طرح طرح کے کلمات بننا شروع ہوئے ہوں گے۔ زبان کی تین ارتقائی منزلیں بیان کی جاتی ہیں۔

پہلی منزل: ۔ یک رکنی زبان کی منزل: اس منزل میں کلمہ خام حالت میں ہوتا ہے اور اس میں ایک ہی رکن پایا جاتا ہے، یعنی مرکب کلمہ کا وجود نہیں پایا جاتا، ان کلمات کے معنی بہت مختصر اور سوابق ولواحق کا وجود نہیں ہوتا۔[2]

ابتدائی منزل میں انسانی بولی کا یہی حال تھا اور بعض زبانیں اسی حالت پر قائم ہیں، ایسی زبانوں میں چینی، سیامی اور برمی زبانیں ہیں۔

دوسری منزل: یہ منزل پیوند زبان کی منزل ہے، اس منزل میں کلمات ایک دوسرے کے ساتھ ملنے لگتے ہیں اور اصلی معنی میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور نئے نئے کلمات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ ایسی زبانوں میں جاپانی، کوریائی، ترکی، فنلنڈی اور افریقہ کی بعض قدیم زبانیں ہیں۔

تیسری منزل: زبان منصرف کی منزل ہے۔ یہ سب سے زیادہ ارتقائی منزل ہے۔ اس منزل میں طرح طرح کی ترکیبیں وجود میں آجاتی ہیں اور کلمات کی تصریف وسعت کے ساتھ کی جاتی ہے، کلمات کو مختلف شکلوں میں ڈھال کر اس سے گہرے اور وسیع مطالب پیدا کیے جاتے ہیں اس قسم میں دو طرح کی زبانیں ہیں، ایک آریائی اور دوسری سامی۔

آریائی زبانوں میں فارسی، لاطینی اور یونانی شامل ہیں۔[3] اور سامی زبانوں میں عربی، عبرانی، کنعائی، بابلی، فینقی، نبطی اور سریانی داخل ہیں۔ آریائی زبانوں کی وہ مشترک اصل جو کسی وقت ایک مرکز میں بولی جاتی تھی وہی تھی جس سے ہندو، یورپ کی زبانیں نکلی ہیں اسی مشترک زبان کو آریائی زبان کہا گیا، اس زبان کا اصلی مسکن یورپ کا شمال اور دریائے ڈینوب کے آس پاس کا علاقہ ہے، سامی زبانوں کی اصل جزیرہ نما عربیہ کے جنوبی خط ارض کو کہا گیا ہے۔[4]

سُریانی زبان: یہ سامی زبان کی ایک شاخ ہے جس کا تعلق شمالی یا شمالی مغربی مجموعہ سے ہے یہ تیسری صدی عیسوی سے ساتویں صدی عیسوی تک نصاریٰ کی اہم ادبی زبان تھی۔[5]

یہ زبان الرہا شہر میں خاص طور پر بولی جاتی تھی، اسی کو یونانی زبان میں ایڈیسہ کہتے

ہیں، اسی طرح سریانی زبان مشرقی آرامی زبان کی ایک شاخ ہے۔ یہی زبان شام کے کلیساؤں کی زبان تھی اور علم وادب کی بھی زبان تھی۔ شام کے باشندے سریانی کہلاتے تھے کیوں کہ آرامی کا مطلب بت پرست ہوتا تھا اس لیے نصرانی لوگ اپنے کو آرامی کہلانا پسند نہیں کرتے تھے، گردش اوقات کے ساتھ یہ لوگ مسیحی مذہب کے پیرو بن گئے اور اسلامی فتوحات کے بعد تک شامی لوگ سریانی زبان بولتے رہے، حالانکہ عربی زبان تعلیم یافتہ طبقہ کی زبان بن چکی تھی، لیکن بول چال کی زبان اب بھی سریانی تھی۔ دور اموی میں سریانی زبان پس منظر میں آگئی اور عربی نے ہر حیثیت سے اس پر غلبہ حاصل کرلیا۔ کیوں کہ سب سرکاری کام عربی میں ہونے لگا اس طرح عربی زبان جدوجہد کے بعد کئی اسباب کی بنا پر سریانی پر غالب آگئی، سب سے پہلے وجہ غلبہ کی یہ ہے کہ عربی زبان غالب قوم کی زبان تھی اور سریانی زبان کے بہت قریب تھی اس لیے سریانیوں نے عربی زبان کو بہت جلدی اپنالیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سریانی اور عربی زبان کے ذریعہ اقوام میں مادی اور تہذیبی ہر طرح کے تبادلہ اور لین دین اور میل جول کی فضا پیدا ہوگئی، الغرض سریانی اور عربی زبانیں ایک ہی اصل سے نکلی ہوئی ہیں۔

الرھا شہر سریانیوں کا تہذیبی مرکز تھا اور ہیلنی دور میں یونانیوں کا ثقافتی مرکز بن گیا تھا۔ یہ زبان طوری نصاریٰ کی تبلیغی زبان تھی یہ مسیحی مذہب کے داعی تھے اور یونانی فلسفے کے بھی مبلغ تھے۔ رومی حکومت کے قیام کے بعد بھی یہ لوگ سریانی زبان سے محبت کرتے تھے، اس لیے وہ لوگ سریانی زبان میں کتابوں کا ترجمہ کرنے لگے، اس طرح یہ زبان علمی زبان بن گئی اور سریانی نسخوں کے ذریعے علوم وفلسفہ عربی میں منتقل ہوا۔ یہ سریانی لوگ علم کے مختلف گوشوں میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ فلسفہ اور دینیات کے علاوہ طب وکیمیا اور فلکیات میں بھی ان کو عبور حاصل تھا۔

مترجمین کے گروہ میں اکثر سریانی تھے، سریانی زبان میں بہت سے علوم وفنون موجود تھے، لیکن بہت سا مواد ضائع بھی ہو چکا تھا لیکن جو ذخیرہ مل گیا وہ عربی زبانوں میں منتقل ہوا۔ اور بے شمار کتابیں مختلف علمی شعبوں میں منظرِ عام پر آئیں۔ عہدِ عباسی میں تالیف وترجمہ کی دو متوازی تحریکیں پیدا ہوئیں۔

(1) دوسری تہذیبوں کے ترجمہ کا کام: اس سلسلے میں سریانی زبان کے ذریعہ یونانی علم کا اچھا خاصا ذخیرہ مسلمانوں کے سامنے آیا۔

(2) تالیف و تدوین کی شکل: اس سلسلے میں اکثر و بیشتر مواد عربی زبان میں مہیا کیا گیا، بابل کی اکثر تاریخی کتابیں سریانی زبان میں تھیں۔ ابن الندیم کے مطابق ان سب کتابوں کا ترجمہ عربی میں کیا گیا۔

مانی [6] نے بہت سی تالیفات چھوڑی تھیں اور یہ تالیفات سریانی زبان میں تھیں اور ان سب کا ترجمہ عربی زبان میں کیا گیا، ابن الندیم نے کچھ کتابوں کی فہرست دی ہے جو حسب ذیل ہیں۔

(1) کتاب ملک بابل (2) کتاب الشیخ والفتیٰ (3) کتاب اردشیر (4) صناعۃ النجوم (5) کتاب الوجوہ والحدود۔

عبرانی زبان: یہ سامی زبان کے شمالی مجموعہ سے تعلق رکھتی تھی، قدیم زمانے میں فلسطین کی زبان تھی۔ آرامی زبان کے مغربی لہجہ نے عبرانی پر تیسری صدی قبل مسیح میں غلبہ حاصل کر لیا تھا لیکن یہ زبان بطور ادبی زبان برابر مستعمل رہی اور عصر حاضر میں اسرائیل میں یہ سرکاری زبان بن گئی، عبرانی زبان مختلف ادوار میں مختلف حیثیت سے نمایاں رہی عام طور پر اس کو چار ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(1) قدیم عبرانی: یا کتاب مقدس کی عبرانی اسی زبان میں عہد قدیم کے حالات درج تھے۔

(2) مشنا کی عبرانی: اس زبان میں زیادہ تر یہود کی روایات اور تواریخ کا چرچا ہوا، اس قسم کی زبان بول چال کی زبان نہیں تھی۔

(3) متوسط عبرانی: یہ زبان چھٹی صدی عیسوی سے تیرھویں صدی عیسوی تک جاری رہی، اس دور میں یونانی، عربی، ہسپانی اور دوسری زبانوں سے بہت سے الفاظ مستعار لیے گئے۔

(4) جدید عبرانی عصر حاضر کی عبرانی: علما کا اتفاق ہے کہ بائبل کے عہدِ عتیق کے اشعار کی زبان سب سے قدیم سمجھی جاتی ہے۔ عبرانی زبان میں سمیری الفاظ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ [7]

بہر حال عبرانی زبان سامی زبان کی ایک شاخ ہے۔ اس زبان میں بہت بڑا علمی ذخیرہ موجود تھا۔ انبیا کے صحیفے اسی زبان میں تھے، عہد عباسی میں بائبل کی تمام کتابوں کا ترجمہ ہوا، اس

طرح توریت کا ترجمہ حنین بن اسحاق نے کیا تھا۔اس نے اپنے ترجمہ کی بنیاد یونانی نسخہ کو بنایا تھا۔ علامہ شبلی نے مسعودی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عہد عتیق اور جدید کے مجموعے کا جس میں 24 کتابیں شامل ہیں عربی میں ترجمہ کیا گیا۔مترجمین میں یحیٰی بن کریا اور سعید بن یعقوب القیومی متوفی 331ھ مطابق 941ء شامل ہیں۔[8]

نبطی زبان: نبطی قوم کے بارے میں مورخین مختلف آرا قائم کی ہیں۔بعض لوگ عراق کی ایک ایسی قوم کو نبطی جانتے ہیں جن کی اصل کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ وہ حقیقت میں ہندی تاجروں کی ٹولی تھی لیکن حالیہ تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ نبط یا نابت یا نبایوت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے ان میں سے نبایوت یا نابت یا قیدار بہت مشہور ہیں ان کا ذکر توراتیں میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔اسی نابت کی نسل اصحاب حجر کہلاتی ہے۔[9]

درحقیقت نبط، نبایوط نابت اور نبیت ناموں کا مصداق ایک ہی شخص ہے اور وہ نابت بن اسماعیل ہیں۔مورخین عرب انباط کے متعلق عموماً یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ عجمی نسل ہے تاریخی حقائق کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبطی خالص عربی اور اسماعیلی ہیں مگر بدویانہ زندگی ترک کر دینے اور حجاز سے نکل کر دوسرے علاقوں میں بس جانے کی وجہ سے یہ عربوں کے لیے اجنبی ہو گئے تھے۔

قوم نبط کی ریاست بہت مشہور تھی۔اس قوم نے قدیم عربی تہذیب کو ترقی دینے میں بہت اہم رول ادا کیا تھا۔پٹرا اس کا پایہ تخت تھا جو حجاز اور فلسطین کے درمیان واقع تھا یہی وہ واحد مقام تھا جہاں کافی مقدار میں عمدہ اور شفاف پانی کے ذخیرے تھے۔عرب کارواں جس وقت ہلال نصیب عراق، شام اور ملحقہ علاقوں سے اپنے یہاں بننے والی اشیا نیز مسالوں وغیرہ کے بدلے میں کپڑے غلہ اور دوسری چیزوں کو لے کر لوٹتے تھے تو پٹرا کو جنوبی عرب اور شمالی عرب کے درمیانی شاہراہ پر ایک کلیدی حیثیت حاصل تھی۔[10]

مورخین کے نزدیک انباط کا رقبہ تین مختلف العہد قوموں کے دائرہ حکومت پر حاوی تھا۔
(1) ثمود کا ملک ''وادی قریٰ'' اور اس کا دارالحکومت مشہور شہر حجر تھا۔ (2) ملک مدین

اس کا دار الحکومت شہر مدین ہی تھا۔ (3) ملک ادوم اس کا دار الحکومت رقیم تھا۔

انباط کا زمانہ حکومت 700 ق م سے شروع ہوکر 106 عیسوی تک قائم رہا، اسی عہد میں رومیوں نے ان کے پورے علاقہ پر قبضہ کرلیا اور انباط کی حکومت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوگیا۔ رومیوں نے اس کا نام بدل کر پٹیرا رکھا۔[11]

الغرض نبطی قوم ایک عربی قوم تھی اور اس کا ایک تمدن تھا اور ترقی یافتہ تہذیب تھی، اس کی زبان بھی ترقی یافتہ رہی ہوگی، اس زبان میں بہت سے کتبات کا پتہ لگایا گیا ہے ان ہی آثار اور کتبات سے اس قوم کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل کی گئی ہیں اور ضمناً زبانوں کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہوگئی ہیں۔ نبطی زبان آرامی زبان کی ایک شاخ ہے۔ یہ شاخ مغربی لہجہ سے تعلق رکھتی ہے۔[12]

یہ زبان بھی ایک علمی زبان تھی اور بہت سی علمی کتابیں عہدِ عباسی میں اسی زبان میں موجود تھیں تقریباً چودہ کتابوں کے تراجم کی نشاندہی کی جاتی ہے، اس زبان کے مترجمین میں سے احمد بن علی ابن وحشیہ کا نام قابلِ ذکر ہے۔

لاطینی زبان: اہلِ روم ایک عظیم الشان قوم تھی جن کی مملکت وسیع تھی ان میں بہت سے باسطوت بادشاہ گذرے ہیں، بلادِ روم، بلادِ یونان سے متصل ہے، اس کے جنوب میں بحرِ روم ہے اور مشرق میں بلادِ یونان کے حدود ہیں اور اہلِ روم کی زبان لاطینی ہے۔ سلطنت روم کا بانی روملش تھا۔ لاطینی کو بیرنبطینی بھی کہتے ہیں۔ اس سلطنت پر متعدد عظیم الشان بادشاہوں نے حکومت کی، تین سو پچپن سال تک سلطنت روم پر قیاصرہ کی حکومت رہی، ان کا مذہب فرقہ صائبہ سے ملتا جلتا تھا، پھر قسطنطین نے 313ء میں صائبہ کا مذہب ترک کردیا اور مسیحی مذہب کی تائید کا اعلان کیا اور خلیج باسفورس کے کنارے قسطنطنیہ شہر کی بنیاد ڈالی، یہی شہر سلطنت روم کا پایہ تخت بن گیا اور عہدِ اسلامی تک یہ اہلِ روم کا دار السلطنت رہا۔

شہر روما وغیرہ میں اہلِ روم کے جید حکما و علما گذرے ہیں جو مختلف اصناف فلسفہ کے ماہر تھے۔ اکثر یونانی فلاسفہ جن کا تذکرہ مورخین اہلِ یونان کے علما اور حکما کے ضمن میں کرتے ہیں، ان میں سے بیشتر حکما لاطینی یا رومی حکما تھے کیوں کہ دونوں قومیں آپس میں اختلاط رکھتی تھیں، اسی لیے مورخین نے ان کا تذکرہ بغیر کسی تمیز کے کردیا ہے اور اہلِ روم کے حکما کو اہلِ یونان کے حکما میں شمار

کرلیا ہے۔ یہ دونوں قومیں علوم کی تحصیل میں مشہور اور اہلِ علم کے بلند مرتبہ پر فائز رہی ہیں مگر اہلِ یونان کا مرتبہ بلند ہے، کسی کو اس سے انکار نہیں دورِ عباسی میں بہت سے رومی علما اور حکما موجود تھے اور ان کی تالیفات سے علمی استفادہ کیا گیا۔ مثلاً بختیشوع اور یوحنا بن ماسویہ اہلِ روم کے حکما میں سے ہیں۔ (13)

جیسا کہ سب پر عیاں ہے کہ رومی ایک متمدن قوم تھی اور زبردست حکومت کی مالک تھی، اس کی سلطنت وسیع تھی جو یورپ اور ایشیا کے اکثر و بیشتر علاقوں پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی زبان یعنی لاطینی میں علمی ذخیرہ کثرت سے موجود تھا، یہ لاطینی زبان ہند، یوروپی زبان کے گروہ سے تعلق رکھتی تھی، یہ زبان ایک قدیم رومی زبان ہے جس کی ترقی یافتہ شکل جدید رومی زبان ہے۔ لاطینی زبان ابتداءً تائیر دریا کے کنارے بسنے والے قبائل کی زبان تھی، اس زبان کی ترقی بہت تیزی سے ہوئی اور سیاسی اقتدا کی وسعت کے ساتھ ساتھ مختلف گوشوں میں پھیلتی چلی گئی اور یہ زبان اٹلی سے نکل کر مغربی اور جنوبی یورپ اور بحرِ روم کے مغربی کناروں اور افریقہ کے ساحلی علاقوں میں پھیل گئی، جدید رومی زبان کی بنیاد قدیم لاطینی زبان ہے جو اہلِ روم کی روزمرہ کی زبان تھی۔ یہ لاطینی زبان عہدِ وسطیٰ میں علمی زبان تھی، اہلِ علم کے حلقوں میں اس زبان کی بڑی قدر و قیمت تھی۔

وہ علم و ادب کے میدان میں اسی زبان کو استعمال کرتے تھے حتیٰ کہ بیسویں صدی کے اخیر تک یہ زبان کلیساؤں کی زبان تھی۔

لاطینی زبان کی نشو و نما دو طریقوں سے ہوئی۔

(1) یہ زبان روزمرہ کی زبان کی حیثیت سے ترقی کرتی رہی۔ (2) اور اس نے مذہبی حلقوں میں بہت زبردست اثر چھوڑا اور مغربی یورپ کی زبان پر بھی اس کا بہت بڑا اثر پڑا۔

عہدِ عباسی میں اس زبان میں موجود علمی کتابوں کے بھی تراجم ہوئے۔ بیت الحکمت کے شعبہ ترجمہ میں لاطینی زبان کے مترجمین بڑی تعداد میں موجود تھے۔ یحییٰ بن البطریق کا نام خاص طور پر لیا جا سکتا ہے۔ لاطینی زبان سے عربی میں ترجمہ شدہ کچھ کتابوں کے نام یہ ہیں۔

(1) کتاب البرھان (2) کتاب الجذام (3) کتاب الحمام (4) کتاب الحمیات (5) کتاب المعدہ (6) کتاب المبطرہ (7) کتاب الکمال۔

یونانی زبان: یونانی قوم ایک عظیم الشان قوم تھی سکندر اعظم کا تعلق اسی قوم سے تھا کیوں کہ مقدونیہ یونان کا ایک جزو تسلیم کیا جاتا تھا، بلادِ یونان کرہ ارضی کے شمالی مغربی ربع میں واقع ہے جنوب میں بحرِ روم اور مغرب میں بلادِ روم اور مشرقی سمت آرمینیا اور دربند ہے۔ اہلِ یونان کی زبان کو اغریق اغریقیہ کہتے ہیں۔ اہلِ یونان کا مذہب تعظیم کواکب تھا جو فرقہ صابئہ کے مذہب سے ملتا جلتا ہے۔ یونان میں علم و فلسفہ کی ترقی داخلی جنگوں کے نتیجہ میں ہوئی۔ یہ جنگیں چوتھی صدی قبل مسیح میں واقع ہوئیں اور مسلسل 27 سال تک چلتی رہیں۔ ان جنگوں کے نتیجہ میں یونان مقدونیہ کے ماتحت ہو گیا اور یونانی لوگ فلسفہ و حکمت کی طرف مائل ہو گئے۔[14]

سکندر کے بعد بطالسہ کا دورِ حکومت شروع ہوتا ہے ان لوگوں نے ایک طویل مدت تک بڑی شان سے حکومت کی۔ اہلِ یونان نے فلسفہ اور حکمت اور تمام اقسامِ علوم میں بے حد ترقی کی۔

جرجی زیدان لکھتے ہیں:

"اخذالیونانُ باهداب الفلسفة وَالعِلمُ علی اثُرالحروبت الیونانیتة الداخلیه فاِنّها توالت ستةُ وفی نها یتها دَخَلتُ اثینافی حوزةِ المقدونیین فساقتُهُم العِبرةُ والمذلة الی النظرِ فی الوجود۔"[15]

ترجمہ: یونان نے فسلفہ و حکمت میں دلچسپی داخلی جنگوں کے نتیجہ میں لی کیوں کہ یہ 27 سال تک جاری رہیں اور آخر میں ایتھینز اہلِ مقدونیہ کے ماتحت ہو گیا اس ذلت و عبرت کے نتیجہ میں اہلِ یونان خلقت میں غور و فکر کرنے کی طرف مائل ہوئے۔

یونانی زبان ہندو، یوروپی زبانوں کے گروہ میں سے ہے جو کہ خاص طور پر یونان میں بولی جاتی ہے۔ اس کی ایک طویل تاریخ ہے اور صفحات تاریخ پر اس کی اہمیت کے بے شمار نقوش ملتے ہیں، حتیٰ کہ اس کی تاریخ ہندو یورپی زبانوں میں سب سے طویل ہے جو تقریباً 34 صدیوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس زبان کو چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(1) قدیم یونانی: اس قسم کی زبان چودھویں صدی ق م سے چوتھی صدی قبل مسیح تک جاری رہی۔ اسی مدت میں حروف تہجی کی ابتدا ہوئی۔

(2) ہیلی یونانی: اس کی نشو و نما چوتھی صدی قبل مسیح سے چوتھی صدی عیسوی تک رہی۔

(3) بیزنطینی یونانی: یہ پانچویں صدی عیسوی سے پندرھویں صدی تک رہی۔

(4) جدید یونانی: یہ پندرھویں صدی عیسوی سے اب تک جاری ہے، اس مدت میں بول چال اور کتابت کی زبان میں زیادہ فرق نہیں ہوا مگر دوسری زبانوں کی طرح اس زبان کے لہجات میں بھی فرق ملتا ہے۔[16]

مختلف لہجات میں یونانی علم و ادب کا ذخیرہ پایا جاتا ہے۔ مثلاً ھومر افلاطون کی تالیفات مختلف لہجات میں ہوئی ہیں، یونانی زبان کی لغت بہت وسیع ہے۔ یہ زبان یونان کے مختلف علاقوں میں بولی جاتی ہے۔

دورِ عباسی میں اس زبان کے اندر علوم وفنون کا وافر ذخیرہ موجود تھا اور بیت الحکمت میں تراجم کا کام بھی اسی زبان کے توسط سے عربی میں ہوا۔ اس خدمت پر بہت سے نامور مترجمین مامور تھے، جس میں ابوزکریا، یوحنا بن ماسویہ، حبیش الاعم وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں، کچھ ترجمہ شدہ کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

(1) کتاب فی العلل والاعراض

(2) کتاب فی النبض

(3) کتاب تشریح الرحم وغیرہ۔

فارسی زبان: فارسی قوم زمانہ قدیم کی ایک باعظمت قوم تسلیم کی جاتی ہے۔ اس کی شان وشوکت کا اندازہ کے لیے یہ کافی ہے کہ اس کی شہنشاہیت کا رقبہ بہت وسیع تھا ایک طرف ملک مصر تک پھیلا ہوا تھا دوسری طرف بحرِ اسود تک اور جنوب میں بحرِ عرب تک اس کی سلطنت وسیع تھی۔ اس قوم میں بڑے عظیم الشان بادشاہ گذرے ہیں۔ دارا 485۔ 521 ق م جو قلمبیز کے بعد ایران کے شاہی تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ وہ بہت بڑی شہنشاہیت کا مالک تھا۔ یہ بابل اور مصر سمیت تمام علاقوں میں بے مثل فرماں روا تھا۔ نوشیروان عادل کا تعلق بھی اسی شہنشاہیت سے تھا، ساسانی حکمراں یکے بعد دیگرے ایران کے شاہی تخت پر جلوہ گر رہے، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی 24ھ مطابق 645ء کے زمانے میں یہ شہنشاہیت ختم ہوگئی اور ایک حدیث کے مطابق ہمیشہ کے لیے ایرانی شہنشائیت کا خاتمہ ہوگیا۔

فارسی زبان منصرف زبانوں شمار کی جاتی ہے اور اس کا تعلق ہند یورپی زبانوں کے گروہ سے ہے۔ اس زبان کی کئی شاخیں ہیں۔

(1) ہخامنشی دور کی پرانی فارسی: اس زبان میں ہنحامنشی دور کے بادشاہوں نے اپنے نامے اور کتبے لکھے ہیں، شاہ ایران دارا کا تعلق اسی دور سے ہے۔

(2) اوستائی فارسی: اس زبان میں رزدشت[17] کی مشہور کتابیں لکھی گئیں خاص طور پر یہ زبان مذہبی پیشواؤں میں محدود تھی۔ اردشیر بابکان 236۔ 241ء نے اوستا کو مرتب کرایا تھا۔ ہنحامنشی دور کے مذہبی کتابیں سکندر کے حملے اور پھر ایران میں سلوکی حکومت کے دور میں ناپید ہوگئیں۔

(3) پہلوی فارسی: یہ قدیم فارسی کی ایک شاخ ہے یعنی قدیم پارسی کے کلمات اور ترکیب میں تبدیلیاں ہوئیں اور پہلوی زبان کی صورت میں نمودار ہوئی۔ اس لحاظ سے اسکو درمیانی پارسی بھی کہتے ہیں، پہلوی ادبیات کا بیشتر حصہ زردشتی مذہب کی کتابوں پر مشتمل ہے۔

(4) موجودہ فارسی: ایران پر عربوں کا تسلط ہوا تو پہلوی زبان کا رسم الخط اور کلمات میں تبدیلیاں پیدا ہوئیں، رسم الخط عربی زبان سے لیا گیا اور بے شمار عربی کلمات فارسی میں داخل ہوگئے۔[18]

الغرض قدیم ایران میں اپنا رسم الخط اور ادبی زبان تھی اور مختلف ادوار میں مختلف علوم اور فلسفہ بھی موجود تھا۔ ساسانیوں کے دور 226-652ء میں یونانی علوم پہلوی زبان میں منتقل ہوگئے۔[19]

عربوں کے تسلط اور عربی زبان کی ترویج کی وجہ سے پہلوی ادبیات ناپید ہوگئے اور عربی تالیفت باقی رہ گئیں مثلاً ابن المقفع کا الادب الکبیر والادب الصغیر وغیرہ ہیں۔

عباسی دور میں فارسی کے توسط سے متعدد کتابوں کے ترجمے ہوئے اور اس خدمت کے لیے متعدد نامور مترجمین بیت الحکمت میں مامور تھے جن میں جبلہ بن سالم، افضل بن نوبخت اور حسن بن سہل وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ فارسی سے ترجمہ شدہ کتابوں میں سے چند نام یہ ہیں۔

(1) کلیلہ ودمنہ (2) کتاب التاج (3) کتاب الیتمہ (4) کتاب المو الید (5) کتاب المحاسن (6) کتاب المدخل۔

سنسکرت: قدیم آریائی زبان جس کا تعلق خصوصاً ہندوستان سے ہے، مورخین نے ہندوستان میں آریاؤں کی آمد کا تعین کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ تقریباً 500ق م میں آریہ قوم

ہندوستان میں وارد ہوئی اس قوم کا اصل موطن ایشیائے کوچک تسلیم کیا جاتا ہے مذکورہ بالا مدت میں اس قوم کی زبان سنسکرت تھی اس قوم نے شمالی ہندوستان کو فتح کرلیا اور اپنی قوم کا سکہ جما دیا، رفتہ رفتہ سارے ہندوستان پر اس کا تسلط ہوگیا، اس قوم کی ایک تہذیب تھی اور مذہب وتمدن بھی تھا۔ اس کے مذہب کی بنیاد تین ویدوں پر اور بعض کے نزدیک چار ویدوں پر قائم ہے۔

آریہ قوم انڈس دریا کے تعلق سے ہندو قوم کہلانے لگی۔ ویدوں کو یہ الہامی سمجھتے ہیں ان ویدوں میں رگ وید سب سے پرانی تسلیم کی جاتی ہے۔[21]

سنسکرت معنی مانجھی ہوئی یا شستہ اور با قاعدہ زبان ہے۔ مولف بھاشیہ بھومیکا، سر ڈبلو جونز کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ سنسکرت زبان نہایت شستہ یونانی سے زیادہ مکمل، لاطینی سے زیادہ وسیع اور دونوں سے زیادہ عمدہ نفیس اور ہر دور سے تعلق رکھنے والی ہے۔[22]

اس زبان کا تعلق ہندو یورپی زبانوں کے گروہ سے ہے اور منصرف زبانوں میں ہے۔ یونانی اور لاطینی زبانوں کے اقسام سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ قدیم سنسکرت ویدوں کے ذریعہ محفوظ ہے، رسم الخط میں بھی قدرے فرق ہے، ویدوں کی زبان عام سنسکرت زبان سے مختلف ہے۔ اس زبان کا نحو وصرف بہت وسیع ہے، پانی رشی نے مکمل قواعد لکھے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس کی کتاب اشٹا دھیائی دقیق اور عجیب وغریب علمی تصنیف ہے اور صرف ونحو کا مکمل علم اس میں موجود ہے۔ اس زبان کے قواعد کے بارے میں پانی کی کچھ تشریحات مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) فعل میں تغیر وتبدل یعنی فعل واحد کی جگہ جمع اور جمع کی جگہ واحد۔

(2) حروف میں تبدیلی یعنی کسی حرف کو کسی حرف سے بدل لینا۔

(3) تذکیر وتانیث میں تبدیلی یعنی مذکر کی جگہ مونث اور مونث کی جگہ مذکر آجانا

(4) ضمیروں کا ادل بدل ہوجانا، یعنی غائب کی جگہ حاضر اور حاضر کی جگہ متکلم

(5) زمانہ کا تغیر مثلاً حال کی جگہ ماضی اور ماضی کی جگہ حال کا آجانا۔[23]

الغرض سنسکرت زبان ترقی یافتہ زبان تھی اور علوم وفنون کا وافر ذخیرہ اس میں موجود تھا علما ہنود مختلف علوم وفنون میں شہرت کے مالک تھے۔

سنسکرت زبان سے تراجم کی ابتدا خلیفہ منصور کے عہد سے ہوئی۔ اسی کے دربار میں ہندوستان کا ایک نامور فاضل پنڈت آیا تھا جس نے اپنی کتاب سدھانت کو پیش کیا تھا جس کا

موضوع علم نجوم تھا، دربار کے ایک عالم محمد بن ابراہیم فزاری نے اس کا ترجمہ عربی میں کیا، دورِ ہارونی میں برامکہ نے ہندوستان سے بہت سے پنڈت اور وید کے عالم طلب کیے تھے۔ ملکہ، بازیکر اور ضجہل وغیرہ مشہور زمانہ فضلا کا تعلق ہندوستان سے ہے۔ مامون الرشید نے بھی علما ہند کی قدردانی کی اور ان کو بغداد کے دربار میں باریابی کے مواقع حاصل ہوئے۔

الغرض سنسکرت زبان بھی علم کی منتقلی کی زبان رہی اور دورِ عباسی میں بہت سے علوم ہند کے تراجم عربی میں ہوئے، چند ہندوستانی حکما جن کی تالیفات کے تراجم عربی میں ہوئے ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) شاناق (2) کنکہ (3) جودر (4) منکہ (5) صالحہ بن بہلہ (6) ضجہل۔ کچھ ترجمہ شدہ کتابوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) کتاب السوم (2) السندھند سدھانت (3) کتاب البیطرۃ (4) کتاب فی علم النجوم (5) اسرار الموالید (6) کتاب سشرت (7) کتاب التوھم فی الامراض والعلل۔

عربی زبان: اوپر ان زبانوں کا ذکر کیا گیا جن کے توسط سے عربی زبان میں علوم کے تراجم ہوئے چوں کہ عربی زبان کا ضمناً تذکرہ آیا اس لیے اس زبان کے بارے میں بھی کچھ لکھتے ہیں۔

عربی زبان سامی زبان کے گروہ سے تعلق رکھتی ہے اور مذکورہ گروہ کی زبانوں میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ یہی زبان ہے، عربی زبان کی قدامت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس نے ابتدائی آوازوں کو اپنے اندر محفوظ کرلیا ہے، عربی زبان کے تجزیہ سے انسان کی فطری بولیوں کے بارے میں بھی بہت سی معلومات حاصل ہوئی ہیں، عربی زبان نہایت حکیمانہ مزاج رکھتی ہے اس کی فطری ترتیب اس کا تدریجی ارتقا اور اس کی کڑیوں کا باہمی ربط و تعلق اس کے الفاظ میں عکس و قلب اور تبادلہ حروف کے بعد معنوی ہم آہنگی اور اصول اشتقاق کی وجہ سے متنوع لفظی رنگ و روپ اس کی عظمت و وسعت اور ہمہ گیری کی شہادت دیتے ہیں۔

عربی زبان نے مختلف ادوار میں انسانی بولی میں تدریجی ارتقا کو اپنے اندر محفوظ رکھا ہے۔ انسانی بولی کے تین ادوار ہیں۔

(1) دورِ اول: فطری بولی کا دور۔

(2) دورِ دوم حکایت اصوات کا دور۔

(3) دورِ سوم وضع الفاظ کا دور۔

ابتدا میں انسان کو دودھ پینے کی خواہش ہوتی ہے اور بچہ غوں غاں کرتا ہے ایک مبہم آواز اس کے منہ سے نکلتی ہے جسے عربی میں غمغمہ کہتے ہیں۔ اسی طرح بچہ اپنی ضرورت کو ظاہر کرنے کے لیے اُم اُم کہتا ہے یہ لفظ اسی ابتدائی آواز اور معنی کو اب تک ظاہر کرتا ہے۔

صحیح معنی میں بولنے کا آغاز محاکات سے ہوا۔ کوے کی آواز غاغا سے غوغا والقوم کا اشتقاق ہوا یعنی انسانی شور وشغب کا تعلق کوے کی شور سے ہوا اس طرح ھمھمۃ شیر کی آواز کو کہتے ہیں اسی لحاظ سے ھمھام اور ہمام کا اشتقاق ہوا۔ جس کے معنی بہادر اور الوالعزم شخص کے ہیں۔

انسان میں نقل ومحاکات کے ساتھ ساتھ ایجاد واختراع کی صلاحیت بھی ہے۔ عربی میں ایسے الفاظ ملتے ہیں جن میں سے چند کے وضع کیے جانے کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً بکم یعنی گونگا پن اس لفظ میں ب (منہ کھلا) س زبان تالو چپکی م ہونٹ بند ہوگئے اور بول نہ سکا۔ اسی طرح بغم (صاف نہیں بولا) بعیم بے زبان اور بہیم لا (یعنی بولنا)[24]

بہر حال عربی زبان وسیع زبان ہے اور تمام سامی زبانوں میں اس کا ایک بلند مقام ہے اور اسلام سے قبل دورِ جاہلی میں یہ عروج حاصل کر چکی تھی۔ دورِ جاہلی اور دورِ اسلام کے ابتدائی سالوں میں عربی زبان میں مختلف قبائلی لہجات رائج تھے۔ ان میں مشہور لہجات قبائل تمیم، ربیعہ ھزیل، قضاعہ، قیس اور حمیر کے تھے۔[25]

قرآن مجید کے نزول کے وقت یہ لہجات مختلف علاقوں میں پائے جاتے ہیں اور ایک حدیث نبوی کے مطابق ان قبائل کو اپنے لہجات میں تلاوتِ کلام پاک کی اجازت تھی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تدوین قرآن کو مکمل شکل دے کر قریش کے لہجے کو نافذ کیا ان الہجات میں کچھ کے نام حسب ذیل ہیں۔ مثلاً

(1) قبیلہ قضاعہ کا عجعجہ مثلاً وہ راعی کو رائج کہتے تھے۔

(2) قبیلہ حمیر کا طمطانیہ مثلاً وہ آل کے لام کو م سے بدل دیتے تھے اور اصیام کو امصیام کہتے تھے۔

(3) قبیلہ ھزیل فحفحہ

(4) قبیلہ تمیم کا عنعنہ

(5) قبیلہ ربیعہ کا کشکشہ

یہ لہجات مرور زمانہ کے ساتھ ناپید ہو گئے اور قریش کا لہجہ ہی غالب ہو گیا اس زبان میں آخری وحی کا نزول اس کے کمال پر دلالت کرتا ہے کیوں کہ قرآن ایک معجزہ بن کر آیا اور تمام عربوں کو چیلنج کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عربی زبان وادب میں عربوں کا بلند مقام تھا ورنہ اس چیلنج کے کوئی معنی نہیں۔

ڈاکٹر محمد احمد الغرب لکھتے ہیں۔

"بلغت العربیتُ العصرالجاھی من قبل التاریخ الی ظھور الاسلام شاواً بعیداً فی النضج والاکتمال کحمایدُلُ ولالۃَ علی ان ھذہ اللغۃ ترجعُ فی اعماق التاریخ الیٰ اٰماد سحیقۃِ لان ھذا التطور المائل لایمکن براھتٌ ان یلَمَ بین یوم ولیللۃٍ:[26]

ترجمہ: عربی زبان تاریخ سے قبل عصر جاہلی میں ظہور السلام 622ء تک اپنے عروج کمال کو پہنچ چکی تھی۔ تاریخی اعتبار سے اس کی بنیاد کے انتہائی قدیم ہونے پر ٹھوس دلیل پیش کرتی ہے کیوں کہ ظہور اسلام کے بعد ایک قلیل مدت میں اس قسم کی بے مثال ترقی ممکن نہیں۔

عربی زبان نشو ونما پاتی رہی اور مختلف علاقوں میں عربوں کے منتشر ہونے کی وجہ سے اس زبان میں مختلف تنوعات پیدا ہوئے اور بہت سے جدید الفاظ اس میں داخل ہوئے۔ عہد اموی 661-749ء مطابق 41ھ۔132ھ میں عربی قبائل شمال کی طرف اور مغرب کی طرف ہجرت کر گئے، فطری طور پر ان کی زبان پر ان علاقوں کا اثر پڑا۔ الغوی خطا کا بھی ظہور ہوا اس لیے علماعربیہ نے اس زبان کے قواعد کی تحقیق کی اور بے شمار کتابیں لکھیں۔

درعباسی 749-1258ء مطابق 132 سے 656 میں عربی زبان جدید دور میں داخل ہو گئی کیوں کہ عربوں کی تہذیب وتمدن میں بے پناہ ترقی ہوئی۔ اس تہذیب وتمدن کا اثر زبان پر ظاہر ہوا اور بے شمار نئے الفاظ اس زبان میں داخل ہو گئے۔ بایں ہمہ اصل زبان محفوظ رہ گئی اور قرآن وحدیث کے توسط سے ہمیشہ کے لیے اصل عربی زبان باقی رہ گئی اسی ترقی یافتہ سامی زبان میں علم وادب کا گرانمایہ سرمایہ محفوظ کر دیا گیا۔ یہ سرمایہ عہد عباسی کا مرہونِ منت ہے اور اس عظیم

خدمت کے لیے بیت الحکمت کا نام صفحات قرطاس پر ہمیشہ کے لیے ثبت ہوگیا۔

سامی زبانیں

(1) اکادی زبان	اس کی دو شاخیں ہیں	بابلی اور آشوری
(2) کنعانی زبان	اس کی تین شاخیں ہیں	فینیقی، بونی، عبرانی
(3) آرامی زبان	اس کی تین شاخیں ہیں	سریانی، کلدانی، نبطی
(4) حامی زبان	اس کی دو شاخیں ہیں	قدیم لیبیائی اور بربری
(5) عربی زبان	اس کی دو شاخیں ہیں	مصری اور حیری
(6) حبشی زبان	اس کی دو شاخیں ہیں	حمیزی اور الحصر ی
(7) حامی سامی زبان	اس کی دو شاخیں ہیں	قدیم مصری اور قبطی
(8) کوشی زبان	اس کی تین شاخیں ہیں	جالی، صومالی، اور بجاوی

حواشی:

1. سورۃ الرحمان (القرآن المجید)
2. ڈاکٹر رضا زادہ شفق، تاریخ ادبیات، ایران، ص 12، طبع دہلی 1969۔ چہارم ایڈیشن۔
3. اسمتھ وی، تاریخ ہند، (آکسفورڈ) ص 15 طبع لندن 1962 (تیسرا ایڈیشن)
4. ڈاکٹر رضا زادہ شفق، تاریخ ادبیات، ایران ص 13، طبع دہلی 1969۔
5. دائرۃ المعارف، برٹانیکا، جلد دوم طبع امریکہ 1985۔
6. مانی: المتوفی 216۔ یہ فرقہ مانویہ کا بانی تھا مذہب مسیحی اور زرتشتی مذاہب کی ترکیب سے بنا اس کی بنیاد ثنویت پر ہے یعنی دنیا دو چیزوں پر قائم ہے نور اور ظلمت، نور سے سب بھلائیوں کی پیدائش ہوئی اور ظلمت سے سب برائیوں کی، ایران میں اس مذہب کی اشاعت بہت سرگرمی سے ہوئی اور ساتویں صدی ہجری تک یہ مذہب باقی رہا اس کے پیروکار ایشیا اور یورپ کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے اور مانی رہبانیت کی طرف زیادہ مائل تھا۔ بعض لوگ اس کو حیوان کا راہب تصور کرتے ہیں یہ توالد اور تناسل کی مخالفت کرتا تھا کیوں کہ دنیا کو شر کا منبع خیال کرتا تھا اور اس کی فنا کو اہمیت دیتا تھا۔
7.
8. علامہ شبلی، رسائل ص 252 طبع علی گڑھ 1898۔
9. مولانا حفظ الرحمان صاحب، قصص القرآن، جلد اول، ص 244 طبع دہلی 1980۔
10. فلپ ہٹی، ہسٹری آف عربس (نیر ایسٹان ہسٹری) ص 146۔ ڈاکٹر ماجد علی خان، سیرت خاتم النبیین طبع دہلی 1989۔
11. مولانا حفظ الرحمن صاحب، قصص القرآن، حصہ سوم، طبع پنجم، ص 347 طبع دہلی 1982۔
12. جدید انسائیکلو پیڈیا۔ برٹانیکا، ص 516، پندرھواں بار۔ طبع امریکہ، 1985۔
13. ابن صاعد الاندلسی، طبقات الامم، ص 54 طبع اعظم گڑھ 1928۔
14. جرجی زیدان، تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ، الثانی، ص 26 طبع القاہرہ 1920۔
15. جرجی زیدان، تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ، الثانی، ص 26 طبع القاہرہ 1920۔
16. جدید انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص 457، ج 5، پندرھواں ایڈیشن طبع امریکہ 1985۔
17. زرتُشت (المتوفی 583 ق۔م۔ تقریباً) ایران کا مشہور مصلح تھا جس کو بعض مورخین نبی تصور کرتے ہیں۔ ان کی جائے پیدائش آذربائیجان خیال کی جاتی ہے۔ بلخ کے علاقے میں اس کی بے انتہا مقبولیت تھی، شاہ ایران گشتاسب کے زمانے میں اس کے مذہب نے ایران میں مقبولیت حاصل کی اس کی طرف ایک کتاب منسوب ہے جس کو اوستا کہتے ہیں اس کے مذہب کی بنیاد ثنویت پر قائم تھی یہ خیر کے خالق کو آہورمزدا اور شر یک خالق کو اہرمن کا خطاب دیتا تھا یہ زراعت اور تربیت حواشی پر بہت زور دیتا تھا، دور ساسانی میں (226-652) اس کو دوبارہ عروج حاصل ہوا اور فتح اسلامی تک یہی مذہب قائم تھا، فتح اسلامی کے بعد اکثر و بیشتر ایرانی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور ان کی کچھ تعداد اسی قدیم مذہب پر قائم رہی، اس مذہب میں آگ کو بہت تقدس حاصل ہے اس کے پیروکار مجوسی کہلاتے ہیں۔ (احمد امین، فجر الاسلام، ص 99 طبع القاہرہ 1986)۔
18. ڈاکٹر رضا زادہ شفق، تاریخ ادبیات ایران 24، ایڈیشن چہارم، طبع دہلی 1979۔
19. احمد امین، ضحی الاسلام، الجزء الاول، ص 184 المطبعۃ الثالثۃ، القاہرہ 1938۔
20. یعنی رگ وید، سام وید، یجر وید، اتھر وید، منوسمرتی میں بھی تین ہی ویدوں کا تذکرہ ملتا ہے۔

21. ڈیوس ایچ اے، تاریخ عالم، (انگریزی) ص79 پانچ واں ایڈیشن، لندن 1969ء۔

22. نہال سنگھ مقدمہ رگوید آدی بھاشیہ بھومیکا، ص36 طبع سوم، لاہور 1914ء۔

23. بھائی نہال سنگھ، رگوید آدی بھاشیہ بھومیکا، ص34 طبع سوم لاہور 1914ء۔

24. افتخار احمد اعظمی، مقدمہ تاریخ ادب عربی، ص36 طبع دوم، لاہور 1972ء۔

25. جرجی زیدان، تاریخ اللغۃ العربیہ ص5، طبع القاہرہ 1962ء۔

26. دکتور محمد احمد الغرب عن اللغۃ والادب والنقد، ص 11 الطبعۃ الاولیٰ، القاہرہ 1980ء۔

پانچواں باب

طریقۂ ترجمہ اور اس کی صحت

ترجمہ کا صحیح مفہوم ایک زبان سے دوسری زبان میں کسی مواد کو تبدیل کرنا ہے۔ جس طرح عربی زبان سے کسی بھی دوسری زبان میں تبدیلی کا عمل تعجیم کہلاتا ہے۔ اور اس کا عکس تعریب کہلاتا ہے اس طرح ترجمہ کا لفظ ایک عام لفظ ہے جو تعریب اور تعجیم دونوں پر منطبق ہوتا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ترجمہ کا لفظ فارسی زبان سے ماخوذ ہے۔ فارسی میں تراجومان کا لفظ ملتا ہے لیکن جدید تحقیقات سے یہ بات منکشف ہوئی ہے کہ لفظ آرامی فعل ''ترجم'' سے مشتق ہے۔ اس کا مطلب ہے نصیحت یا تشریح۔ عبرانی لفظ ترجوم بھی آرامی زبان سے مشتق ہے۔ مؤرخ مسعودی کا بیان ہے کہ عراق میں بنی اسرائیل کے پاس ایک زبان ہے جس کو وہ ترجوم کہتے ہیں۔

اس زبان میں وہ عبرانی تورات کی تفسیر کرتے ہیں[1]

اس سلسلے میں صاحب المنجد لکھتے ہیں۔

"مترجمه الكلام. فسّره بلسانٍ آخر فهو تَرجُمانُ وتُرجُمَانُ ويقال ترجمه بالتركيته اى نقله الى اللسان التركى، وترجمه عنه اوضح امره"[2]

کلام کا ترجمہ مطلب ہے کسی دوسری زبان میں اس کی تشریح، تشریح کرنے والا ترجمان کہلاتا ہے یا ترجمان۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے کہ فلاں نے ترکی میں ترجمہ کیا یعنی ترکی

زبان میں مواد کو نقل کیا اور اس نے اپنے بارے میں ترجمہ کیا یعنی اپنی بات کی وضاحت کی۔

اور صاحب القاموس المحیط لکھتے ہیں۔

"الترجمانُ کعنفوانٍ وزعفرانٍ المفسرللسان وقد ترجَمهُ عنهُ والفعلُ یدلُ علی اصالته التاء۔"[3]

''ترجمان عنفوان اور زعفران کے وزن پر ہے۔ اس کا مطلب ہے کسی زبان کی وضاحت کرنے والا اس کا ترجمہ کیا اور اس کے بارے میں ترجمہ کیا، فعل کے وزن سے ظاہر ہے کہ ''ت'' اس میں اصلی ہے۔''

ترجمہ نگاری کا کام ایک بہت اہم کام ہے اور اس کی فنی اہمیت ہے اس سلسلے میں الفاظ کے انتخاب کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ ترجمہ کے کام کے لیے ضروری ہے کہ مترجم ان تمام باتوں سے مزین ہو جن کا مطالبہ مترجم سے کیا جاتا ہے یعنی مستعمل لغات کے میدان میں اس کی معلومات وسیع ہوں، ثقافت وسیع ہو، فکر روشن اور ناقدانہ ہو، ذوق ستھرا ہو اسی طرح حافظہ قوی ہو اور لغوی شعور کا مالک ہو۔ ایک مترجم کے لیے ضروری ہے کہ اس کا بیان اس کے علم کی طرح وزنی ہو۔ اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا بیان اس کے علم کی طرح وزنی ہو اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جس زبان کا وہ ترجمہ کر رہا ہو اس کی عبارت کا مفہوم ذہن نشین کر لے اور ترجمہ کی زبان کے قالب میں اسے ڈھال دے تاکہ مفہوم زیادہ سے زیادہ واضح ہو سکے، کیفیت کے اعتبار سے علمی ترجمہ کے لیے چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

(1) جس زبان سے ترجمہ کیا جا رہا ہے اس میں مترجم کی مہارت۔

(2) جس زبان میں ترجمہ کیا جا رہا ہے اس میں مترجم کی مہارت۔

(3) علمی ترجمہ کے موضوع میں تخصص۔

(4) تجربہ جس میں مترجم کو برتری حاصل ہو۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ چاروں شرائط ہمیشہ مترجم میں نہیں پائے جاتے اس لیے بعض ترجمہ شدہ علمی کتابوں میں لغوی کمزوری، تعبیر میں ڈھیلا پن اور علمی اصطلاحات کو بیان کرنے میں پریشانی پائی جاتی ہے، ممکن ہے ان سب کا سبب وسائل کی کمزوری ہو۔ دور عباسی کے تراجم میں بھی اس قسم کی خامیاں ملتی ہیں کیوں کہ حنین بن اسحٰق ان مترجمین میں ایسا واحد شخص تھا جو عربی ثقافت

سے گہرا تعلق رکھتا تھا۔

ترجمہ کے سلسلے میں علمی اصطلاحات کی بہت بڑی اہمیت ہے۔ قدیم علوم کے عربی میں ترجمہ کے کام نے علمی اصطلاحات کی ضرورت کو واضح کر دیا۔ کیوں کہ اشخاص اور معانی کے اظہار کے لیے اصطلاحات کی ضرورت تھی، ہزاروں علمی اصطلاحات ترجمہ کی زبان میں داخل ہوئیں جن میں عربی الفاظ کے ساتھ غیر عربی معرب الفاظ تھے۔ یہ اصطلاحات عربی زبان میں داخل ہو کر اس کے الفاظ سے گھل مل گئیں یہ سب عربوں کی قدیم ڈکشنریوں میں پائی جاتی ہیں۔ یہ اصطلاحات قدیم علوم کو بیان کرنے کی قدرت رکھتی ہیں۔ انھیں کی وجہ سے عربی زبان ایک علمی زبان بن گئی اور آج بھی جدید علوم کو بیان کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

ترجمہ ایک ایسا اہم کام تھا جس کی بنیاد پر انسانیت کو بہت کچھ حاصل ہوا کیوں کہ عربی زبان کے توسط سے قدما کے علوم ساری دنیا کے سامنے منظرِ عام پر آنے کا موقع ملا اور اس کے علاوہ بے شمار بیش قیمت اکتشافات بھی منظرِ عام پر آئے۔ یہ ترجمہ ہی اکتشافات اور اصطلاحات کو مزید آگے بڑھانے اور علمی کاموں کو مزید اجاگر کرنے میں بہت بڑا ہتھیار ثابت ہوا۔ اس لیے ترجمہ کی اہمیت جس طرح پہلے تھی اس طرح ہر زمانے میں برقرار رہے گی۔

الغرض ترجمہ ایک ایسا کام ہے جس کے ذریعہ مافی الضمیر کی ادائیگی کی جاتی ہے۔ دور اموی میں مختلف مواد کی منتقلی کا کام شروع ہو چکا تھا۔ کیوں کہ مسلمان تہذیب وتمدن میں تیزی کے ساتھ ترقی کی منزل پر گامزن تھے اور تمدن کی ترقی علمی ترقی کو چاہتی ہے مگر چوں کہ یہ دور دورِ استقرار نہیں کہا جا سکتا اور یہ خالص عربی حکومت تھی اور عرب ابھی سادہ زندگی کے مرحلہ ہی میں تھے اس لیے علوم کے تراجم میں لوگوں نے زیادہ سرگرمی نہیں دکھائی۔ ایک وجہ اور تھی، مسلمان شرعی علوم میں منہمک تھے اور ان کا زیادہ وقت انھیں علوم میں صرف ہوتا تھا اس لیے علمی ترجمہ کی رفتار سست رہی دورِ عباسی میں علوم کے تراجم کا کام انتہائی عروج کو پہنچ گیا۔

علوم کی منتقلی میں سریانی زبان اور سریانی علما کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اسلام سے قبل الرہا شہر سریانیوں کا تہذیبی مرکز تھا جو انطاکیہ کے مقابلہ میں تھا اور ہیلینی دور میں یونانیوں کا ثقافتی مرکز بھی تھا اسی دور میں سریانی زبان کا غلبہ دوسری زبانوں پر ہو گیا۔

نسطوری نصاریٰ مبلغین کی شکل میں ایشیائے کوچک اور جزیرۂ عرب کی اطراف میں

پھیلے ہوئے تھے۔ اسی دور میں شام کے اندر رومی حکومت قائم تھی گرجا گھروں میں یونانی زبان استعمال ہوتی تھی۔ چوں کہ یہ زبان نوآبادکاروں کی زبان تھی اس لیے سریانی لوگ اس زبان کو اجنبی سمجھتے تھے۔ اور اپنی قومی زبان سریانی سے محبت کرتے تھے اور مسیحی مذہب کے احکامات کو اسی زبان میں یاد کرتے تھے جس قدر علوم کا ذخیرہ موجود تھا اس کو وہ اسی زبان میں منتقل کرنے لگے تاکہ دینی اعتبار سے اور علمی اعتبار سے بھی وہ ممتاز ہو جائیں۔ یہی سریانی زبان علمی تراجم کا بہت اہم وسیلہ بن گئی اسی زبان کے توسط سے علوم و فلسفہ متمدن دنیا کے ہر خطے میں اشاعت پذیر ہوئے اور یونانی حکومت کے باہر فارسی شہنشاہیت تک اس کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ اس طرح نسطوری اور یعقوبی سریانیوں نے ترجمہ کے ذریعہ یونانی علوم و فلسفہ کو سریانی نسخوں کے توسط سے عالم عربی کی طرف بھی منتقل کیا۔

ترجمہ کے سلسلے میں سریانیوں اور سریانی زبان کی بڑی اہمیت بھی ہے کیونکہ علوم یونان سے سریانیوں کا تعلق بہت گہرا ہے۔ انھوں نے یونانی علوم کو ترجمہ کے ذریعہ سریانی زبان میں منتقل کیا اور دورِ عباسی میں بھی یہی لوگ علوم کی منتقلی میں پیش پیش تھے۔ اسلام سے قبل ترجمہ کے دو اسکول قائم تھے۔ دونوں کا طریق کار ترجمہ کے سلسلے میں مختلف تھا۔

(1) مدرسہ انطاکیہ: یہ اسکول لفظی ترجمہ پر زور دیتا تھا۔ اور ترجمہ میں تشریحی عبارت کو بڑھانے کی تائید نہ کرتا تھا بلکہ حاشیہ پر توضیحی عبارت درج کرنے کا قائل تھا اسی وجہ سے اس اسکول کے ماتحت جو تراجم ہوئے ان پر تشریحی حاشیہ اور ملحوظات کثرت سے ملتے تھے، نسطوری سریانی علما کے نزدیک یہی طریقہ اہم اور قابل قبول تھا۔

(2) مدرسہ اسکندریہ: یہ اسکول تشریحی ترجمہ پر زور دیتا تھا اس اسکول کے ماتحت مترجمین نص سے اشارات کا پتہ لگاتے تھے اور ترجمہ میں ان اشارات کی مدد سے توضیحی عبارات کا اضافہ کیا جاتا تھا۔

عباسی دور میں جب تہذیب و تمدن نے بے انتہا ترقی کی اور عروج کو پہنچ گیا تو علمی کارناموں کی بھی ترقی ہوئی اور انسانیت کا یہ گرانمایہ سرمایہ انسانی دنیا کے سامنے پیش کرنے کا کام مسلمانوں نے اپنے ہاتھ میں لیا یہ انتہائی اہم کام تھا اور اس اہم کام کو انجام دینے کے لیے مسلمانوں نے بے انتہا کوششیں صرف کیں۔ ان علوم کی منتقلی میں انھوں نے اپنے مال و دولت کو

بے دریغ پانی کی طرح بہایا اپنے بیش بہا خزانوں کے منہ کھول دیے اور دوسری زبانوں میں علمی سرمایہ جو کچھ موجود تھا اس کو عربی زبان میں بڑی جدوجہد کے بعد دنیا کے سامنے پیش کیا جس کی اہمیت کا اعتراف تاریخ کے ہر دور میں اہلِ علم نے کیا ہے اور موجودہ دور میں بھی اس کی اہمیت برقرار ہے۔

اسلام سے قبل نسطوری اور یعقوبی عیسائیوں نے سریانی زبان میں یونانی علوم کو منتقل کیا تھا۔ اسلام کے بعد یہی زبان علوم کی منتقلی کا ذریعہ بنی اور اس زبان سے عربی زبان میں بے شمار کتابوں کے تراجم ہوئے۔ اسلام سے قبل چوں کہ نصاریٰ ہی علوم کے محافظ تھے اسی لیے اسلامی عہد میں جب علوم کی منتقلی کا کام شروع ہوا تو عیسائی مترجمین کی تعداد زیادہ ہی رہی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ سریانی نصاریٰ کی تعداد مترجمین میں سے زیادہ تھی کیوں کہ سریانی لوگ دورِ قدیم میں یونانی علوم کے وارث تھے۔

احمد امین لکھتے ہیں۔

"قـام اليونـانيونَ بنشر السفة اليونانيتهِ وخَاصَتة مذهب الافلاطونيتهِ الحديثه فی العراق ومَاحَولَهُ واخذ واينقُلُونَ الكتب اليونانيته الی لغتهم السريانيه وهی إحدی اللُغات الآراميته إنتشرت فيما بين النهرين والبلاد المجاوره لها۔[5]

یعنی یونانی فلسفہ کی نشر و اشاعت میں سریانیوں کا اہم کردار رہا ہے اور خاص کر عراق اور اس کے اردگرد کے علاقوں میں جدید افلاطونیت کی اشاعت بھی انھیں کی کدوکاوش کی مرہونِ منت ہے۔ بہت سی یونانی کتابوں کو انھوں نے سریانی میں منتقل کیا۔ یہ زبان آرامی زبان کی ہی شاخ تھی جو جزیرۂ فراتیہ اور آس پاس کے علاقوں میں مستعمل تھی۔

اسی وجہ سے دورِ اسلام میں بھی سریانی نصاریٰ ترجمہ کے کام میں پیش پیش رہے۔ ترجمہ کے سلسلے میں جیسا کہ روایتی اسکولوں کے ماتحت اشارہ کیا گیا یہ دو طریقے استعمال کرتے تھے۔

(1) لفظی ترجمہ کا طریقہ: اس طریقہ میں ہر لفظ کے ترجمہ کی کوشش کی جاتی تھی اور اصل میں جو لفظ ہوتا تھا اس کے ہم معنی الفاظ ڈھونڈ کر لفظی ترجمہ کیا جاتا تھا۔ مثلاً یوحنا بن بطریق نے ترجمہ کے سلسلے میں یہی طریقہ استعمال کیا اس ترجمہ میں کچھ مشکلات بھی درپیش تھیں کیوں کہ

ہر لفظ کے مقابلے میں تمام خصوصیات کے لحاظ سے ہم معنی لفظ ملنا بہت ہی مشکل ہے اس کے علاوہ لفظی ترجمہ سے مطلب اچھی طرح واضح ہی نہیں ہوتا اور ترجمہ کا مطلب جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا گیا کسی مواد کو واضح کرنا ہوتا ہے اور لفظی ترجمہ میں یہ مقصد پورا نہیں ہوتا اس لیے لفظی ترجمہ کا طریقہ زیادہ مقبول نہ ہوسکا۔

(2) توضیحی ترجمہ کا طریقہ: اس طریقے کے بموجب پوری عبارت کو ذہن نشین کر کے اس کا مطلب دوسری زبان میں شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا جاتا تھا۔ اس طریقے میں خوبی یہ تھی کہ ادائے مطلب بہت عمدہ طریقے سے ہوتا تھا اور قاری کو ترجمہ بخوبی سمجھ میں آ جاتا تھا۔ مثلاً حنین بن اسحاق نے یہی طریقہ ترجمہ اختیار کیا تھا بلکہ یہی اس طریقہ کا موجد تھا، بعد میں لوگوں نے اسی کی تقلید کی۔ اس طریقہ ترجمہ میں اصلاح کی زیادہ ضرورت نہیں ہوتی ...... لیکن پہلے طریقے میں اصلاح کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً ثابت بن قرۃ ترجمہ سے زیادہ اصلاح کا کام کرتا تھا۔

چوں کہ بہت سے مترجمین نے پہلا طریقہ اختیار کیا تھا اس لیے بہت سی اصلاح طلب باتوں کو دوسرے مترجمین نے سامنے رکھ کر عربی ترجمہ کو واضح کرنے کی کوشش کی۔ ابن بطریق کے ترجمہ میں دشواری یہ تھی کہ ہر یونانی لفظ کا بدل ملنا مشکل تھا اس وجہ سے تراجم میں بہت سے یونانی الفاظ بعینہٖ برقرار رہے، اس کے علاوہ چوں کہ دونوں زبانوں کے محاورات اور جملوں کی ساخت میں فرق ہوتا ہے اس لیے اس فرق سے جو لوگ اچھی طرح واقف نہیں تھے انھوں نے ترجمہ کو مشکل بنا دیا اور اس میں تعقید پیدا ہوگئی۔ اس لیے حنین نے ترجمہ کے سلسلے میں ایک نیا طریقہ ایجاد کیا جس کی بنیاد پر ترجمہ تعقید لفظی و معنوی ہر طرح سے آزاد ہوگیا اور قاری کے لیے اس کا سمجھنا سہل ہوگیا۔

احمد امین لکھتے ہیں:

"وقدنَقدَ حنين ، الترجمة نقلةً جديدةً لاتقانهِ للغات المختلفة فكان العلماء يُدرِكونَ الفرق الكبيرَ بينَ ترجمةُ حنين وَمَا تُرجمه قَبلَهُ قدكانت ترجمته حنين وَافيةً وقفيتة وترجمه ومِن قبله عليتة سقيمَتة"[6]

یعنی حنین نے ترجمہ کو ایک نئی شکل دی کیوں کہ وہ مختلف زبانوں میں مہارت رکھتا تھا اہل علم حنین کے تراجم اور اس کے قبل جو تراجم ہوئے ان میں بہت بڑا فرق محسوس کرتے ہیں کیوں

کہ حنین کا ترجمہ مکمل اور باریک بینی پر مبنی ہے اور اس سے قبل کا ترجمہ کمزور اور لچر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سریانی تراجم میں بہت سی خامیاں موجود ہیں، ان میں سے دو کا تذکرہ عموماً مولفین نے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔

یہ تراجم بالکل ترجمہ ہی ترجمہ تھے ان میں ایجاد واختراع کا کوئی دخل نہیں تھا اور نہ جدید نظریات وخیالات پیش کیے گئے تھے بلکہ ہو بہو قدیم کتابوں کو نقل کر کے رکھ دیا تھا ایک طرح سے یہ امانت داری کہی جاسکتی ہے کیوں کہ مترجمین نے اپنی علمی دیانت داری کو سامنے رکھ کر ایجاد و اختراع کو دخل نہیں دیا بلکہ قدیم علوم کا سرمایہ جوں کا توں ہمارے سامنے رکھ دیا۔ اس سلسلے میں احمد امین لکھتے ہیں۔

"کان هوء لاءِ السریانیون ینقلُونَ العلوم الیونانیته برقة وامانتهٍ فیمالمْ یمس الدین کالمنطق والطبیعةَ والطبَ والریاضةَ امااللالٰهیات ونحوها فکانت تعدل بما یتفقُ والمسیحیته حتی تقد حَولوا افلاطون فی کتابتهم الی راهبٍ شرقی۔ وهذه هی الطریقة التی سلکها المسلمون بعدُ فقد اغفلُوامن الالٰهیات کثیراً مما یخالف تعالیم الاسلام۔"(7)

یعنی سریانی لوگ علوم یونان کو باریک بینی اور امانت داری سے منتقل کرتے تھے خاص طور پر جن علوم کا تعلق دین سے نہیں ہوتا تھا ان میں تغیر کو دخل نہیں دیتے تھے، مثلاً منطق، طبیعات، طب اور ریاضیات میں تبدیلی نہیں کرتے تھے لیکن الٰہیات میں مسیحی مذہب کے مطابق اصلاحات کی جاتی تھیں یہاں تک کہ انھوں نے اپنی کتابوں میں افلاطون کو ایک مشرقی راہب کی شکل دے دی۔ اسی طریقے کو مسلمانوں نے بھی استعمال کیا اور اسلام کے خلاف تعلیمات کو الٰہیات کے سلسلے میں نظرانداز کر دیا۔

(2) دوسرے یہ کہ تراجم دقت نظری کے ساتھ نہیں کیے گئے تھے بلکہ ان میں تغیر اور تحریف واقع ہوا تھا، مؤلف تاریخ الحکماء الٰہیات کے علاوہ ارسطو کی تصانیف میں تحریفات کا قائل ہے وہ لکھتے ہیں:

''مقام افسوس ہے کہ جن حضرات نے تصانیف ارسطو کو یونانی، سریانی، رومی، فارسی اور عربی زبان میں منتقل کیا ہے انھوں نے قدم قدم پر تحریف سے کام لیا ہے۔

ارسطو کا مطلب کچھ تھا اور ترجمہ کچھ کردیا۔ ابونصر فارابی اور ابن سینا صرف دو ایسے بزرگ ہیں جنھوں نے ارسطو کے خیالات نہایت دیانت داری سے بیان کیے۔[8]

اس کا مطلب یہ ہے کہ سریانی تراجم میں مترجمین عموماً حذف و اضافہ سے کام لیتے تھے لیکن جیسا کہ احمد امین نے لکھا ہے یہ حذف و اضافہ الٰہیات کے سلسلے میں تھا اور تمام علوم میں اس کو دائر تسلیم نہیں کیا جاسکتا اور قفطی کی عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ الٰہیات کے علاوہ دیگر تصانیف میں مترجمین عموماً حذف و اضافہ سے کام لے کر اصلاحی ترجمہ کا طریقہ اختیار کرتے تھے۔

صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں کہ جن کتابوں کے ترجمے کیے گئے ان کی عبارت میں اصالت باقی نہیں رہی کیوں کہ ان ترجموں میں جیسا کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرتے وقت ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ نہایت کثرت سے تحریفات واقع ہوئیں۔[9]

ان تحریفات کا مطلب بھی یہی ہونا چاہیے کہ ان تراجم میں حذف و اضافہ سے کام لیا گیا تھا اور عبارت کو نقل کرنے میں پوری دیانت داری کو اختیار نہیں کیا گیا تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ان تحریفات کے ساتھ جو ترجمے کیے گئے تھے وہ مبہم تھے اور باہم ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ اس سلسلے میں مولف تاریخ فلسفۂ اسلام لکھتے ہیں۔

''شامیوں بالخصوص سرجیس راسعینی کے ترجمے بالعموم صحیح ہوا کرتے تھے خصوصاً اخلاقیات اور مافوق الطبیعات کی کتابوں کی بہ نسبت منطق اور سائنس کی کتابوں کے ترجمے اصل سے زیادہ مطابقت رکھتے تھے ان کتابوں میں بہت سے غیر واضح مقامات تھے جو غلط سمجھے گئے یا سرے سے چھوڑ ہی دیے گئے اور بہت سے وثنی عقائد تھے جن کی جگہ مسیحی عقائد لکھ دیے گئے۔[10]

حقیقت یہ ہے کہ سریانی تراجم میں خامیاں موجود تھیں اور خامیاں عربی تراجم میں بہت حد تک دور کردی گئیں اور مسلمانوں نے زیادہ صحت وضاحت اور دقت نظری کے ساتھ یونانی علوم کے تراجم کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور ایجاد و اختراعات بھی کیے اس سے بڑھ کر یہ کہ مسلمانوں نے یونانی علوم وفنون پر تنقیدی نگاہ ڈالی اور متکلمین نے منطقی اصول وقواعد پر اعتراضات کیے۔ بہرحال دور اسلام میں علوم یونان کا ترجمہ اسلام کے سایہ میں اور خلفا کی نگرانی میں انجام پاتا رہا۔ عربوں نے یونان کے تہذیبی ورثہ کو حاصل کرنے کی منظم کوشش کی، اس منتقلی کے کام میں مترجمین بہت مشکلات سے دوچار ہوئے کیوں کہ ان کے پاس ڈکشنریاں موجود نہیں تھیں۔

لیکن ان فاضل مترجمین نے اپنی مشکلات کوحل کرنے کے لیے کئی طریقے اختیار کیے ان میں سے کچھ طریقے حسب ذیل ہیں۔

(1) اصل الفاظ کا مناسب ترجمہ کرلیا۔

(2) ان کومعرب بنالیا۔

(3) شہرت کی بنا پر بعض الفاظ کواصلی شکل میں باقی رکھا۔

عربی زبان بہت وسیع زبان ہے اور اس زبان میں وضع اصطلاحات بہت سہل تھا، عربی زبان کے بارے میں صاحب طب العرب لکھتے ہیں۔

عربی دماغ ایک روشن دماغ اور عرب ذہانت حقیقی ذہانت ہے،عربی پرزور اور مردانہ زبان ہے جس میں ہر حیثیت سے الفاظ کا ذخیرہ موجود ہے۔قدیم عرب مناظر قدرت کا مطالعہ کرتے تھے اور ان تمام چیزوں کے لیے جو ان کی نظر سے گذرتی تھیں،عربی میں بہترین اور موزوں ترین الفاظ تھے۔عربوں کو یونانی عربی میں ترجمہ کرنے کے لیے بسا اوقات جدید اصطلاحات وضع کرنی پڑیں، اس کے لیے اصل یونانی الفاظ کا عربی میں ترجمہ کردیا گیا یا یونانی الفاظ کومعرب بنالیا گیا، یونانی الفاظ کواصلی صورت میں رہنے دیا گیا۔''[11]

الغرض تراجم کے سلسلے میں مترجمین عموماً دوطریقوں کی اتباع کرتے تھے،ایک ترجمہ لفظی اور دوسرا ترجمہ توضیحی کا کام سریانی زبان میں بہت سرگرمی سے انجام پاتا رہا اور دور اسلام میں ان ترجموں سے مدد لے کر عربی زبان میں بہترین تراجم پیش کیے گئے۔سریانی تراجم کے بارے میں ایم یوگنن کے حوالے سے ای۔جی براؤن لکھتے ہیں:

''میں یہ کہنے کی جرأت نہیں کرتا کہ سریانی زبان میں واضح تراجم مفقود ہیں لیکن یہ کہنے کی ضرور جرأت کرتا ہوں کہ اکثر سریانی تراجم میں انداز بیان درست نہیں اور عبارت میں تعقید ہے،الفاظ کوصحیح ڈھنگ سے استعمال نہیں کیا گیا کیوں کہ سریانی مترجمین لفظی ترجمہ پر زور دیتے تھے تاکہ یونانی متن ہو بہو پیش کیا جاسکے۔بعض اوقات سریانی مترجمین مشکل عبارت پیش آنے پر ہر یونانی لفظ کے بالمقابل سریانی لفظ رکھ دیتے تھے اور بعض اوقات یہ مترجمین یونانی الفاظ و اصطلاحات کوسمجھنے کی قدرت نہ رکھنے پر سریانی حروف میں یونانی عبارت کولکھ دیتے تھے۔''[11]

اس کے برخلاف عربی تراجم میں ضبط و احتیاط کو بہت زیادہ کام میں لایا گیا تھا،بعض

دفعہ مترجمین ترجمہ کرتے وقت کئی یونانی نسخوں میں تقابل بھی کیا کرتے تھے۔ عربی زبان چوں کہ ایک وسیع زبان تھی اس لیے ترجمہ کرتے وقت کسی قسم کی دقت وصعوبت کا احساس نہیں ہوا۔ صرف مترجم کی علمی استعداد اس سلسلے میں اہمیت کی حامل تھی۔

اس سلسلے میں علامہ شبلی لکھتے ہیں:

''ترجموں کی صحت اور غلطی کا ہم مجتہدانہ فیصلہ نہیں کرتے لیکن یہ امر صاف نظر آتا ہے کہ مسلمانوں نے ترجمہ کو اصل زبان سے آزاد کر دیا تھا...... منطق فلسفہ ہیئت ہندسہ اور طب میں سینکڑوں ہزاروں اصطلاحی الفاظ تھے لیکن ان سب کے مقابل میں عربی کے ایسے مناسب الفاظ انتخاب کیے گئے کہ گویا یہ علوم اسی زبان میں پیدا ہوئے تھے۔''[13]

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ عربی تراجم ہر اعتبار سے مکمل تھے اور ان میں کسی قسم کی خامی نہیں تھی۔ ابن ابی اصیبعہ نے ان تراجم کی خامیوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سریانی کے علاوہ دیگر زبانوں میں بھی علوم موجود تھے اور حکمت واخلاق کا وافر ذخیرہ ان میں پایا جاتا تھا۔ دورِ عباسی میں جب علوم کی منتقلی کا مسئلہ درپیش آیا تو سب سے زیادہ توجہ یونانی اور سریانی زبانوں کی طرف دی گئی کیوں کہ انھیں دو زبانوں میں علم کا سرمایہ سب سے زیادہ موجود تھا اور مسلمانوں نے بڑی عرق ریزی سے بذریعہ ترجمہ عربی زبان میں ان علوم کو منتقل کیا اور اس طرح یہ زبان علم سے مالا مال ہوگئی۔ فارسی زبان بھی ایک ترجمہ کی زبان تھی کیوں کہ تاریخ اخلاقیات کا وافر ذخیرہ اس میں بھی موجود تھا اور انھیں شعبوں سے متعلق کتابوں کے تراجم عربی زبان میں کیے گئے۔

اور اس سلسلے میں ابن المقفع حسن بن سہل، جبلہ بن سالم وغیرہ نے بیش بہا خدمات انجام دیں۔ یہ تراجم پہلوی زبان سے عربی میں ترجمہ کرتے وقت خوبصورتی سے فارسی کی اصطلاحات عربی میں منتقل کی گئیں۔ اس قسم کی اصطلاحات زردشتیوں کے دساتیر میں موجود تھیں مترجمین نے فارسی سے ترجمہ کرتے وقت ان اصطلاحات کو عربی کا جامہ پہنایا جن کا اندازہ حسب ذیل نقشہ سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔

نمونۂ اصطلاحات فلسفہ وطب وغیرہ

پہلوی	عربی	پہلوی	عربی

کسی	تشخص	زنجیر	تسلسل
نوشدہ	حادث	آئیغ	حقیقت
فروزہ	صفت	جاشناس	فصل
پرتوی	اشراقی	رہبر	دلیل
رہبری	مشائی	ہماوی	کلی
برین فرہنگ	الٰہیات	پازتازی	جزوی
مایہ	ہیولیٰ	اوچیز	ہویت
پیکر	صورت	چارآمیزہ	اخلاط اربعہ
شایستہ ہستی	ممکن الوجود	بازگیر	اعتراض
بایستہ ہستی	واجب الوجود	جنبش شمپوری	حرکت قسری
تخمیس اندازخرد	بالبداھۃ	آتشکیوہ	مرکب
چرخہ	دور	کاموس	بسیط

یونانی ولاطینی الفاظ عربی ترجموں میں خال خال اب بھی موجود ہیں مثلاً اصطلاحات طبی میں کیموس، کیلوس، مالیخولیا، تریاق، نقرس قولنج وغیرہ۔ لیکن یہ تمام الفاظ اس بات کی یادگار ہیں کہ ان علوم کا ماخذ یونان ہے۔[14]

حواشی:

1. المسعودی، التنبیہ والاشراف، ص 49 طبع القاہرہ 1938ء۔
2. معلوف یسوعی، المنجد، ص 6 الطبعۃ الحادیۃ والعشرون طبع بیروت 1973ء۔
3. مجد الدین فیروز آبادی، القاموس المحیط، الجزء الرابع، ص 118۔ والطبعۃ الاولیٰ بیروت 1952ء۔
4.
5. احمد امین، فجر الاسلام، ص 130، الطبعۃ الرابعۃ عشرہ القاہرہ 1986ء۔
6. احمد امین ضحیٰ الاسلام الجزء الاول ص 302، الطبعۃ الثالثۃ القاہرہ 1938ء۔
7. احمد امین فجر الاسلام، ص 131، الطبعۃ الرابعۃ عشرہ القاہرہ 1986ء۔
8. القفطی، تاریخ الحکما، ص 85 طبع دہلی 1945ء۔
9. حاجی خلیفہ، کشف الظنون، الجزء الاول، 449 طبع اول دار الفکر بیروت 1982ء۔
10. دو بوئر، ٹ، ج، تاریخ فلسفۂ اسلام (مترجم ڈاکٹر عابد حسین) (اردو ترجمہ) ص 22 طبع اول دہلی 1972ء۔
11. ایڈورڈ۔ جی براؤن، عربین میڈیسن، ص 34، طبع دوم لاہور 1969ء۔
12. ایڈورڈ۔ جی براؤن، عربین میڈیسن، ص 34، طبع دوم لاہور 1969ء۔ (اردو مترجم حکیم سید احمد شبیر واسطی)
13. علامہ شبلی، رسائل، ص 194، طبع علی گڑھ 1998ء۔
14. علامہ شبلی، رسائل، ص 195، طبع علی گڑھ 1898ء۔

چھٹا باب

عہد مامون تک عربی تراجم کی تاریخ

عرب دنیا اسلام سے قبل جہالت کے اندھیرے میں پڑی ہوئی تھی یہاں تک کہ خدا کی رحمت نے عربوں کو براہِ راست اور ساری دنیا کو بالواسطہ اپنی آغوش میں لے لیا اور 622ء میں نورِ اسلام کی کرن پھوٹی جس سے ساری عرب قوم جاگ اٹھی، پھر بیداری کی روشنی میں تہذیب وتمدن کے میدان میں بھی اس نے زبردست پیش قدمی کی اور دنیا کے مختلف گوشوں میں شمع ہدایت کو لے کر سیلِ رواں کی طرح باطل کے خس وخاشاک کو بہاتی چلی گئی اور عرب جزیرۂ عربیہ سے نکل کر مختلف قوموں اور ثقافتوں سے مختلط ہو گئے۔

عرب جس وقت جزیرۂ عربیہ سے نکلے اس وقت طبعیات سے متعلق ان کو تھوڑا سا علم حاصل تھا اور علم طب سے ان کو کم واقفیت تھی وہ جزیرۂ عربیہ سے نکل کر مختلف قوموں سے ٹکرائے اور مختلف اقوام کے علوم کی طرف انھوں نے توجہ دی۔ اس کا حقیقی سبب دورِ جاہلی کے علوم ومعرفت نہیں تھے بلکہ دینِ اسلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ چونکہ نظری علوم کا دائرہ وسیع ہو گیا اس لیے مختلف علوم کی طرف ان کی توجہ منعطف ہو گئی۔

جن قوموں پر عربوں نے فتوحات حاصل کیں ان میں طبعیات اور فلسفہ کا عروج تھا انھوں نے یونان، مصر، کلدان اور فنیقی اقوام سے ان کو ورثہ میں حاصل کیا۔ صدرِ اسلام میں

مسلمان فتوحات اور قرآن وحدیث کے مطالعہ میں اور شرعی احکامات کی تعمیل میں اس قدر منہمک تھے کہ غیر قوموں کے علوم سے وہ بالکل بے نیاز تھے۔ تمدن میں زیادہ پیچیدگی پیدا نہیں ہوئی تھی اور اسلامی فلسفہ نے ان کو دیگر اقوام کے فلسفہ سے اس طرح مصروف رکھا کہ دیگر اقوام کے علوم اور فلسفے ان کی نظر سے دور دور رہے۔ لیکن دور اموی میں چند اسباب کی بنا پر حکام اور امراء دیگر اقوام کے علوم کی طرف متوجہ ہوئے اور چہار دانگ عالم میں پھیلے ہوئے مدارس سے ان کا اتصال ہوا اور انھوں نے ان سے فیضیاب ہونے کی کوشش کی۔

اموی سلطنت کے مختلف اطراف میں طب، فلسفہ اور دیگر علوم کے مدارس قائم تھے، ان میں جندیسا پور اسکندریہ، حران کے مدارس شہرت کے حامل تھے۔

جب عربوں کی توجہ علوم وفنون کی طرف مرکوز ہوئی تو غیر قوموں کے معاشرہ اور ان کی ثقافت سے ہم آہنگ ہونے کی وجہ سے ان علوم وفنون کی تحصیل میں خاطرخواہ آسانی ہوئی، دوسری طرف عہد اموی میں شاہی محل کے اندر تعلیم یافتہ نصاریٰ مصروف عمل تھے۔

فتوحات کا دائرہ وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ عرب عجمیوں کے ساتھ سکونت پذیر ہو گئے۔ مثلاً کوفہ کے نصف باشندے تقریباً غیر عربوں پر مشتمل تھے۔ یہ لوگ مختلف صنعت وحرفت پر قابض تھے، بصرہ کے صراف سندھی قومیت رکھتے تھے۔

احمد امین لکھتے ہیں۔

"ان اکثر من نصفِ سکان الکوفتہِ کانوامن الموالی وکان ھولائِالموالی یحتکِرُونَ الحِرف والتصناَعہ والتجارةَ وکان اکثرھُم فوُساً فی جِنسھِمُ ولُغتھِمُ..... واذاکانت ھذہ الاھُم المفتوحتُ ارمی من العرب مدنیتة وخصارةَ واقوی نظماً اجتماعیتة کان من الطبیعی ان تسو مدینتھُم وحضارتھُم ونُظُممُ۔" (1)

ترجمہ: کوفہ کے نصف سے زیادہ باشندے غیر عرب تھے یہ غیر عرب باشندے صنعت حرفت وتجارت کے تنہا مالک تھے۔ اپنی قومیت اور لغت کے اعتبار سے یہ زیادہ تر فارسی قوم سے تعلق رکھتے تھے، چونکہ یہ مفتوح اقوام تہذیب وتمدن میں عربوں سے بڑھی ہوئی تھیں اور سماجی نظام بھی ان کا زیادہ قومی تھا اس لیے فطرتاً ان کا تہذیب وتمدن اور نظام غالب آگیا۔

اس طرح عرب اور عجم ایک ساتھ بستے چلے گئے۔ اس اختلاط کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں نے دوسری قوموں کی ثقافت کو جاننے کی رغبت ظاہر کی، ثقافت کے اہم مراکز میں نصاریٰ کی خانقاہیں بھی تھیں، ابتدا میں عرب سیر وتفریح کے لیے وہاں جاتے تھے لیکن یہ خانقاہیں ثقافتی، معلومات بہم پہنچانے کا اہم ذریعہ بن گئیں۔ دورِ اُموی میں عجمیوں کے ساتھ عربوں کا ثقافتی اتصال محدود نہیں تھا، بلکہ دمشق اور قسطنطنیہ کے درمیان سفارتی تعلقات قائم ہونے کے علاوہ چین تک بھی وفود پہنچے ہوئے تھے۔

مورخین نے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ کے سلسلے میں لکھا ہے کہ حاکم چین نے ان کو تحفہ تحائف پیش کیے تھے اوران تحائف میں ایک اہم کتاب بھی شامل تھی۔

بہرحال عربوں کا اتصال غیر قوموں سے گہرا ہوا اور تہذیب وتمدن کی ترقی کے ساتھ علوم سے استفادہ کی تحریک بھی زور پکڑنے لگی جس کے نتیجے میں ترجمہ کی تحریک کی ابتدا ہوئی۔ دراصل ترجمہ کی تحریک کی ابتدا حکومت بنی امیہ کے بانی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (متوفی 60ھ مطابق 679ء) کے زمانہ سے ہو چکی تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے پیش روسلاطین کی سیرت کو معلوم کرنے کے بہت زیادہ شوقین تھے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے کچھ لوگوں کو مقرر کیا تھا جو ان کے لیے ماضی کے قصوں کو پڑھ کر سناتے تھے۔

جرجی زیدان اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تاریخی کتابیں یونانی اور لاطینی زبانوں میں دستیاب تھیں، لوگ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کا ترجمہ عربی زبان میں کر کے سناتے تھے یعنی ان کا ترجمہ پہلے عربی میں موجود ہوتا تھا پھر اسی عربی ترجمے کو پڑھ کر سنایا جاتا تھا ورنہ فوری طور پر ترجمہ کر کے سنانا مشکل ہے۔[2]

خلفائے بنی امیہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بہت فراخ دل واقع ہوئے تھے اپنے دربار میں غیر قوموں کے علما اور حکما کی ہمت افزائی کی ابتدا انھوں نے ہی کی تھی۔ انھوں نے دمشق کے ایک عیسائی طبیب ابن اثال کو اپنا طبیب خاص مقرر کرلیا تھا۔ جس پر ان کو بہت بھروسہ تھا۔[3]

کہتے ہیں کہ اس طبیب نے یونانی زبان سے عربی زبان میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بعض طبی کتابوں کا ترجمہ کیا تھا اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار

میں ایک اور عیسائی طبیب ابوالحکم تھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد شہزادہ خالد بن یزید پہلا شخص ہے جس نے علوم کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ ابن الندیم لکھتے ہیں کہ خالد بن یزید (متوفی 85ھ مطابق 704ء) بنی امیہ کا مشہور فلسفی عالم و فاضل شخص تھا، علم کیمیا کا خوگر تھا، اس نے مصر سے چند یونانی فلاسفر کو اپنے پاس بلایا اور یونانی زبان میں موجود کیمیا کی کتابوں کا عربی ترجمہ کرایا۔[4]

اصطفن القدیم نے اسی شہزادہ کے لیے متعدد کتابوں کا ترجمہ کیا، عموماً ان کتابوں کا تعلق علم کیمیا سے تھا اور خالد بن یزید کے سلسلے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے یونانی منطق کی بعض کتابوں کا بھی ترجمہ کرایا۔ ان میں اور جانون کا ترجمہ عربی میں کیا گیا اور جانون منطق پر ارسطو کی کتابوں کا ایک مجموعہ ہے۔ خالد سے پہلے عرب اطبا و حکما اور علوم حکمیہ کو یونانی اور سریانی زبان سے براہِ راست حاصل کرتے تھے۔ مسلمانوں میں فن کیمیا کی تحصیل کی ابتدا اسی اموی شہزادہ سے ہوئی۔ راہب سریانوس نے بھی کیمیا کی بعض کتابوں کا ترجمہ اس کے لیے کیا۔

خالد بن یزید ایک خلیفہ کا بیٹا اور دوسرے خلیفہ کا پوتا تھا۔ آنکھ کھولی تو خاندان میں جاہ و ثروت کی فراوانی پائی، خالد بن یزید بھی اسی خاندانی جذبۂ داد و دہش کی تسکین کے لیے خلافت کا متمنی تھا۔ مگر خلیفۂ وقت کی بدنیتی سے اسے اس سے محروم ہونا پڑا۔ خوشامدی حاشیہ نشینوں نے مہوسی و کیمیا گری کا مشورہ دیا۔ مصریوں بھی نثری علوم کے لیے مشہور تھا۔ خالد نے وہاں سے کیمیا کے یونانی و قبطی ماہرین کو بلایا اور زیادہ دولت کے لالچ میں اس پر بے دریغ روپیہ خرچ کرنا شروع کیا اب اس کا مشغلہ کیمیا اور مہوسی ہی رہ گیا تھا کسی نے خالد کو اس پر ٹوکا تو جواب دیا۔

''میری غرض اس شغل سے صرف اتنی ہے کہ اپنے دوستوں اور بھائی بندوں کو روپیہ پیسے کی طرف سے مستغنی بنادوں، مجھے حصولِ خلافت کی امید تھی مگر ناکام رہا، اس کے بعد حصول مال کا میرے پاس یہی بدل رہ گیا کہ میں کیمیا گری میں دستگاہ عالی حاصل کرلوں تاکہ میرے روشناسوں میں کوئی شخص دوسروں کے آستانوں پر جبہ سائی کرنے نہ جائے۔[5]

اس سلسلے میں علامہ شبلی لکھتے ہیں۔

''خالد کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے بڑے حوصلے کے ساتھ غیر زبانوں کے ترجمے پر توجہ دی۔ اس زمانے میں فلسفہ وغیرہ کی تعلیم یونان سے منتقل ہو کر مصر آ گئی تھی۔ اور یونانی

نسل کے حکما اور اہلِ فن یہاں کے مدرسوں میں پڑھتے پڑھاتے تھے، مصر جب اسلام کے قبضے میں آیا تو وہاں کی زبان عربی ہوگئی، یہ حکما عربی زبان پڑھنے اور لکھنے پر قادر تھے۔ خالد نے ان لوگوں کو بلا کر یونانی اور قبطی زبان کی کتابوں کا ترجمہ کرایا۔[6]

اس کے بعد مروان بن حکم (متوفی 65ھ مطابق 684) کے زمانے میں ایک مشہور یہودی طبیب ماسر جویہ بصری نے اھرن کی کناش، قرابادین، کا سریانی زبان سے عربی میں ترجمہ کیا (95ھ مطابق 708ء) بعض مورخین نے ماسر جویا کو ماسر جیوس لکھا ہے۔ اس نے کناش کے مضامین میں دو مضامین کا اضافہ کیا ہے، اصل کتاب میں تیس مضامین تھے۔[7] اھرن اسکندریہ کے ان طبیبوں میں سے تھا جو دورِ ھرقلی (610-641ء) میں موجود تھے یہ کتاب یونانی زبان میں تھی پھر اس کا ترجمہ سریانی میں ہوا اور ماسر جویہ نے سریانی سے عربی میں کیا۔ یہ اھرن کی کناش جس کا ترجمہ یا تفسیر ماسر جویہ نے کی تھی، ایک بہت اہم طبی کتاب تھی جو روان کے زمانے سے شاہی کتب خانے میں محفوظ چلی آ رہی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز (102ھ مطابق 720ء) کے زمانے میں بذریعہ استخارہ عوام کے لیے اس کی اشاعت ہوئی اس سلسلے میں صاحب طبقات الاطبا لکھتے ہیں۔

"ان ماسه جويه كان فى ايامِ بنى اميته وانه توتىٰ فى الدويته المروانيه تفسير كتاب اهرن بن اعين الى العربيته الذى وجده عمر بن عبدالعزيز رحمه الله فى خزائن الكُتب فاهر ياخواجه وضعه فى مصلاهُ واستخارلله فى اخراجه الى الملمين للانتفاع به فلماتم لهُ فى ذالك اربعرن صباحاً اخرحهُ الى الناس وثبه فى ايد يهم۔[8]

ترجمہ: ماسر جویہ دورِ اموی کا حکیم تھا اور حکومت روانیہ کے دور میں ھرن کے کتاب کی شرح عربی زبان میں لکھی۔ اسی کتاب کو عمر بن عبدالعزیز نے شاہی کتب خانہ میں پایا تھا انھوں نے اس کو نکلوایا اور مصلیٰ پر رکھا اور مسلمانوں کے نفع کے لیے استخارہ کیا اور چالیس دن تک استخارہ کر کے مسلمانوں میں اس کی اشاعت کی۔

عربی میں ترجمہ کی تحریک میں سرگرمی پیدا کرنے کے دیگر اسباب بھی تھے۔ ان اسباب میں حرکت تقریب بھی ایک اہم سبب تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ مالگزاری اور خراج وغیرہ کا نظام عہدِ اموی میں سب کا سب غیر ملکی زبانوں میں قائم تھا مثلاً عراق میں فارسی، مصر میں قبطی

زبانوں میں دفتری کام ہوتے تھے اور عہدیدار عموماً مجوسی یا عیسائی تھے اسی لیے عبدالملک بن مروان (86ھ-65ھ مطابق 705-684ء) نے سب سے پہلے عراق مصر اور شام کا دفتر عربی میں منتقل کیا۔ یہ حرکت تقریب صرف سرکاری زبانوں تک محدود تھی اس کے بعد ولید بن عبدالملک اور ہشام بن عبدالملک نے اس سلسلے میں کام کو جاری رکھا اور حرکت تقریب کو درجۂ تکمیل تک پہنچایا۔

حشام بن عبدالملک (125-72ھ مطابق 742-651ء کے عہد میں حرکت تقریب کے ساتھ ساتھ علوم کے تراجم کا کام بھی ہوا۔ ھشام کا میر منشی ابوالعلا سالم مشہور صاحب قلم تھا اور غیر ملکی زبانوں میں بھی مہارت رکھتا تھا، اس نے سکندر کے نام ارسطو کے بعض رسائل کا ترجمہ عربی میں کیا۔[9]

عباسی دور کی ابتدا (749ء مطابق 132ھ) میں ہوئی یہ عہد اسلام کا عہدِ زریں کہلاتا ہے اس عہدِ زریں میں اسلامی سلطنت تمدنی معاشی اور سیاسی اعتبار سے انتہائی عروج کو پہنچ گئی تھی۔ اسی صدی میں تمام اہم اسلامی علوم نے نشو ونما پائی اس کے علاوہ دوسری زبانوں سے مختلف علوم عربی میں منتقل کیے گئے اس زمانے میں بغداد کو بہت بڑی علمی حیثیت حاصل تھی، خلفا کے دربار میں علما اطبا، شعرا اور ادیبوں کا جم گھٹا رہتا تھا۔ اس وقت عالم اسلام میں عباسیوں کی سیادت کا اثر تمام اقطار عالم پر تھا۔ اس وقت یورپ پر جہالت کا دور دورہ تھا یہاں تک کہ خود مغربی مورخین اپنے اس دور اور اس سے قبل ادوار کو قرونِ مظلمہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

عصر عباسی کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس عہد میں خلفا اور امرا دونوں علم وادب کی تحصیل میں مصروف نظر آتے ہیں۔ منصور رشید، مامون اور ان کے اقربا وزرا کے علمی مصروفیات سے ادبی وعلمی تاریخ بھری پڑی ہے ان کی زندگی کے یہ کارنامہ رعایا کے لیے بھی علمی اشتیاق کا باعث ہوئے۔ اس دور میں فکر انسانی قیود سے آزاد ہوگئی جس کی بنا پر بدعت کا اضافہ ہوا۔ اور مختلف فرقے پیدا ہوئے، مامون تمام خلفا میں مذہبی امور میں صلح جوئی کے طریقہ پر کاربند تھا، یہی وجہ ہے کہ اس نے خلقِ قرآن کے مسئلے میں معتزلہ کی تائید کی، ان خلفا میں سے منصور رشید اور مامون نے اجنبی علوم کو یونانی، فارسی، سریانی اور ہندی زبانوں سے عربی میں ترجمہ کرایا۔

عباسی دور میں ترجمہ کا کام خلیفہ منصور (متوفی (158ھ مطابق 779ء) کے زمانہ میں

شروع ہوا۔ اس خلیفہ نے جورجیس بن جبرئیل کو جوجندیسا پور کے شفاخانہ کا رئیس الاطباء تھا، طبی کتابوں کے ترجمہ پر مامور کیا اور منصور نے اپنے خاص معالج کے طور پر اس کا انتخاب کیا۔[10]
اسی طرح منصور نے ابن البطریق کو بعض قدیم کتابوں کے ترجمہ پر مامور کیا، اس نے بقراط اور جالینوس کی بعض طبی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ اسی خلیفہ کے دورِ حکومت میں ہیئت کی ایک کتاب سدھانت کو سنسکرت زبان سے عربی میں منتقل کیا۔ جس کو ہندوستان کے ایک ریاضی داں نے (154ھ مطابق 776ء) یا 156ھ مطابق 778ء میں منصور کی خدمت میں پیش کیا۔ اور اسی کتاب کی مدد سے محمد بن ابراہیم فزاری نے عربی میں ایک کتاب تیار کی جو السند الھند الکبیر کے نام سے مشہور ہوئی ان کے علاوہ یونانی، سنسکرت اور ایرانی علوم وفنون کا بڑا ذخیرہ فارسی زبان میں موجود تھا کیوں کہ اسلام سے پہلے ایرانیوں نے فارسی زبان میں منطق اور طب کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ کرلیا تھا۔ عبداللہ بن مقفع وغیرہ نے ان کا ترجمہ عربی میں کیا۔ ارسطو کی تین منطقی کتابوں میں قاطیغوریاس باری ارمیناس اورانالوطیقا کے ترجمے ہوئے منطق کی کتابوں کا یہ سب سے پہلا ترجمہ تھا جو عہدِ منصور میں کیا گیا۔[11]

اسی دور میں عبداللہ بن المقفع نے علم اخلاق کی ایک کتاب کلیلہ ودمنہ کے نام سے فارسی زبان سے عربی میں ترجمہ کیا۔ اس مترجم نے تاریخ واخلاق کی اور بھی متعدد کتابوں کے ترجمے فارسی زبان سے عربی میں کیے مثلاً کتاب التاج الادب الکبیر، الادب الصغیر اقیلدس اور طبعیات کی کتابیں تھیں جو روم کے کتب خانوں میں گمنامی کی حالت میں پڑی ہوئی تھیں، ابوجعفر منصور نے قیصر روم سے ان کتابوں کو طلب کیا تھا جنھیں پڑھ کر مسلمانوں کے دلوں میں دیگر علوم کا شوق پیدا ہوا۔

اس سلسلے میں احمد امین لکھتے ہیں۔

"فی هذا الدور ترجمة کلیلة ودمنه من الفارسیة والسندهند من الهندیة وتُرجمت بعض کُتب ارسطاطالیس فی المطق وغیره وتُرجمة کتاب المجطی می الملك و من اشهر المترجمین فی هذا الدورابن المقفع وجور جیس بن جبوئیل ویوحنا بن ماسویه وکلاهما کان طبیباً نصرنیاً و هذا الدوراتملت المعترةُ بالکتب التی تُرجمته وتاثرت ابحاثهُم بالمنطق۔"[12]

ترجمہ: اس دور یعنی دور منصور و رشید میں کلیلہ و دمنہ کا فارسی سے اور سدھانت کو سنسکرت سے اور ارسطو کی بعض منطقی کتابوں کو عربی میں منتقل کیا گیا اور فلکیات میں مجسطی کا ترجمہ ہوا۔ اس دور کے مشہور مترجمین میں ابن المقفع جورجیس بن جبرئیل اور یوحنا بن ماسویہ قابل ذکر ہیں، آخری دونوں نصرانی طبیب تھے اسی دور میں معتزلہ کا تعلق ترجمہ شدہ کتابوں سے ہوا اور اس کے مقالات منطق سے متاثر ہوئے۔

بہر حال منصور کے زمانہ میں طب، منطق، اخلاق، ہیئت و ہندسہ کی کتابوں کے ترجمے ہوئے اور یہ ایسے علوم تھے جس کا کوئی اثر مذہب پر نہیں پڑسکتا تھا اس لیے علما اسلام کی طرف سے ان پر کوئی اعتراض نہیں ہوا مگر اسی خلیفہ کے دورِ خلافت میں ایرانیوں کے قدیم مذاہب کی کتابوں کے ترجمے ہوئے جن کا اثر مذہب پر اور مسلمانوں میں زندیقیت والحاد پھیلانے کا سبب بنا۔

اس سلسلے میں مسعودی کے حوالے سے مؤلف حکمائے اسلام لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن مقفع وغیرہ نے فارسی اور پہلوی زبان سے عربی زبان میں مانی اور ابن دیسان کی کتابوں کے جو ترجمے کیے ان کی مدد سے حماد عجرد یحییٰ بن زیاد اور مطیع بن ایاس نے مانوی اور دیسانی مذاہب کی تائید میں کتابیں لکھیں جن کی اشاعت سے زندقہ اور الحاد پھیل گیا۔(13)

بہر حال منصور علم کا بہت بڑا قدرداں تھا اس نے اور طب وفلکیات کے تراجم پر سب سے زیادہ زور دیا اس کے دربار میں مختلف مذاہب کے اہل علم کا جم گھٹا رہتا تھا۔ اہل عجم کا ایک بڑا صاحب اثر شخص جو منصور کے دربار میں تھا اس کا نام نوبخت تھا، اس نے منصور کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اس کا خاندان ایک مدت تک علم وفضل کا سرپرست اور ان کی وجہ سے فارسی زبان کے بہت سے ذخیرے عربی میں منتقل ہوئے۔ ابوسہل اور حسن بن موسیٰ جو بڑے پایہ کے متکلم تھے اور جن کے یہاں مترجمین کا جمگھٹا رہتا تھا اسی نوبخت کے خاندان سے تھے۔(14)

اس کے بعد ہارون الرشید (متوفی 193ھ مطابق 809ء) خلیفہ ہوا اس نے ترجمہ کے کام کو بہت زیادہ وسعت اور ترقی دی اور ترجمہ کی تحریک کو مزید تقویت دینے کے لیے بیت الحکمت کی بنیاد رکھی۔ ان کو انقرہ عموریہ اور روم کے تمام شہروں کی فتوحات کے وقت طب کی بہت سی کتابیں ملیں، ہارون الرشید نے ان کے ترجمے کی خدمت یوحنا بن ماسویہ کے سپرد کی، اس کی ماتحتی میں بہت سے کاتبین کام کرتے تھے۔ اسی خلیفہ کے دربار کا ایک اور مشہور مترجم فضل بن

نو بخت تھا جو فارسی زبان سے فلسفہ وحکمت کی کتابوں کا ترجمہ کرتا تھا۔ اور ہارون رشید کے کتب خانہ کا مہتمم بھی تھا۔ ان کی طرف بہت سے ترجمہ شدہ کتابیں منسوب ہیں جو فارسی سے عربی میں منتقل کی گئیں۔ مثلاً (1) کتاب المو الید (2) کتاب المدخل (3) کتاب المتشبیہ والمتعید۔ وغیرہ (15)

برامکہ کی بدولت بہت سے ہندوستانی اطبا وحکما بھی ہارون رشید کے دربار میں آئے اور انھوں نے بہت سی سنسکرت کی کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں کیا۔

عہدِ ہارون کو روشن کرنے میں برامکہ کا بہت بڑا ہاتھ ہے اور بیت الحکمت کا بانی اگر چہ ہارون رشید کو کہا جاسکتا ہے لیکن اصلی معمار یحییٰ برمکی ہے کیوں کہ اس عالم وزیر کے مشورے سے ہارون رشید نے یہ محکمہ قائم کیا تھا، اس محکمہ میں یہودی عیسائی پارسی اور ہندو عالم ترجمہ پر مقرر تھے۔ جو یونانی سریانی اور سنسکرت کی کتابوں سے فنون حکمت اور قدیم یونانی طب وغیرہ کے ترجمہ کیا کرتے تھے۔ یحییٰ برمکی فارسی کتابوں کی تصنیف کی طرف زیادہ توجہ کرتا تھا لیکن دیگر زبانوں کی طرف اس کی توجہ کم نہیں تھی۔

اسی خلیفہ کے زمانے میں کچھ سیاسی اسباب کی بنا پر دارالحکومت الرقہ شہر کی طرف 180ھ مطابق 796ء) میں منتقل کیا گیا۔ اس کے وزیر یحییٰ بن خالد برمکی نے اسی شہر میں استعفیٰ دے کر علمی کاموں کے لیے فراغت حاصل کی۔

اس نے لائبریری قائم کی اور بہت بڑا علمی ادارہ بھی اس کا قائم کردہ تھا۔ اس کی ہمت سے الرقہ شہر ایک ثقافتی مرکز بن گیا۔ اس شہر میں لاکھوں درہم خرچ کر کے علما وفضلا کو بلایا جاتا تھا۔

برامکہ پر مصیبت نازل ہونے کے بعد (803ء مطابق 187ھ) میں ترجمہ کی تحریک کچھ دھیمی ہوگئی کیوں کہ ہارون الرشید نفسیاتی کشمکش میں مبتلا ہوگیا۔ مسعودی کا بیان ہے کہ برآمکہ کے بعد ہارون کے معاملات دگرگوں ہوگئے اور لوگوں کے سامنے اس کی بُری تدبیر اور سیاست کھل کر آگئی۔ (16)

بہر حال یہ خلیفہ بہت بڑا علم نواز تھا اور علما کے ساتھ اس کا سلوک بہت عمدہ تھا۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر حسن ابراہیم لکھتے ہیں۔

"اشتهَرَا الرشيدُ بحُسنِ مُعاملته العلماءِ قالَ آبُومعاويةَ الضريرُ

اَکَلتُ مَعَ الرشیدِ یوماً فصب علی یدکه الماء رجلُ فقالَ لي یا ابامعادهةَ اتدری مَن صبّ الماء علی یدِكَ ، فقُلتُ لا یا امیرالمومنین فقال انافقلت یا امیرالمومنین انت تفعدُ هذا اجلا لّا للعلمِ قال نعم۔ [17]

یعنی ہارون رشید علما کے ساتھ جن معاملے میں شہرت رکھتے تھے۔ ابومعاویہ ضریر کا بیان ہے کہ ایک دن میں نے رشید کے ساتھ کھانا کھایا، کھانے کے بعد کسی نے میرے ہاتھ پر پانی ڈالا تو رشید نے پوچھا ابومعاویہ کیا تم کو پتہ ہے کہ تیرے ہاتھ پر کس نے پانی ڈالا میں نے کہا نہیں تو رشید نے کہا میں نے ڈالا تو میں نے کہا کہ اے امیرالمومنین یہ آپ نے علم کے احترام کی خاطر کیا تو رشید نے کہا کہ ہاں۔ الغرض ترجمہ کے کام کی جو ابتدا منصور نے کی تھی اس میں رشید نے بے انتہا توسیع کی۔

اس سلسلے میں علامہ شبلی لکھتے ہیں۔

''ہارون رشید نے یونانی، فارسی، سریانی، ہندی تصنیفات کا جو ذخیرہ جمع کیا تھا ان کو منظم صورت میں رکھنے کے لیے ایک عظیم الشان محکمہ قائم کیا جس کا نام بیت الحکمت رکھا اور اس میں ہر زبان اور مذہب کے ماہرین فن ترجمہ کے کام پر مامور کیے، ان میں فضل بن نوبخت مجوسی بھی تھا۔ رشید کے دور میں فلسفہ کا بڑا سرمایہ ہاتھ آیا۔ چنانچہ رشید نے انقرہ اور عموریہ وغیرہ کو فتح کیا تو بے شمار یونانی کتابیں ہاتھ آئیں، رشید نے ان کو نہایت احتیاط سے محفوظ رکھا اور یوحنا بن ماسویہ کو ترجمہ پر مامور کیا۔

رشید نے ایک ہندی طبیب کو بھی طلب کیا تھا اور بغداد کے اسپتال کا مہتمم مقرر کیا، سنسکرت کی علمی کتابیں اسی نے ترجمہ کرائیں اس کے دربار میں دیگر ہندو طبیب بھی تھے اس طرح ویدک (آیورویدک) کی معلومات عربی زبان میں منتقل ہوگئیں۔ ان طبیبوں میں صالح بن بھلہ بھی تھا۔'' [18]

مورخین نے ترجمہ کے لحاظ سے منصور اور رشید کے عہد کو دورِ اول میں شمال کیا ہے۔ اس دور (193ھ۔136ھ مطابق 809-754ء) کے اہم مترجمین مندرجہ ذیل ہیں:

(1) یحییٰ بن بطریق

(2) جورجیس بن جبرئیل

(3) عبداللہ بن المقفع

4) یوحنا بن ماسویہ

(5) باسیل المطران

اس دور کی چند مشہور ترجمہ شدہ کتابوں کے نام حسب ذیل ہی۔

(1) کلیلہ ودمنہ

(2) الادب الکبیر

(3) الادب الصغیر

(4) کتاب الیتیمۃ

(5) تاریخ ملوک الفرس

(6) کتاب التاج

(7) السندھند

(8) المحیطی

(9) کتاب المقولات

(10) تحلیل القیاس

عہدِ مامون (218ھ ۔ 198ھ مطابق 833-813ء) شروع ہوتے ہی ترجمہ کی تحریک انتہائی عروج پر پہنچ گئی۔ یہ خلیفہ خود بہت بڑا عالم اور فاضل تھا اور علما کو مقرب کرتا تھا۔ ترجمہ کے کام میں انتہائی سرگرمی سے مصروف ہوا اپنے دور کے بادشاہوں سے تعلقات قائم کیے اور حکمائے یونان کی کتابوں کو حاصل کیا۔ ان حکما میں افلاطون ارسطو بقراط جالینوس اقلیدس اور بطلیموس سرفہرست میں، ان کے بہترین تراجم مہیا کرنے کا حکم دیا بلکہ انھوں نے مختلف وفود روم کے شہروں میں بھیجے اور حکمت کی کتابوں کو تلاش کر کے جمع کروایا پھر مالکان کتب خانہ کو ترغیب دی کہ اپنے نادر مخطوطات کو اس کے ہاتھ بیچ دیں۔ اس نے یحییٰ بن ابی منصور کو اس غرض کے لیے بلادِ روم بھیجا۔ موسیٰ بن شاکر نے بھی اسی غرض سے بلادِ روم کا سفر کیا جب یہ کتب جمع ہو گئیں تو ماہرین مترجمین کو جمع کر کے بیت الحکمت میں ان کے ترجمے کا حکم دیا۔

مورخین کا بیان ہے کہ سہل بن ہارون عہد مامون میں بیت الحکمت کا نگراں تھا۔ کچھ

دوسرے مورخین نے یحییٰ بن ابی منصور کو اس کا نگراں تسلیم کیا ہے۔ اس بیت الحکمت سے متعلق دیگر علما و فضلا بھی تھے ان میں محمد بن موسیٰ خوارزمی، فضل بن نوبخت اور شاکر کی اولاد بھی بیت الحکمت سے منسلک تھی۔

تاریخی بیان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مامون نے سسلی کے حاکم کو وہاں کے کتب خانے سے علمی کتاب بھیجنے کی درخواست کی تھی۔ حاکم نے کچھ تردد ظاہر کیا تو وہاں کے پادری نے کہا کہ ان کو بھیج دیجیے کیوں کہ یہ علوم جس قوم میں داخل ہو گئے اس کو بگاڑ دیں گے۔ حاکم نے اس کی بات مان لی اور مامون کو یہ کتابیں ارسال کر دیں۔[19]

حکمت و فلسفہ کی طرف مامون کا ذہن اس قدر مائل تھا کہ اس نے منطق کے امام ارسطو کو خواب میں دیکھا اور یہی خواب ترجمہ کی تحریک میں مزید تقویت کا باعث بنا۔ تاریخ الحکما کی زبانی اس خواب کا بیان کچھ یوں ہے۔

''مامون نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی تخت پر بیٹھا ہوا ہے جس کا رنگ سرخ و سفید ہے، آنکھیں نیلگوں اور سیاہ ہیں۔ مامون پر ہیبت طاری ہو گئی اس نے پوچھا آپ کون ہیں؟ کہا میں ارسطو ہوں، مامون بہت خوش ہوا۔ اور پوچھا کیا میں آپ سے کچھ پوچھ سکتا ہوں، اس نے کہا ہاں اس نے پوچھا حُسن کیا چیز ہے؟

کہا۔ جو عقل کو پسند آئے۔ پوچھا حسن کا دوسرا درجہ کیا ہے کہا کہ جو شریعت کو پسند آئے۔ پوچھا حسن کا کوئی اور درجہ ہے، کہا نہیں۔ پھر گذارش کی کوئی اور نصیحت فرمائیے کہا کہ رفیق سفر کو سونے کی طرح قیمتی سمجھو اور ایک اللہ کی عبادت کرو، مامون جب بیدار ہوا تو اس کے دل میں تصانیف ارسطو کی تلاش کا بے حد شوق پیدا ہوا۔''[20]

یہ خواب کا حادثہ ترجمہ اور کتب حکمیہ کی تلاش کا بہت بڑا محرک ثابت ہوا۔ مورخین کا بیان ہے کہ مامون نے شاہ روم کے ساتھ مراسلت کر کے حکمت کی کتابوں کو اکٹھا کروایا۔ اس سلسلے میں بہت سے لوگوں کو بلاد روم کی طرف بھیجا۔ ان میں حجاج بن مطر ابن البطریق اور سلما کا نام قابلِ ذکر ہے۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یوحنا بن ماسویہ بھی بلادِ روم کے وفود میں شامل تھا اس نے سب بڑے مترجم اور محقق حنین بن اسحاق کو مقرر کیا جس نے حکمت کی کتابوں کا ترجمہ بھی کیا اور اس کی اصلاح بھی کی۔ ان مترجمین کو گراں قدر معاوضہ دیا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ہر ترجمہ

شدہ کتاب کو سونے سے تولا جاتا تھا اور مترجم کو وہ سونے کی مقدار دے دی جاتی تھی اور مامون ہر ترجمہ شدہ کتاب پر اپنی علامت ثبت کرتا تھا۔

اس سلسلے میں مؤلف عصر المامون لکھتے ہیں۔

"هـذا الـعُـلُـم الـذى قيـدَ اِنَّهُ دَفَع بالمامون الى الاستهامتهِ بارسطو ومـولفات ارسطو ا وبعبادة علميته ادق۔ هذا الميدالى الفلسفة والمنطق عندَ الـمأمـون كـان مـن آثـارِه حـركتهُ نقلٍ وتاليفٍ عنيقةٌ فويةٌ ويُخَيِّدُ اِلَيفنَا اُن المامونَ لاتساع دائرةِ معارفته العامته ودغبته فى القياس العقلى، كانَ لذالِك كُلَه وامثالهِ الكبررَجُدِ عَمَلَ فى انتشارحركته المترجمته التاليف۔"(21)

ترجمہ: یعنی خواب جو مامون نے دیکھا تھا اس نے مامون کو ارسطو اور اس کی تالیفات پر فریفتہ کردیا، دوسرے لفظوں میں منطق و فلسفہ کی طرف اس کا شدید میلان ہوا جس کی وجہ سے ترجمہ و تالیف کی ایک زبردست تحریک رونما ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مامون چونکہ خود بہت بڑا عالم و فاضل تھا اور عقلیت کی طرف مائل تھا اس لیے اس نے سب سے زیادہ حکمت کے تراجم و تالیف کی تحریک کو پھیلانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

مامون نے تصنیفات ارسطو کے ترجمہ پر یعقوب بن اسحاق کندی کو مامور کیا جو مختلف زبانوں کے جاننے اور تحقیقات علمی میں بے نظیر مانا جاتا تھا۔ اس نے بیت الحکمت کے مہتمم سلما کو روم بھیجا کہ وہ اپنی پسند سے کتابیں انتخاب کرکے لائیں۔ آرمینیہ مصر شام، قبرص اور دوسرے مقامات میں بھی قاصد بھیجے کہ اسی زمانے میں قسطا بن لقا ایک عیسائی فلسفی اپنے شوق سے روم گیا اور فنون حکمت کے بہت سی کتابیں بہم پہنچائیں۔ مامون کو اس کا حال معلوم ہوا تو بلا بھیجا اور بیت الحکمت میں ترجمہ کے کام پر مقرر کیا۔ سہل بن ہارون کو جو ایک فارسی النسل حکیم تھا، اس کو مجوسیوں کے علوم و فنون کے ترجمہ کی خدمت سپرد کی۔ محمد احمد اور حسن نے جو مامون کے خاص قدیم اور موسیقی میں استاد مشہور تھے۔ روم کے اطراف میں بہت سے ایلچی بھیجے اور فنون حکمیہ کی ہزاروں کتابیں منگوائیں اور دور دراز ملکوں سے مترجم بلوائے اور بیش بہا تنخواہوں پر ترجمہ کرنے کے لیے مقرر کیا۔ جبرئیل بن بختیشوع نے (متوفی 205ھ مطابق 837ء) جو ایک عیسائی طبیب اور دربار خلافت کا بڑا رکن تھا، اس مذہبی ترجمہ کے کام میں بڑی فیاضیاں دکھائیں۔

الغرض ترجمہ کا کام بڑی سرگرمی سے عہدِ مامون میں ہوا جس کی نظیر اس سے قبل اور بعد میں نہیں ملتی۔ متعدد نامور مترجمین علوم کی منتقلی کے لیے مامور تھے۔ مثلاً حجاج بن یوسف کوفی، قسطا بن لوقاء، ابوحسان، سلما حنین بن اسحاق، سہل بن ہارون یحییٰ بن عدی، محمد بن موسیٰ خوارزمی، حسن بن شاکر، احمد بن شاکر، علی بن عباس جوہری یعقوب، کندی یوحنا بن ماسویہ، یحییٰ بن بطریق، محمد بن شاکر، یحییٰ بن ابی منصور مامون کے دربار میں مشہور مترجم اور بیت الحکمت کے مہتمم تھے۔ ان مترجمین میں سے اکثر کی تنخواہیں آج کل کے حساب سے ہر ایک کے لیے تقریباً ڈھائی ہزار روپیہ ماہوار تھیں۔(22)

بہرحال عہدِ مامون میں ترجمہ کی تحریک اپنے کمال کو پہنچ گئی اور اس مقصد کے لیے ممتاز مترجمین مقرر ہوئے۔ حکومت، فلسفہ، طب، ہندسہ، ریاضی، فلاحہ تاریخ و ادب کی کتابوں کے ترجمے ہوئے اور اس کے قبل کے دور میں بعض کتابوں کا ترجمہ دوبارہ ہوا اور اس عہد کے تراجم کا نام مامونیہ رکھا گیا تاکہ ماقبل کے تراجم سے ممتاز ہو جائے۔ جن تراجم پر مامونیہ لکھا ہوتا تھا وہ کتاب بہت زیادہ قابل اعتماد سمجھی جاتی تھی۔ یہ تحریک رکی نہیں برابر چلتی رہی اور بعد کے خلفا بھی اس تحریک میں حصہ لیتے رہے۔ اس طرح ترجمہ و مترجمین دونوں قدر و منزلت کے آسمان پر پہنچ گئے اور بعض مترجمین تو وزارت کے عہدے پر بھی فائز ہوئے۔

ترجمہ کے سلسلے میں عہدِ مامون کی سرگرمیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے۔ احمد امین لکھتے ہیں۔

"لمّاافضت الخلافتُ الی المامون بن الرشید تحمّ مابَدَآبِه جدّهُ المنصور فاقبدَ علی طلب العلمه فی مواضِعهِ والسخزجهُ من معادنهِ بفضلِ همته الشریفة وفرة نفسدالفاضِلةَ فداخد مُلوك الرّوم واتحفَهم باالهدایة الخطیرة وسالهم صلته بمالدیهم من کتب الفلا سفة فبعثوالیه مِمّا حَضَرهُمُ من کُتب افلاطون وارسلطالیس وبقراط وجالینوس واقلیدس وبطلیموس وغیرهم من الفلاسفته فاستجادَلَهُم محصَرة التراجِمتة وکلّفَهُمُ احکامَ ترجمتها فتُرجِمَت لا علی غایة ماامکن ثمّ حضّ الناس علی قراتِهَا ورغبهم فی تعلِّها فنفقتُ سوقُ العلم فی کامانه وقامت دولةُ الحکمتو فی عصرهِ۔"(23)

جب خلافت مامون بن رشید کو حاصل ہوئی تو انھوں نے اپنے دادا منصور کے کاموں کی تکمیل کی، اپنے مقامات پر علم کی تلاش کے لیے متوجہ ہوا۔ اور اس کو اپنے خزانوں سے نکالا، یہ سب کام اپنی بہترین ہمت اور عمدہ نفسیاتی قوت کے ذریعہ کیا۔ اس نے روم کے بادشاہوں سے مراسلت کی اور قیمتی تحائف پیش کیے اور بدلے میں فلاسفہ کی کتابوں کو طلب کیا۔ ان بادشاہوں نے ان کو افلاطون، ارسطو، بقراط، جالینوس، اقلیدس، بطلیموس، وغیرہ فلاسفہ کی کتابیں بھیجیں۔ مامون نے ماہر مترجمین کو اس کام کے لیے منتخب کیا اور کتابوں کا عمدہ ترجمہ کرایا۔ پھر ممکن حد تک اچھا ترجمہ پیش کیا گیا۔ اس نے لوگوں کو ان تراجم کی پڑھنے پر ابھارا اور ان کتابوں کو سیکھنے کا شوق دلایا۔ اس طرح اس کے زمانے میں علم کا بازار گرم ہوا اور فنون حکمت اس کے زمانے میں پروان چڑھے۔''

مامون کے بعد واثق باللہ اور اس کے بعد متوکل نے بھی ترجمہ کے کام کو بہت زیادہ ترقی دی۔ عباسی دور کو ترقی وتنوع کے لحاظ سے تین ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(1) پہلا دور: یہ دور منصور کے زمانے سے شروع ہوکر ہارون رشید کے زمانے پر ختم ہوا۔ اس میں صرف اخلاقی، ہیئت، منطق اور طب کی کتابوں کے ترجمے ہوئے۔

(2) دوسرا دور: مامون کے زمانے سے شروع ہوا یعنی 198ھ سے 300ھ مطابق 813-913ء تک قائم رہا اس دور میں تمام یونانی علوم وفنون کی کتابوں کے ترجمے ہوئے۔

(3) تیسرا دور: یہ 300ھ مطابق 913ء سے شروع ہوکر چوتھی صدی ہجری تک قائم رہا۔ اس دور میں ارسطو کی منطق اور طبعیات کی کتابوں کے ترجمے ہوئے اور ان کی شرحیں لکھی گئیں۔

ان تینوں ادوار میں زیادہ تر عیسائی مترجم تھے ان سے کم صائبین کی تعداد تھی اور ان سے بھی کم ہندو، ایرانی اور یہودی شامل تھے۔ مسلمانوں میں یعقوب کندی کی شہرت سب سے زیادہ ہے۔

حواشی:

1. احمد امین، فجر الاسلام، ص93، الطبعۃ الرابعہ عشرہ، القاہرہ 1986ء۔
2. جرجی زیدان تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ ج ا ص253 طبع القاہرہ 1920ء۔
3. ابن ابی اصیبعہ، طبقات الاطبا، ص116 طبع بیروت 1965ء۔
4. ابن الندیم، الفہرست، ص352، طبع لاہور 1969ء۔
5. مجلہ اسلام اور عصر جدید، جلد 6 شمارہ 3، جولائی 1974 جامعہ نگر نئی دہلی
6. علامہ شبلی، رسائل ص165، طبع علی گڑھ 1898ء۔
7. ابن الندیم، الفہرست، ص428، طبع لاہور 1969ء۔
8. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانبائی طبقات الاطبا، ص232، طبع بیروت 1960ء۔
9. ابن الندیم، الفہرست، ص114، طبع لاہور 1969ء۔
10. مولانا عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام، حصہ اول، ص64، طبع اول اعظم گڑھ 1953ء۔
11. القفطی جمال الدین، تاریخ الحکما، ص48، طبع دلی 1945ء۔
12. احمد امین، ضحیٰ الاسلام، الجزءالاول، ص244 الطبعۃ الثالثہ القاہرہ 1928ء۔
13. عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام حصہ اول، ص68 طبع اول، اعظم گڑھ 1953ء۔
14. علامہ شبلیؒ رسائل ص170، طبع علی گڑھ 1898ء۔
15. القفطی، تاریخ الحکما، ص342، طبع دلی 1945ء۔
16. المسعودی التنبیہ والاشراف، ص299، طبع القاہرہ 1928ء۔
17. الاکتور حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام، ص61، الطبعۃ اسابعہ القاہرہ 1964ء۔
18. علامہ شبلیؒ رسائل، ص173، طبع علی گڑھ 1998ء۔
19. الاکتور احمد فرید الرفاعی، مصر المامون، المجلد الاول، الطبقۃ الثانیہ، القاہرہ 1927ء۔
20. القفطی، تاریخ الحکما، ص-6، طبع دلی 1945ء۔
21. الاکتور احمد فرید الرفاعی، مصر المامون، ص378، المجلد الاول، الطبعۃ الثانیہ، القاہرہ 1927ء۔
22. علامہ شبلی، المامون، ص163، طبع دوم، اعظم گڑھ 1957ء۔
23. احمد امین، فجی الاسلام، الجزوالاول، ص283، الطبعۃ الثالثہ، القاہرہ 1938ء۔

ساتواں باب

علوم وفنون کی ترقی میں بیت الحکمت کا حصہ

یہ تاریخی بات سب کو معلوم ہے کہ عربوں میں پڑھنے لکھنے کا رواج بہت کم تھا اسی لیے عربوں کو امیین کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں یہودیوں کی زبانی بھی یہی لفظ مستعمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی نبی اُمّی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے یہاں تک کہ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت قریش میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد صرف سترہ تھی۔ وحی الٰہی نے تحریر کی اہمیت کو واضح کیا اور کہا کہ "وَالْقَلَمِ وَمَا سَطَرُوْن۔"[(1)]

''قسم ہے قلم کی اور ان تحریروں کی جن کو وہ لکھتے ہیں۔''

اسلام میں تحریر کی اہمیت کھل کر سامنے آنے کے بعد صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے مختلف انداز میں اپنے صحیفے جو احادیث پر مشتمل ہوتے تھے تیار کرنا شروع کیے۔ ان احادیث کے مجموعے کے ساتھ ساتھ اشعار و قصائد جو دور جاہلیت کی پیداوار تھے قلمبند کیے جانے لگے۔ تحریر سے فائدہ یہ ہوا کہ اشعار و قصائد جو عرب کے تمدّن و معاشرت کی اصلی تصویر تھے قلمبند ہونے لگے اور ان کی حفاظت کا سامان پیدا ہو گیا، تحریر کی اہمیت واضح ہو جانے کے بعد مسلمانوں نے سب سے پہلے انفرادی طور پر کتابوں کے ذخائر قائم کیے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے منظّم شکل میں ایک شخصی کتب خانے کا پتہ چلتا ہے جس کو عبد الحکیم بن عمر (متوفی 50ھ مطابق

670ء) نے قائم کیا تھا یہ دنیائے اسلام کا سب سے پہلا کتب خانہ تھا[2] اسی طرح کتب خانہ عبداللہ بن عمرو بن العاص (متوفی (65ھ مطابق 684ء) بہت مشہور کتب خانہ تھا جس میں اہلِ کتاب کی نادر تالیفات بھی شامل تھیں۔ یہ مشہور صحابی تھے اور فاتح مصر عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاجزادے تھے۔ اسی سلسلے میں تیسرا نام کتب خانہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ (متوفی 79ھ مطابق 698ء) تھا یہ خاص طور پر مصاحف کے لیے قائم کیا گیا تھا، اس کے لیے ایک مخصوص مکان تھا جہاں لوگوں کا مجمع لگا رہتا تھا اور لوگ مصاحف کی تلاوت کیا کرتے تھے[3] ان کے علاوہ جس نجی کتب خانے کا پتہ چلتا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

کتب خانہ خالد بن یزید (متوفی 85ھ مطابق 704ء میاں اختر جونا گڈھی اس سلسلے میں رقمطراز ہیں۔

''خالد بن یزید نے اپنے علمی ذوق کی تسکین کے لیے دمشق کے مقام پر ایک ذاتی کتب خانہ قائم کیا اس کتب خانے کے ساتھ اس نے دارالترجمہ بنایا جس کا افسر اعلیٰ ایک نصرانی پادری تھا۔ کتب خانہ کے چند اوراق انیسویں صدی کے آخری ربع میں جامع مسجد دمشق کے قبہ سے چمڑے پر لکھی گئی بزبان عربی اور سریانی ملی ہیں۔ ان کتب و اوراق میں سے بعض جرمنی لے جائے گئے اور بعض دمشق کے عجائب خانے میں محفوظ کر لیے گئے۔[4]

خالد بن یزید کی وفات پر یہ کتب خانہ خلفا بنی امیہ کی تحویل میں رہا جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہدِ آغاز میں وبا پھیلی تو حکم دیا کہ تمام کتابیں کتب خانہ سے باہر نکال لی جائیں تاکہ لوگوں تک اس کی رسائی ہو سکے۔ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ماسر جویہ کی کتاب کو، جو سریانی زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی تھی خزانہ الکتب میں پایا۔[5] کناش نامی کتاب بھی جو پادری اھرن بن اعین نے سریانی میں لکھی تھی اور ماسرجویہ نے اسے عربی میں منتقل کیا تھا۔ بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ اس کتاب کو بھی کتب خانہ سے باہر نکال لینا چاہیے تاکہ مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اس پر انھوں نے چالیس دن تک استخارہ کیا اس طرح یہ کتاب عام لوگوں تک پہنچی۔[6]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے عہدِ خلافت میں احادیث کو ضبط تحریر میں لانے کا بھی اہتمام کیا اس طرح تالیفات کا بیش بہا خزانہ سرکاری طور پر مسلمانوں کے ہاتھ آنے لگا۔ ''محمد بن

شہاب زھری کو 101ھ مطابق 719ء آپ نے احادیث جمع کرنے کا حکم دیا تھا۔ فن تدوینِ حدیث میں اولیت کا سہرا انھیں کے سر ہے اسی طرح آپ نے مملکت اسلامیہ کے تمام ذمہ داروں کے پاس فرمان بھیجا تھا کہ وہ حدیث کے ذخیرے کو جمع کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ احادیث کے دفتر کے دفتر دارالخلافہ دمشق پہنچ گئے خلیفہ نے ان کی نقلیں مملکت کے گوشے گوشے میں پھیلا دیں۔ [7]

اس طرح عہدِ اموی میں احادیث کی کتابت اوران کے مجموعے تیار کرنے کا سرکاری انتظام ہو چکا تھا۔ اس بات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کتابوں کو اکٹھا کرنے کا کام اوران کی اشاعت بڑے پیانے پر دور اموی میں ہو چکی تھی۔ اس دور کے دوسرے حضرات جنھوں نے اس سلسلے میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) ابوقلابہ جرہمی (متوفی 109ھ مطابق 727ء) ان کے یہاں کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ تھا اپنی وفات سے قبل انھوں نے اپنی کتابیں ابوایوب سختیانی کے حوالہ کرنے کی وصیت کی تھی۔

(2) امام حسن بصری (متوفی 110ھ مطابق 728ء) ان کے پاس کتابوں کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ تھا لیکن وفات سے تھوڑی دیر قبل اس نے اس ذخیرے کو جلوا دیا تھا۔ [8]

(3) وھب بن منبہ (متوفی (114ھ مطابق 732ء) ان کے پاس اہلِ کتاب کی تالیفات کا ایک وسیع ذخیرہ تھا جس پر انھوں نے خوب توجہ کی اور بڑی حد تک کامیاب رہے۔

(4) محمد بن شہاب زہری (المتوفی (124ھ مطابق 741ء) دوسری صدی کے فقہائے کبار میں سے تھے۔ فن تدوین حدیث کی ابتدا کی، جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے ان کے پاس کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ تھا، اردگرد کتابوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔

(5) ہشام بن عبدالملک (متوفی 135ھ مطابق 742ء) خلفا بنی امیہ میں ایک ممتاز خلیفہ تھا۔ انھوں نے بھی احادیث کو جمع کرنے کا اہتمام کیا اور خزانۃ الکتب میں ان کو داخل کر دیا۔ اس خزانۃ الکتب میں وہ قرابادین بھی تھی جو مروان کے زمانے سے محفوظ چلی آئی تھی۔ [9]

(6) اعمش (متوفی 148ھ مطابق 765ء) ان کا نام سلیمان بن مہران تھا اور اعمش لقب تھا ان کے پاس بھی احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ محفوظ تھا ابن سعد کے مطابق انھوں نے

بہت بڑا علمی سرمایہ جمع کیا تھا۔[10]

(7) عبدالرحمان الداخل (متوفی 173ھ مطابق 788ء) یہ خلیفہ خود صاحب علم اور عدل و انصاف کی عظیم ترین صفات سے متصف تھا۔ جامعہ قرطبہ میں بھی ایک کتب خانہ کی بنیاد رکھی تھی۔ جس کا بڑا مقصد طلبہ کو فائدہ پہنچانا تھا۔ خلیفہ کو ذخیرۂ کتب کا بے حد شوق تھا۔[11]

دورِ عباسی میں کتب خانے اپنے عروج پر پہنچ گئے۔ کیوں کہ خلیفہ منصور علوم وفنون کا دلدادہ تھا اور بے شمار علما وفضلا کو اپنے پاس اکٹھا رکھتا تھا اور بڑی تعداد میں مختلف علوم وفنون کی کتابیں بھی اپنے پاس جمع کی تھیں۔ ھارون رشید نے بھی علوم وفنون سے بے حد دلچسپی لی اور قدما کے علوم کا ترجمہ کرایا۔ برامکہ نے اس سلسلے میں خوب مدد کی۔ یحییٰ بن خالد برمکی نے علوم کی اشاعت کے لیے ایک اکیڈمی قائم کی جس کا نام بَیتُ الحکمت رکھا۔[12]

بَیتُ الحکمت: بیت الحکمت کا بانی کون تھا اس سلسلے میں مورخین میں اختلاف ہے بعض اس کا بانی ہارون رشید کو قرار دیتے ہیں جیسا کہ ابن الندیم[13] جرجی زیدان[14] اور شبلی نعمانی[15] نے اسی خلیفہ کو اس کا بانی قرار دیا ہے۔

حکیم سید علی احد نیّر واسطی اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

''چمنستان علم وحکمت میں عید بہار اس دن آئی جب حکومت کا عَلَم عباسیوں کے ہاتھوں میں آیا اور مامون الرشید نے اپنے عہد میں بیت الحکمت قائم کیا۔''[16] اس سے پتہ چلتا ہے کہ نیّر واسطی براۓن مامون الرشید کو اس کا بانی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن مورخ اسلام اکبر شاہ خاں نجیب آبادی اس سلسلے میں شبلی جرجی زیدان کے ہمنوا ہیں وہ لکھتے ہیں۔

''ہارون رشید نے بغداد میں بیت الحکمت کے نام سے ایک دارالترجمہ اور دارالتصنیف قائم کیا جس میں مختلف ملکوں کے رہنے والے اور مختلف مذاہب کے پیروکار اور مختلف زبانیں جاننے والے علما مصروف کار رہتے تھے۔''[17] درحقیقت اس کا بانی تو خلیفہ ہارون رشید تھا کیوں کہ اس خلیفہ کے ساتھ البرامکہ تھے جو علوم وفنون کو ترقی دینے میں پیش پیش تھے۔ انھوں نے گذشتہ ادوار میں علوم وفنون کے مراکز کو پیشِ نظر رکھ کر بغداد میں ایک علمی ادارہ قائم کیا تھا، مامون رشید نے اس ادارہ کو خوب ترقی دی، کتابوں کی تالیف اور ترجمہ کے سلسلے میں جس قدر دلچسپی لی،

اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

''اس نے مولفین اور مترجمین کے لیے بیش بہا وظائف اور تنخواہیں مقرر کیں۔ حتیٰ کہ وہ ان تراجم کو جو اس کے لیے کیے جاتے تھے سونے سے وزن کر کے لیتا تھا اور کتابوں پر اپنی مہر لگاتا تھا اور لوگوں کو ان کے مطالعہ اور درس کی ترغیب دیتا تھا۔''[18]

جرجی زیدان اس سلسلے میں رقمطراز ہیں۔

"وکان بیتُ الحکمته عبادةً عن مجلس الترجمته اوالنسخ اوالله والتالیف فیجلس النُساخُ فی اماکن خاصتة بهم ینسِخُون لانفُسهم اوباجودمعینةٍ وکذالك المُترجِمُوْن والمولَفُون والمطالِعُون[19]

ترجمہ: بیت الحکمت سے مراد مجلس ترجمہ یا مجلس نقل یا مجلس درس تھی جہاں نساخ مخصوص جگہوں پر اپنے لیے اجرتوں پر کتابیں لکھتے تھے اور یہی صورت مترجمین و مولفین کی تھی۔

بیت الحکمت جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ کسی ایک گھر کا نام نہیں ہے بلکہ یہ مختلف شعبوں کا مجموعہ تھا، جس میں ان شعبہ جات سے متعلق مختلف قسم کے کام سپرد کیے گئے تھے۔ اس سے منسلک ایک بہت بڑی لائبریری اور ایک درسگاہ بھی تھی، اور بڑے بڑے مترجمین اس میں مصروف عمل تھے۔ ان مترجمین نے بے شمار کتابوں کے ترجمے کیے اور اس طرح یونانی علوم اور وہاں کے حکما کو زندہ کیا۔ ان میں سے چند کے نام ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔ قسطا بن لوقا اور حنین بن اسحاق وغیرہ۔[20] اولبری نے اپنی کتاب میں بیت الحکمت کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کا بانی مامون رشید تھا جس نے 217ھ مطابق 832ء میں اس کو قائم کیا اس ادارے کو اس نے اس سے قبل موجودہ نصاریٰ اور پارسیوں کے اداروں کو سامنے رکھ کر قائم کیا تھا اور اس کا نگراں اس نے یحییٰ بن ماسویہ (متوفی 233ھ مطابق 856ء) کو بنایا تھا۔[21]

''مامون نے اس ادارے کے اندر بے شمار کتابوں کو زر کثیر صرف کر کے جمع کیا تھا۔ یہ بہترین اسلامی ادارہ تھا جہاں پر یونانی علوم فراوانی کے ساتھ جمع کیے گئے تھے، اس طرح بیک وقت یہ ادارہ اسلامی اور غیر ملکی علوم کا سنگم تھا۔[22] اس سلسلے میں حکیم سید نیر واسطی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ ''یہ بیت الحکمت بغداد میں تقریباً دو سو اٹھارہ (218ھ مطابق 833ء) میں قائم ہوا۔ اور اس کے لیے یوحنا بن ماسویہ اور حنین بن اسحاق اور دیگر جلیل القدر علما کی خدمات حاصل

کی گئیں۔عباسیوں نے اس بیت الحکمت کے قیام اور ترقی کے سلسلے میں علم وحکمت کی جو خدمات انجام دیں وہ رہتی دنیا تک یادگار رہے گی۔[23]

جرجی زیدان اس سلسلے میں رقمطراز ہیں۔

''ہارون رشید نے بغداد میں جو بیت الحکمت قائم کیا اس کے لیے بہت سی کتابیں جمع کرا کے ان کا عربی میں ترجمہ کرایا اور جب مامون رشید تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا تو اس نے مجالس تالیف قائم کیں اور بیت الحکمت میں عربی، فارسی، یونانی، سریانی، قبطی اور ہندی کتب کا عظیم الشان خزانہ جمع کر دیا۔''[24]

مامون یونانی فلسفہ ومنطق کا خوگر تھا اور ہر وقت اس کے ذہن پر ان علوم کا تسلط رہتا تھا۔ مامون چونکہ فرقہ معتزلہ سے تعلق رکھتا تھا اور دینیات میں یونانی فلسفہ اور منطق کو اہمیت دیتا تھا اس لیے مذہبی اعتبار سے بھی ان علوم کی ترقی واشاعت کا خواہش مند تھا کیوں کہ ان علوم کو وہ ایک دینی ہتھیار خیال کرتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اس کے دل ودماغ پر فلسفہ ومنطق کا غلبہ رہتا تھا اور ابن الندیم کے بیان کے مطابق اس نے خواب میں ارسطو کو دیکھا جو اس سے اپنی تالیفات کے ترجمہ کا مطالبہ کر رہا ہے اس کے بعد مامون نے شاہ روک کو ایک خط لکھا کہ وہ بلادِ روم میں جو علوم کی کتابیں ذخیرہ کی گئی ہیں وہ بغداد روانہ کر دے۔شاہ روم نے پہلے تو منع کیا پھر بالآخر رضامند ہو گیا۔اس پر مامون نے اہلِ علم وفن کی ایک جماعت علما فن پر مشتمل روم بھیجی جو وہاں سے علمی ذخیرہ کو بغداد لائے۔اور اس کے ترجمہ کا حکم دیا گیا۔[25]

بیت الحکمت جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کسی ایک شعبے کا نام نہیں ہے بلکہ کئی شعبہ جات پر مشتمل ایک بہت بڑی اکیڈمی کا نام ہے۔اس اکیڈمی سے قبل بھی علوم وفنون کی اشاعت کے لیے دوسری اقوام نے مختلف ممالک میں بہت سے مشہور مدارس ومعاہد قائم کیے تھے۔ ان میں اسکندریہ، جندیسا پور اور حرآن کے مدارس ومعاہد قابل ذکر ہیں۔جن کا ذکر اس سے پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔چوں کہ یہ اسلامی اکیڈمی تمام اقوام میں ہوئے علمی اداروں اور معاہد کے نمونے پر قائم کی گئی تھی اور ان تمام مراکز علوم وفنون کے بعد قائم کی گئی تھی اس لیے قرینۂ قیاس یہی ہے کہ یہ علمی مراکز ان تمام سابقہ مراکز سے نمایاں حیثیت کا حامل رہا ہوگا۔اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ علمی مرکز مندرجہ ذیل شعبہ جات پر مشتمل تھا۔

(1) خزینتہ الکتب (2) دار الترجمتہ و التالیف (3) المرصد

خزینتہ الکتب: بیت الحکمت میں چونکہ علوم وفنون کے ترجمہ کا کام بڑے پیانے پر ہوتا تھا اس لیے ذخیرۂ کتب کی بڑی ضرورت تھی۔ منصور نے اپنے دورِ خلافت میں کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ فراہم کیا تھا ان کتابوں میں مختلف زبانوں کی کتابیں شامل تھیں، مثلاً یونانی، سریانی، کلدانی، نبطی، عربی، فارسی اور سنسکرت۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ ابوجعفر منصور نے ہندسہ پر بہت سی کتابیں شاہ روم سے طلب کی تھیں۔[26]

اسی خلیفہ نے حکمت کی کتابیں اور طبیعات سے متعلق بھی بہت سی کتابیں شاہ روم کے ساتھ مراسلت کے بعد منگوائیں۔ اسی طرح ہارون رشید (170۔193ھ مطابق 786-808ء) نے بھی علوم وفنون کی طرف خصوصی توجہ کی اور اسی وجہ سے اس نے اس اکیڈمی کی بنیاد ڈالی اور یونان کی تالیفات بلادِ روم سے لاکر اس کے خزینتہ الکتب میں جمع کیں۔ یہ کتابیں ان کو خصوصاً فتح عموریہ کے وقت حاصل ہوئی تھیں۔ ان کتابوں میں طب، فلکیات، فلسفہ اور حکمت سے متعلق بے شمار کتابیں تھیں لیکن ہارون رشید کے زمانے میں کتابوں کی فراہمی کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی گئی بلکہ اس کے بعد مامون دور میں اس کی طرف توجہ کی گئی۔ یہ خلیفہ خلفائے عباسیہ میں سب سے بڑا عالم و فاضل تھا اس لیے بیت الحکمت میں موجود کتابوں پر قناعت نہیں کی بلکہ علوم وفنون پر مختلف علمی ذخائر سے کتابوں کو فراہم کرنے کا اہتمام کیا۔ اس مقصد کے لیے اس نے آرمینیہ، مصر، شام، ہندوفارس میں وفود بھیجے اور زرِ کثیر صرف کر کے کتابیں فراہم کیں۔ مامون کی علم سے دوستی اس قدر مشہور تھی کہ معاصر سلاطین تحفہ تحائف میں اس کو کتابیں اور مترجمین بھیجا کرتے تھے۔ اس طرح کا ایک واقعہ ہندوستانی راجہ کے ساتھ پیش آیا۔ اس راجہ نے مامون کو بطور ہدیہ ایک فاضل شخص دوبان ہندی کو بھیجا تھا اور خط میں لکھا کو جو ہدیہ آپ کی خدمت میں روانہ کر رہا ہوں دنیا میں اس سے بڑھ کر مفید، نامور اور معزز تحفہ نہیں ہو سکتا۔[27]

اس خزینتہ الکتب کے لیے کتابوں کی فراہمی میں اس کے سرپرست یحییٰ بن خالد برمکی کی کوششیں ناقابل فراموش ہیں۔ یہ شخص خود بہت بڑا فاضل تھا اور کتابوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اپنے پاس رکھتا تھا۔ یہ کتابوں کا بہت بڑا شیدائی تھا علمی کتابوں کی خرید پر زرِ کثیر صرف کرتا تھا اس سلسلے میں ابوعثمان بن عمر یحییٰ الخیاط کا قول ہے کہ جس قدر کتابیں یحییٰ کے کتب خانے میں تھیں کسی

بادشاہ کے پاس اس قدر نہ ہوں گی۔ ہر کتاب کے تین تین نسخے موجود تھے۔ نامور خوشنویسوں کے ہاتھ سے لکھی ہوئی کتابیں موجود تھیں اس وقت یہ بات مشہور تھی کہ اگر کوئی نایاب کتاب فروخت ہوتی تو اول یحییٰ کو دکھائی جاتی کیوں کہ ایک ہزار درہم دینے والا صرف یحییٰ برمکی تھا۔ خلیفہ ہارون رشید کے کتب خانے میں اکثر مشہور کتابیں جو باعثِ زیب وزینت تھیں وہ یحییٰ کے کتب خانے کی تھیں۔[28]

یہ خزینۃ الکتب ایک عظیم الشان کتابوں کا ذخیرہ تھا جو اس سطحِ ارض پر سب سے بڑا ذخیرہ کہا جا سکتا ہے کیوں کہ درحقیقت یہ اپنے سابقہ تمام علمی مراکز کا نعم البدل تھا اور ان تمام مراکز کے علمی جواہر پاروں کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھا۔ اس لیے قرینۂ قیاس یہی ہے کہ یہ خزینۃ الکتب اپنے تمام پیش رو علمی مراکز اور اور خزائن کتب سے بڑھ چڑھ کر رہا ہوگا۔ اس خزینۃ الکتب کے لیے دنیا کے تمام دور دراز گوشوں اور اطراف واکناف سے چھان بین کر کے کتابیں فراہم کی گئیں تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ جالینوس کی ایک تصنیف کے لیے شام، فلسطین اور مصر کے چپہ چپہ کی خاک چھانی گئی اور اس تصنیف کی تلاش کی گئی۔[29]

اس خزینۃ الکتب میں کتابوں کا اتنا عظیم الشان ذخیرہ تھا کہ سینکڑوں بار تباہی اور بربادی آنے کے باوجود یہ کتب خانہ پوری طرح برباد نہ ہو سکا اور اس کی کتابیں ساتویں صدی ہجری تک موجود تھیں۔ جس کا مشاہدہ ابن ابی اصیبعہ (متوفی 668ھ مطابق 1270ء) نے کیا تھا۔ اور ان کتابوں پر مامون کا طغرا بھی بنا ہوا تھا۔[30]

دارالترجمہ والتالیف

یہ بیت الحکمت کا ایک شعبہ تھا جو بہت اہم تھا کیوں کہ بیت الحکمت میں غیر ملکی علوم و فنون کو عربی میں منتقل کرنے کا کام بڑے پیمانے پر ہوتا تھا۔ یحییٰ برمکی نے ہارون رشید کا علمی ذوق و شوق دیکھ کر علوم حکمیہ کے تراجم پر خاص توجہ دی، اسی اساس پر بیت الحکمت کا قیام عمل میں آیا تھا اور مذکورہ بالا شعبہ نے بے انتہا ترقی کی مختلف ممالک اور مذاہب سے تعلق رکھنے والے یہودی، عیسائی، پارسی اور ہندو علما وفضلا اس شعبہ میں تالیف وترجمہ کے کام میں مصروف عمل تھے۔ ان علوم

وفنون میں فلسفہ حساب، ہیئت، نجوم، طب اور اخلاق وغیرہ تقریباً 17 علوم وفنون شامل تھے۔ اس شعبہ میں ترجمہ کا کام ایک مخصوص طریقے سے ہوتا تھا۔ کچھ لوگ ترجمہ کرنے پر مامور تھے اور کچھ دوسرے لوگ نظرِ ثانی اور اصلاح اور ترمیم کے لیے مقرر تھے اس میں مختلف زبانوں میں ترجمے کیے جاتے تھے، خاص کر یونانی، سریانی اور فارسی عربی میں ترجمہ کرتے تھے۔ سنسکرت سے فارسی میں عموماً ترجمہ ہوتا تھا۔ پھر فارسی سے عربی میں اور براہِ راست سنسکرت سے بھی ترجمہ کا ثبوت ملتا ہے، مترجمین کی سربراہی یوحنا بن ماسویہ (التوفی (243ھ مطابق 857ء) کرتا تھا۔ بعد میں حنین بن اسحاق العبادی (متوفی (264ھ مطابق 877ء بھی اس خدمت پر مامور ہوا۔ خاص کر مندرجہ ذیل چار خاندان ترجمے کے کام میں پیش پیش تھے۔

یہ خاندان مندرجہ ذیل ہیں

(1) خاندان بختیشوع (2) خاندان ماسرجویہ

(3) خاندان حنین (4) خاندان ثابت بن قرہ

بڑی تعداد میں جن کتابوں کا ترجمہ ہوا ان میں سرفہرست افلاطون، ارسطو، بقراط اور جالینوس کے نام لیے جاسکتے ہیں، ان کے علاوہ جن حکما کی کتابوں کے تراجم ہوئے ان میں ذیل کے اسما قابل ذکر ہیں۔

اسکندروس، اقلیدس، ارخیدس، ابلیونیوس، بطلیموس، ابرخس، ارسطرخس، ثاؤن اسکندری، ارغلون اور ابیون وغیرہ۔

ترجمہ کے کام میں سریانی مترجمین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ان میں حنین بن اسحاق کا نام سرفہرست ہے۔ عموماً یہ سریانی مترجمین ترجمہ کا کام بہت امانت داری سے کرتے تھے۔ کبھی کبھی لفظی ترجمہ پر اکتفا کیا جاتا تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ سریانیوں کے پاس واضح اور درست زبان میں ترجمہ موجود نہیں تھا، سریانی مترجمین یونانی سے سریانی میں یا سریانی سے عربی میں یا یونانی سے براہِ راست عربی میں ترجمہ کرنے میں مختلف درجات پر فائز تھے کیوں کہ ترجمہ کی زبان یا جس زبان سے وہ ترجمہ کرتے تھے ان میں ان کی مہارت مختلف تھی۔ مترجمین بہت مشکلات سے دوچار ہوتے تھے۔ کیوں کہ دونوں زبانوں میں موافقت کا مسئلہ مشکل تھا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس وقت ان مترجمین کے پاس ڈکشنریاں بھی نہیں ہوتی تھیں۔ اس کے باوجود انھوں

نے جوترجمہ اور تحقیق کا کام کیا وہ بہت قابل قدر ہے اور اس پر تعجب بھی ہوتا ہے۔

اس دارالترجمہ میں مختلف زبانوں کو وسیلہ بنایا گیا تھا، ان میں یونانی، سریانی، فارسی، سنسکرت، نبطی اور لاطینی قابلِ ذکر ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا، سب سے زیادہ تراجم سریانی اور یونانی زبانوں سے کیے گئے۔ اس کے بعد فارسی اور سنسکرت کا درجہ آتا ہے۔ نبطی اور لاطینی کے بہت کم تراجم ملتے ہیں، سریانیوں نے سب سے زیادہ ترجمہ کا کام کیا۔ یہ لوگ یونانی زبان سے بخوبی واقف ہوتے تھے۔ کیوں کہ یہی زبان حکومت کی زبان تھی، سریانی اصل میں وہ خاص آرامی لہجہ ہے جو الرھا شہر میں بولی جاتی تھی، یہی زبان شام کے گرجا گھروں کی زبان تھی اور یہی جزیرہ فراتیہ میں علم و ادب کی زبان تھی۔ اس زمانے میں شام کے اندر رومی حکومت کے ماتحت گرجا گھر اپنی دعاؤں اور تعلیمات میں یونانی زبان کو استعمال کرتے تھے لیکن سریانی لوگ اس زبان کو مٹانے کی بہت کوشش کرتے تھے۔ کیوں کہ یہ نوآبادکاروں کی زبان تھی لیکن اس کے باوجود چوں کہ یونانی زبان حکمراں طبقہ کی زبان تھی اس لیے لوگ اس کے سیکھنے کی طرف مائل ہوتے تھے۔

لیکن چوں کہ وہ اپنی زبان سے بے حد محبت کرتے تھے۔ اس لیے وہ سریانی زبان میں ہی مسیح کے احکامات کو یاد کرتے تھے تا کہ وہ اپنی دینی اعتبار سے ممتاز ہو جائیں اور ان کا فلسفہ بھی ممتاز رہے۔ اس طرح سریانی زبان سے ترجمہ کے ذریعہ یونانی علوم وفنون کو عالم عربی کی طرف منتقل کیا۔ فارسی زبان بھی ترجمہ کا ایک اہم وسیلہ تھی اور بہت بڑی تعداد میں فارسی سے عربی میں تراجم ہوئے۔ جرجی زیدان نے کم وبیش سترہ کتابوں کی نشاندہی کی ہے۔[31]

سنسکرت زبان سے بھی بہت بڑا کام ہوا۔ اس میں زیادہ تر طب اور نجوم کی کتابیں ہیں۔ نبطی زبان سے تقریباً چودہ کتابوں کے تراجم کا پتہ چلتا ہے۔ جیسا کہ جرجی زیدان نے اپنی کتاب کے اندر لکھا ہے۔[32]

لاطینی زبان سے بھی تراجم کا پتہ چلتا ہے۔

کیوں کہ سریانی مترجمین اس زبان سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔

ابن البطریق کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ لاطینی زبان میں مہارت رکھتا تھا اور دوسری زبانیں معمولی طور پر جانتا تھا اس نے بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا بظاہر یہی ہے کہ اس نے لاطینی سے عربی میں ترجمہ کیا۔[33] دارالترجمہ کے ساتھ دیگر مندرجہ ذیل شعبہ جات مصروف عمل تھے۔

(1) شعبۂ تصحیح (2) شعبۂ تصنیف وتالیف (3) شعبۂ تسوید اور شعبۂ تجلید۔

(1) شعبۂ تصحیح: پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ مترجمین فنی مہارت میں مختلف درجات پر فائز تھے اور اس حیثیت سے ترجمہ کا کام بھی مختلف انداز میں کیا جاتا تھا۔ بعض مترجمین چوں کہ تمام شرائط ترجمہ پر پورے نہیں اترتے تھے اس لیے ان کے کام تصحیح کے طالب تھے، اسی مقصد کے لیے ایک ذیلی شعبہ شعبۂ تصحیح قائم کیا گیا۔ اور اس کا نگراں ابوزکریا یحییٰ یوحنا بن ماسویہ کو مقرر کیا گیا۔ ان کے بعد حنین بن اسحاق العبادی اس اہم کام کی نگرانی پر متعین ہوا۔ یہ بہت بڑا ماہر فن تسلیم کیا جاتا تھا اور اس کی تصحیح آخری تصحیح سمجھی جاتی تھی۔ اس نے زبان واسلوب کو نیا رنگ دیا اور ترجمہ کو ایک مستقل فن کی حیثیت سے روشناس کرایا جن کتابوں کی اس نے تصحیح کی ہے ان میں مزید اصلاح کی ضرورت نہیں پائی گئی۔

تیسرا شخص جو اس سلسلے میں مشہور ہے وہ قسطا بن لوقا بعلبکی (متوفی 300ھ مطابق 912ء) تھا یہ شخص یونانی اور سریانی زبان کا زبردست فاضل تھا، اس کی اصلاح شدہ کتابیں بھی حنین بن اسحاق کی کتابوں کی طرح قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں۔ اس سلسلے کا چوتھا شخص ثابت بن قرہ الحرانی (متوفی 288ھ مطابق 950ء) تھا یہ شخص حکمت وفلسفہ کا بہت بڑا فاضل تھا اور حکمت وفلسفہ کی کتابوں کی تصحیح کا کام زیادہ تر کرتا تھا۔ جیسا کہ معلوم ہے کہ ترجمہ میں ضبط و احتیاط اور مطالعہ ومشاہدہ کی انتہائی ضرورت پڑتی ہے۔ عہدِ اموی میں ان شرائط کے ساتھ ترجمہ کا کام منظرِ عام پر نہیں آیا لیکن عہدِ عباسی میں ترجمہ کے کام نے ایک مربوط اور منظم شکل اختیار کی۔ حنین بن اسحاق العبادی نے جب اس کام کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں سنبھالی تو تمام تنظیمی عناصر شعبۂ ترجمہ میں اکمل ترین طریقے پر پائے گئے۔ حنین بن اسحاق سے قبل اگرچہ مترجمین ومصلحین غیر ملکی زبانوں سے بخوبی واقف تھے لیکن عربی میں مہارت نہ ہونے کی وجہ سے خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا اس کے...... برخلاف حنین بن اسحاق عربی میں مہارت رکھتا تھا۔ اس لیے ترجمہ اور اصلاح کا کام اطمینان بخش طریقے سے انجام پاتا تھا...... ابتدائی دور کے مترجمین کی بابت بہاء الدین آملی لکھتے ہیں۔

''یوحنا بن البطریق اور ابن الناعمہ الحمصی نے یونانی کتابوں کا لفظی ترجمہ کیا جو کہ ترجمہ کے لیے اچھا طریقہ نہیں کہا جاسکتا کیوں کہ ہر یونانی لفظ کا بدل عربی زبان میں نہیں مل سکتا، اس لیے

تراجم میں یونانی زبان کے الفاظ بعینہ برقرار رہے اس کے علاوہ جملوں کی ساخت میں بھی اختلاف ہے اور محاورات سے عدم واقفیت بھی ترجمہ کو غیر معقول بنانے میں بہت بڑا سبب تھی۔[34] لیکن حنین بن اسحاق العبادی نے بیت الحکمت کے دارالترجمہ میں جو کام کیا اور دوسرے مترجمین نے جو کام کرایا وہ انتہائی قابل قدر اور مقبول عام عمل تھا۔ حنین نے نامور مترجمین کو اس شعبہ میں بھرتی کیا اور اپنی نگرانی میں ان سے ترجمہ کا کام لیا۔ حنین ان مترجمین کو اسلوب نگارش کی بھی تربیت دیتا تھا۔ اس وجہ سے ترجمہ میں اسلوب حنین کی عام جھلک ملتی ہے۔ مترجمین نے حنین کے اسلوب کو اس قدر برتا کہ بعض مورخین نے عیسیٰ بن یحییٰ اور اسحاق بن حنین اور حبیش الاسم کے تراجم کو حنین کا ترجمہ سمجھ لیا۔[35]

شعبۂ تصنیف وتالیف: دارالترجمہ میں ترجمہ کا کام بڑے پیمانے پر ہوا۔ اس کی مثال اسلامی تاریخ میں آج تک کبھی نہ ملی۔ ترجمہ کے عمل کو مسلمانوں نے غیر ملکی علوم وفنون کو عالم اسلام کی طرف منتقل کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ قرار دیا لیکن یہ کام ایک دوسرے عمل کا پیش خیمہ تھا اور وہ تھا تصانیف وتالیف کا کام۔ ترجمہ کے ذریعہ ایک معیاری ذخیرۂ علوم وفنون مہیا ہو گیا۔ یہ ترجمہ علمی پیش قدمی اور مستقل تالیفات وتصنیفات کے سلسلے میں ایک عظیم کارنامہ تھا۔ مسلم دانشوروں نے تراجم کی روشنی میں مستقل تصنیفات کی طرف توجہ دی مثلاً یوحنا بن ماسویہ نے مستقل تالیفات کیں اس کی ایک ...... تصنیف کتاب المشجر کے نام سے مشہور ہے اسی طرح حنین بن اسحاق العبادی نے طبع زاد کتابیں تالیف کیں، ان کی ایک کتاب ''کتاب المسائل'' کے نام سے مشہور ہے۔ تراجم کی بنیاد پر عربوں نے علمی میدان میں بہت پیش قدمی کی انھوں نے اکتشافات اور اصلاحات بھی کیں اور اضافے بھی کیے۔ اس طرح وہ ایسے دور میں داخل ہو گئے جس کو ہم عروج کا نام دے سکتے ہیں جس میں علمی مباحث اور تالیفات کا میدان بہت وسیع ہو گیا تھا، مثلاً ریاضی میں مشہور عالم محمد بن موسیٰ الخوارزمی (متوفی 236ھ مطابق 850ء) نے کتاب الجبر والمقابلہ کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ فلکیات میں ابن جابر البتانی (متوفی 318ھ مطابق 930ء) نے کتاب الزیج کے نام سے ایک کتاب لکھی اسی طرح بے شمار علمی تالیفات وجود میں آئیں۔

الغرض دارالترجمہ ایک بہت بڑا وسیلہ ثابت ہوا۔ دارالتصنیف والتالیف کو وجود میں لانے کا ــــ اسی دارالترجمہ سے منسلک دیگر دو شعبے بھی تھے جن میں تکمیلی کام سرانجام پاتے تھے۔

بظاہر مترجمین ترجمہ کا عمل تیزی سے سرانجام دیتے تھے۔ اس لیے خوش نویسی اور خطاطی کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔ تاریخ اسلام میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ لوگ روز کم وبیش سو ورق تک لکھ لیتے تھے۔ جیسا کہ ابن الندیم نے ایک واقعہ کے ضمن میں لکھا ہے۔[36]

شعبۂ تسوید: اس وجہ سے ایک ذیلی شعبۂ ''شعبۂ تسوید'' کے نام سے وجود میں آیا۔ اس شعبہ میں خطاطی کا کام ہوتا تھا۔ بہت ماہر کتاب ترجمہ شدہ مواد کو خوش نویسی کے ساتھ نقل کرنے پر مامور تھے۔ ان میں علان شعوبی اور رازرق مشہور ہیں۔

''یہ حنین بن اسحاق کے تراجم کی تسوید خصوصی طور پر کیا کرتے تھے۔ ان خوش نویسوں کا بیٹھنے کا ایک خاص مقام تھا۔[38]

بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے تھے جو کتابوں کو حاصل کرنے کی رغبت رکھتے تھے اور یہ ذاتی شوق و رغبت ان کو اس مقام پر کھینچ لاتا تھا۔ اس لیے یہ لوگ تراجم کی تسوید شوق و رغبت سے کیا کرتے تھے اور بطور فن و پیشہ اس کام کو نہیں کرتے تھے۔

شعبۂ جلد سازی سب سے آخر میں وہ ذیلی شعبہ تھا جس میں تجلید کا کام ہوتا تھا۔ علمی سرمایہ کو محفوظ رکھنے کے لیے اس شعبے کا قیام ضروری تھا۔ اس میں قدیم بوسیدہ اور کرم خوردہ کتابوں کی مرمّت بھی ہوتی تھی اور نئی کتابوں کی جلد سازی بھی کی جاتی تھی۔ مسلمانوں نے ہر دور میں علمی سرمایہ کو ایک گراں سرمایہ قرار دیا اور اس کو محفوظ رکھنے کے لیے زرِ کثیر صرف کیا۔ اس بیت الحکمت کے شعبہ تجلید میں بے شمار کارندے مصروف عمل رہتے تھے۔ تذکروں میں ابن ابی الحریش نامی جلد ساز کا پتہ چلتا ہے۔[38]

المرصد: یہ شعبہ بیت الحکمت کا بہت اہم شعبہ تھا۔ یہ پہلی رصد گاہ تھی جس کو عہدِ اسلامی میں قائم کیا گیا۔ اس سے قبل بطلیموس نے بھی ستاروں کے حالات معلوم کیے تھے اور جب مجسطی کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا تو علمائے اسلام نے رصد کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ اس سلسلے میں مؤلف حکمائے اسلام رقمطراز ہیں۔

''جب مامون خلیفہ ہوا اور اس نے فلسفہ اور حکمت سے واقفیت حاصل کرنا چاہی اور اس کے زمانے کے علما نے کتاب المجسطی سے واقفیت حاصل کی اور اس میں جن آلات رصد کا بیان تھا ان کی صورت سمجھی تو اس نے سلطنت کے اطراف و جوانب سے اپنے زمانے کے علما کو جمع کیا

اوران کو حکم دیا کہ وہ بھی اسی قسم کے اصول وقواعد وضع کریں اور بطلیموس سے پہلے لوگوں نے جس طرح ستاروں کے حالات معلوم کیے اسی طرح وہ بھی معلوم کریں۔ان علما نے ایسا ہی کیا اور دمشق سے سورج اور بہت سے ثوبت و سیارات کے حالات معلوم کیے لیکن 218ھ مطابق 832ء میں مامون کی وفات کی وجہ سے یہ علما اپنے مقاصد کو پورا نہ کر سکے اور تحقیقات کے جس درجہ تک پہنچ چکے تھے۔اس کو لکھ لیا اور اس کا نام رصد ماموني رکھا۔اس کام کو زمانے کے رئیس المنجمین یحییٰ ابن ابومنصور، خالد بن عبدالملک المرز وری سند بن علی عباس بن سعید جوہری نے انجام دیا ان کی یہ رصد سلطنت اسلام میں پہلی رصد تھی۔،،(39)

درحقیقت شماسیہ بغداد کا ایک محلہ تھا اور پہلی رصد گاہ اسی محلہ میں قائم کی گئی اور دوسری رصدگاہ دمشق میں قائم کی گئی وہ بمقام قاسیون تھا اس حقیقت کو خود مؤلف حکمائے اسلام نے دوسری جگہ بیان کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں۔

''یحییٰ بن ابی منصور کی مدد سے بغداد میں بمقام شماسیہ ایک رصد خانہ قائم کیا اور اسلام میں یہ پہلا رصد خانہ تھا۔جو ماموني دور میں قائم ہوا۔،،(40)

دراصل یہ اختلاف دو قدیم مؤلفین میں اختلاف کی بنا پر رونما ہوا۔پہلے مؤلف نے ابن صاعد اندلسی کی طبقات الامم کی بنا پر لکھا ہے کہ یہ رصد گاہ 214ھ مطابق 829ء میں دمشق کے شہر شماسیہ میں قائم کی گئی اور دوسری بات انھوں نے ابن الندیم کی مشہور کتاب ''الفہرست'' کی بنا پر لکھی ہے جس میں شماسیہ کو بغداد ہی کا ایک محلہ تسلیم کیا ہے اور حقیقت یہی ہے کہ یہ بغداد کا ہی محلہ تھا جس کا اقرار خود مولانا نے کیا ہے۔

اس سلسلے میں تحقیقی بات وہی ہے جس کو مزمل حسن صدیقی صاحب نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے۔

''مسلم تاریخ میں پہلی رصدگاہ مامون رشید کے عہد خلافت میں قائم ہوئی۔یہ رصدگاہ بغداد میں دریاے دجلہ کے کنارے محلہ شماسیہ میں یا اس کے قریب قائم کی گئی تھی جس کا نام قاسیون تھا،اسے قاسیون کی رصد کا نام دیا گیا۔،،(41)

یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ عہد ماموني میں دو رصدگاہیں قائم کی گئیں ایک بغداد میں بمقام شماسیہ اور دوسری دمشق میں بمقام قاسیون۔یہ بات بھی مسلم ہے کہ رصدگاہ کے قیام

میں چار اشخاص نے خاص طور پر کارہائے نمایاں انجام دیے۔ دمشق اور بغداد کی دونوں رصدگاہوں کی نگرانی دو مشہور رہیئت دانوں کے سپرد کی گئی۔ مشہور یہی ہے کہ بغداد میں رصدگاہ کا نگراں یحییٰ بن ابی منصور تھا۔ جیسا کہ مؤلف حکمائے اسلام نے لکھا ہے اور یہ بات انھوں نے تتمہ صوان الحکمتہ کی بنا پر لکھی ہے۔ چنانچہ اس کتاب میں ان کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے۔

"هُوَ صاحبُ الرصدِ فی ایّام المامون وکانَ متبحراً فی عُلومِ الهندسته۔" (42)

یعنی مامون کے زمانے میں وہ رصدگاہ کے مہتمم تھے اور علمِ ہندسہ میں ان کو بڑی مہارت حاصل تھی۔

بعض محققین نے بغداد کی رصدگاہ کا مہتمم عباس بن سعید جوہری کو قرار دیا ہے اور یحییٰ بن ابی منصور کو قاسیون کی رصدگاہ کا مہتمم تسلیم کیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ابتدا میں یحییٰ بغداد کی رصدگاہ کا مہتمم رہا ہو پھر قاسیون کی رصدگاہ کے قیام کے بعد وہاں کا مہتمم مقرر ہوا ہو اس صورت میں اس سلسلے کا اختلاف دفع ہو جاتا ہے۔

الغرض دولتِ اسلامیہ کی یہ ایک عظیم الشان رصدگاہ تھی جو بیت الحکمت سے منسلک تھی۔ اس رصدگاہ کے لیے بیش بہا آلات رصد یہ تیار کیے گئے جن کی بنا پر سیارات وثوابت کے بہت سے حالات معلوم کیے گئے اور زمین کے بارے میں جدید معلومات فراہم کی گئیں۔ اس سلسلے میں علامہ شبلی رقمطراز ہیں۔

''دولت اسلامیہ میں اول جس نے رصد خانے کی بنیاد ڈالی اور بیش بہا رآلات رصد مہیا کیے وہ یہی نامور خلیفہ مامون ہے۔ اس کام کے لیے اس نے علاوہ ان لوگوں کے جو دربار میں تھے، تمام ممالک محروسہ سے ہیئت وہندسہ کے ماہرینِ فن تیار کیے اور 214ھ مطابق 829ء میں بمقام شماسیہ عظیم الشان رصد خانہ قائم کیا، اس کے لیے نہایت بیش بہا آلات تیار ہوئے اور آفتاب کے میل کی مقدار اس کے مرکزوں کا خروج اوج کے مواضع اور چند سیارات وثوابت کے حالات دریافت کیے گئے۔'' (43)

عام طور پر رصدگاہیں تربیتی مراکز کے طور پر بھی کام کرتی تھیں ان سے منسلک ادارے ہوتے تھے۔ جہاں علمِ ہیئت کی تعلیم دی جاتی تھی اور قرینۂ قیاس یہی ہے کہ رصد مامونی بھی اسی

سلسلے میں بطور تربیت گاہ اپنے عمل کو انجام دینے میں پیش پیش رہی ہوگی۔ اسی سلسلے میں فلپ حتی لکھتے ہیں کہ

''مامون نے (215ھ مطابق 830ء) میں بغداد میں بیت الحکمت کی بنیاد رکھی۔ یہ ترجمہ کے عمل کو انجام دینے کے علاوہ ایک علمی اکیڈمی کے طور پر بھی کام کرتا تھا جس میں ایک عمومی لائبریری اور رصد گاہ بھی تھی۔ یہ خیال رہے کہ رصد گاہیں بطور مدارس بھی کام کرتی تھیں۔ جہاں پر علم ہیئت...... کی تعلیم دی جاتی تھی۔'' (44)

بیت الحکمت کے اثرات: بیت الحکمت کا قیام ایک ایسا اہم کارنامہ تھا جس کے اثرات دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ بعد کے خلفا نے علمی اور فکری میدان میں جو کارنامے انجام دیے اسی طرح سلاطین و امرا نے علمی ترقی میں جو حصہ لیا اس کام میں بیت الحکمت کا بہت بڑا ہاتھ تھا بعد کے ادوار میں سلاطین و امرا نے سابقہ نمونے پر رصد گاہیں تعمیر کیں۔ آلات رصد یہ کی صنعت کی طرف توجہ دی۔ شفاخانوں کا قیام ہوا۔ اس طرح بیت الحکمت نے عظیم الشان ذہن سازی کا کام انجام دیا۔ اسی بنیاد پر عرب آگے بڑھتے چلے گئے۔ اور اپنی ذہانت کی بدولت ہر علم میں انھوں نے ایجادات و اکتشافات کیے۔ انھوں نے قدما کے علوم کو ازبر کیا اور ضرورت کے مطابق ان میں اصلاحات کیں اور ان میں اضافے بھی کیے اس طرح علمی اور عقلی میدان بہت وسیع ہوگیا۔ بیت الحکمت کے اثرات اور اس کی عظمت کے نقوش مختلف اقوام میں عموماً اور عربوں کی زندگی کے ہر شعبہ میں خصوصاً ملتے ہیں۔ چاہے فلسفہ ہو یا حکمت ہو یا طبی یا اجتماعی یا اقتصادی اور سیاسی شعبہ ہو ہر میدان میں بیت الحکمت کی اثر پذیری نمایاں طور پر دیکھنے کو ملتی ہے۔

عربوں نے مختلف شعبوں میں حیرت انگیز طور پر ترقی کی اور ہر قسم کے علوم میں اپنی ذہانت کی بدولت اصلاحات و ایجادات و اکتشافات کے عمل کو سرانجام دیا۔

ریاضیات میں انھوں نے ہندوستانیوں کے نظام کو حاصل کیا اور ان میں اصلاحات کیں۔ محمد بن موسیٰ الخوارزمی (متوفی 236ھ مطابق 850ء) الجبرا کا موجد تسلیم کیا جاتا ہے۔ فلکیات میں بھی عربوں نے بہت بڑے کارنامے انجام دیے چنانچہ سندھ ہند کا مترجم محمد انفزاری (متوفی 158ھ مطابق 774ء) فلکیات کا بہت بڑا عالم تھا۔ دوسرا شخص ابراہیم بن سلیمان (متوفی 160ھ مطابق 776ء) اس میدان کا بہت بڑا ہیرو تھا انھوں نے بہت سی کتابیں تالیف کیں۔

اصطرالاب کو نیا رنگ دیا اسی طرح بنی موسیٰ بن شاکر نے اس سلسلے میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ انھوں نے سامراشہر میں فلکیات پر ریسرچ کے لیے ایک رصدگاہ بنائی تھی، اسی طرح ابن جابر البتانی (متوفی (218ھ مطابق 930ء) کا نام قابلِ ذکر ہے۔ اسی طرح ہیئت دانوں میں علی بن یحیٰ النجم (متوفی 275ھ مطابق 888ء) نصیر الدین طوسی (متوفی 663ھ مطابق 1264ء) اور ابوریحان البیرونی مؤلف القانون المسعودی (متوفی (440ھ مطابق 1062ء) ابورجال القیروانی (متوفی 426ھ مطابق 1040ء) مؤلف کتاب البارع فی احکام النجوم اور ابن البنجار التلمسانی (متوفی (749ھ مطابق 1371ء) قابلِ ذکر ہیں۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ بیت الحکمت سے منسلک تین اہم شعبہ جات تھے۔ ترجمہ و تالیف کا شعبہ کتب خانہ کا شعبہ اور رصدگاہ، پورے عباسی دور میں ترجمہ و تالیف کا کام چلتا رہا لیکن جو تنظیم دور مامونی تک رہی بعد کے ادوار میں وہ تنظیم نہیں ملتی ہے۔ بعد کے ادوار میں جو مترجمین ترجمہ کے عمل میں مصروف ہوئے ان میں ابراہیم بن بکس۔ اسحاق بن علی، عیسیٰ بن زرعہ اور متی بن یونان قابل ذکر ہیں۔

بیت الحکمت نے اپنے خزینۃ الکتب کے اثرات کو بھی دور دور تک پھیلا دیا تھا۔ بعد کے ادوار میں سلاطین و امرا نے بے شمار کتب خانوں کے قیام کی طرف توجہ دی۔ مختلف علاقوں میں امرا و سلاطین بیت الحکمت کے طرز پر کتب خانوں کو قائم کرتے رہے۔ اندلس میں بڑے بڑے کتب خانے قائم کیے گئے مثلاً (1) کتب خانہ عبدالرحمٰن بن الحکم (التوفی 238ھ مطابق 852ء)۔ یہ اندلس میں بنوامیہ کا چوتھا خلیفہ تھا اس نے مدارس قائم کیے اور مدارس کے ساتھ کتب خانے بھی معرضِ وجود میں آئے۔[45]

(2) کتب خانہ محمد بن عبدالرحمٰن (متوفی (273ھ مطابق 886ء)۔ یہ علمائے حدیث سے خصوصی تعلق رکھتے تھے۔ یہ بہت بڑے کتب خانے کے مالک تھے اور ہر طرح کی کتابوں کا ذخیرہ قائم کرنے کا بہت شوقین تھے۔

(3) کتب خانہ محمد بن حزم (التوفی 282ھ مطابق 895ء)۔ یہ ایک قابلِ رشک کتب خانے کا مالک تھا اس نے اس قدر کتابیں جمع کیں کہ اس سے قبل کسی نے نہ کی تھیں۔[46]

یہ سب کچھ مغرب میں ہوا۔ مشرق میں بھی اسی طرح کے عظیم الشان کارنامے اس سلسلے

میں انجام دیے گئے۔ مستنصر باللہ 640ھ مطابق 1243ء کا کتب خانہ اور مدرسہ عباسی دور کا ایک زبردست کارنامہ ہے جس کی نظیر اس وقت روئے زمین پر موجود نہیں تھی۔ اس کتب خانے کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے لیے جو منتخب کتابیں آئی تھیں وہ ایک سو ساٹھ اونٹوں پر لاد کر لائی گئی تھیں۔

ان کتب خانوں کا سرتاج فاطمئین مصر کا کتب خانہ تھا۔ یہ کتب خانہ شاہی محل کا ایک حصہ تھا اور چالیس جدا جدا کتب خانوں پر مشتمل تھا جن میں سے ایک کتب خانہ میں صرف علوم قدیمہ یعنی فلسفہ وغیرہ کی صرف اٹھارہ ہزار کتابیں تھیں۔ کتب خانوں کو قائم کرنے کا شوق سلاطین اور والیانِ ملک تک محدود نہ تھا بلکہ اس زمانے کے اکثر علما اور عہدے داران ملکی کتب خانہ کو لازمۂ عزت سمجھتے تھے۔(47)

ان کے علاوہ بھی نہ جانے کتنے کتب خانے ہوں گے جن کے نام تاریخ سے اوجھل ہیں۔ مندرجہ بالا کتب خانے تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں ان کتب خانوں نے علم کی بقا کے لیے جو کارہائے نمایاں انجام دیے وہ رہتی دنیا تک تاریخ کے صفحات میں زندہ و جاوید رہیں گے۔ الغرض بیت الحکمت وہ زندہ و جاوید کارنامہ تھا جس کی بنا پر عالم اسلام میں بے مثل علمی ترقی ہوئی اور نامور حکما و فضلا اطبا اور موجد پیدا ہوئے۔ جن کے نام صفحات تاریخ میں بہت ہی نمایاں ہیں۔

دولتِ اسلامیہ میں جو علمی ترقی ہوئی یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بہت حد تک بیت الحکمت کی رہینِ منت ہے۔ اب ہم مختصراً ان علمی ترقیوں کا تذکرہ کرتے ہیں جن کو ہم بیت الحکمت کے اثرات میں شمار کر سکتے ہیں۔

یونانی تہذیب وہ سرچشمہ تھی جس سے عربوں نے دوسروں کی بہ نسبت خوب سیرابی حاصل کی۔ انھوں نے ارسطو کو اچھی طرح پہچانا اور ترجمہ و اصلاح کے ذریعہ مختلف علوم وفنون کو آگے بڑھایا جس کے نتیجے میں عالم اسلام میں فلسفۂ حکمت، ریاضی ہیئت طب، ادب اور اخلاق کے میدان میں سینکڑوں مشہور علما، عالم وجود میں آئے۔ ان میں سے حسن بن ھیثم علمِ بصریات کے موجد، شیخ الرئیس بوعلی ابن سینا (متوفی 428ھ مطابق 1037ء) ابوبکر محمد بن زکریا الرازی (متوفی 311ھ مطابق 933ء) جابر بن حیان، ابوالولید ابن رشد (متوفی 599ھ مطابق 1202ء) شریف الادریسی متوفی 457ھ مطابق 1066ء اور امام غزالی (متوفی 502ھ مطابق

1198ء قابلِ ذکر ہیں۔

بیت الحکمت میں مترجمین دن رات ترجمہ کے کام میں مصروف رہتے تھے اور ان کا نصب العین ہی قدیم کتب کا ترجمہ تھا یا ترجمہ شدہ کتابوں کی اصلاح تھا اور جن کی بدولت یونان کا بیشتر علمی سرمایہ عربی میں منتقل ہوگیا۔ اور ان ترجموں کی بدولت عربوں نے تحقیق کا ایک نیا میدان پایا اور ایک جدید تہذیب سے ہمکنار ہوئے۔ لیکن علمائے عرب نے ان تراجم کو عقل ونظر کی کسوٹی پر پرکھا اور باریک بینی سے ان کا مطالعہ کیا اور ایک بے لاگ تنقید نگار کی صفت سے متصف ہوئے۔ کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ اللہ نے علما کو خطاؤں سے محفوظ نہیں کیا۔ بلکہ طالب حق وہی ہے جو ان کے بارے میں کچھ بدگمانی بھی رکھے۔ اور جو کچھ ان کے بارے میں سمجھتا ہے۔ اس میں ٹھہر کر غور کرے اور دلیل و برہان کی اتباع کرے۔ یہ مترجمین زیادہ تر سریانی ہیں۔(48)

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بیت الحکمت میں بے انتہا تراجم کیے گئے۔ لیکن بقول صاحب کشف الظنون عیسائی مترجمین ذاتی شوق و علمی دلچسپی سے ترجمہ نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان سے کسی خلیفہ یا وزیر یا کسی بڑے شخص کی حکم کی تعمیل مقصود ہوئی تھی۔(49)

مامون کے زمانے میں اگر چہ کتابوں کے انتخاب اور ترجموں کی اصلاح کی طرف خاص توجہ کی گئی لیکن پھر بھی حنین وغیرہ نے جو ترجمے کیے وہ کچھ مبہم اور ایک دوسرے سے مختلف تھے۔(50)

لیکن مسلمانوں نے یونانی کتابوں کے تراجم کے ذریعہ سے جو یونانی علوم حاصل کیے ان میں...... ان عیسائیوں کے تراجم سے زیادہ صحت وضاحت اور دقّت نظری پائی جاتی تھی اور اس کے ساتھ انھوں نے خود بہت کچھ ایجادات واختراعات کی تھیں۔(51)

حواشی:

1. القرآن المجید، سورۃ القلم۔
2. محمد فاضل خان عہد بنوامیہ کے کتب خانے بحوالہ مجلۃ المعارف، ص 170 خصوصی شمارہ نمبر 2 اپریل/مئی 1985 طبع ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور۔
3. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ج 6 ص 130 طبع بیروت 1958۔
4. یہاں اختر جونا گڑھی، مسلمانان سلف اور مطالعہ کا شوق (روائداد ادارہ اسلامیہ اجلاس دوم)
5. ابن ابی اصیبعہ، بحوالہ رسائل شبلیؒ ص 21 طبع علی گڑھ 1898۔
6. ابن جلجل، طبقات الاطباء والحکماء، ص 63، طبع القاہرہ 1955۔
7. محمد فاروق خاں، حدیث کا تعارف، ص 50، طبع دہلی 1973۔
8. ابن سعد، الطبقات سے الکبریٰ، جلد نمبر ص 174، طبع بیروت 1958۔
9. شاہ معین الدین ندوی، تاریخ اسلام حصہ دوم، ص 356 طبع کراچی 1974۔
10. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج 6، ص 264 طبع بیروت 1958۔
11. برنی، مسلم اسپین، 534 طبع کراچی 1982 مجلۃ المعارف۔
12. مولوی عبدالرزاق کانپوری، البرامکہ، ص 124 طبع کانپور، 1897۔
13. ابن الندیم، الفہرست ص 255 طبع لاہور 1969۔
14. جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، ج 3، ص 206، طبع الہلال مصر 1902۔
15. شبلیؒ، المامون ص 175، طبع اعظم گڑھ۔
16. ای جی براؤن، طب العرب، ص 162، طبع لاہور 1969۔
17. ......اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، تاریخ اسلام، جلد دوم، ص 412 طبع دہلی 1987۔
18. ابن العبری، مختصر الدول، ص 436، طبع بیروت 1958۔
19. جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، جلد سوم ص 206، الہلال مصر 1902۔
20. نکلسن، تاریخ ادب عربی، جلد نمبر 1، ص 357، طبع کیمبرج 1976۔
21. اولیری، عربک تھاٹس، ص 212، طبع لندن 1956۔
22. بروکلمان تاریخ المسلمین ص 125، طبع لندن 1952۔
23. نیر واسطی، طب العرب، ص 163، طبع لاہور، 1969۔
24. جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، ج سوم ص 206، طبع الہلال مصر 1902۔
25. ابن الندیم، الفہرست، ص 243، طبع لاہور 1969۔
26. ابن خلدون، تاریخ اسلام، ص 402، طبع بیروت 1978۔
27. علامہ شبلیؒ، المامون، ص 180-179، طبع اعظم گڑھ 1957۔
28. مولوی عبدالرزاق کانپوری، البرامکہ، ص 114، طبع کانپور 1897۔
29. شبلی، مقالات ج 6، ص 68، طبع علی گڑھ 1898۔

30. شبلیؒ، مقالات، ج6، ص68 طبع علی گڑھ 1898۔
31. جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، ج3، ص187، طبع مصر 1902۔
32. ایضاً ص192
33. ایضاً ص193
34. بہاؤالدین آملی، کشکول، ص191 طبع مصر 1951۔
35. القفطی، تاریخ الحکما ص178 طبع دہلی 1945۔
36. ابن الندیم، الفہرست، ص613 طبع لاہور 1969۔
37. جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، جلد3، ص206 طبع الہلال 1902۔
38. علامہ شبلیؒ، مقالات، ص157 طبع علی گڑھ 1898۔
39. مولانا عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام، حصہ اول، ص95 طبع اعظم گڑھ 1953۔
40. ایضاً
41. مزمل حسین صدیقی، مقالہ فلکیات میں مسلمانوں کی تحقیقی کاوشیں اور ان کے اثرات المعارف شمارہ نمبر 2 اپریل مئی ص75، طبع لاہور۔
42. مولانا عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام حصہ اول ص94 طبع اعظم گڑھ 1953۔
43. علامہ شبلیؒ، المامون، ص168 طبع اعظم گڑھ 1957۔
44. فلپ متی، تاریخ عرب (انگریزی) ص410 طبع نیویارک 1968۔
45. سید منیر علی، اندلس کی اسلامی تاریخ، ص104 طبع کراچی 1968۔
46. محمد فاضل خان، عہد بنوامیہ کے کتب خانے، بحوالہ مجلۃ المعارف، ص177، خصوصی شمارہ، 25 اپریل مئی 1985 طبع ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور 26۔
47. علامہ شبلی، رسائل، ص29-28، طبع علی گڑھ 1898۔
48. فلپ متی، تاریخ عرب، ص310 طبع نیویارک 1968۔
49. حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ج ا ص448۔
50. ایضاً ص428۔
51. مولانا عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام، ج ا ص82 طبع اعظم گڑھ 1953۔

آٹھواں باب

عہدِ مامون کے مترجمین اوران کے علمی کارنامے

عہد عباسی میں اگر چہ بہت سے مترجمین پیدا ہوئے لیکن یہ امتیاز صرف مامونی دور کو حاصل ہے کہ مترجمین میں جولوگ بہترین فنکار تسلیم کیے گئے وہ سب کے سب اسی دورِ مامونی سے تعلق رکھتے ہیں۔ مورخین نے بالاتفاق سب سے زیادہ ماہر مترجمین میں چار اشخاص کو شمار کیا ہے۔ صاحب عیون الانباء لکھتے ہیں۔

"حُذاق الترجمتهِ فی الاسلامِ اربعةُ۔ حنین بن اسحاق ویعقوب بن اسحاق الکندی۔ وثابت بن قره الحرانی وعمربن الفرخان الطبری۔"[1]

ترجمہ: دورِ اسلام میں چار ماہر مترجمین ہوئے، یعنی حنین بن اسحاق یعقوب بن اسحاق کندی، ثابت بن قرہ اور عمر بن خان طبری۔

اس باب میں مفصل طور پر ان مترجمین کا تذکرہ کیا جائے گا جنھوں نے عہدِ مامونی میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ ایسے مترجمین کی تعداد جو ترجمہ اور اصلاح دونوں کام انجام دینے پر مامور تھے ان کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے۔ لیکن صرف ترجمہ کرنے والوں کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ حنین بن اسحاق دونوں کاموں پر مامور تھا اس لیے اس باب کی ابتدا اسی کی شخصیت سے کی جاتی ہے۔

''حنین بن اسحاق'' (شیخ المترجمین العرب)

حنین بن اسحاق کی کنیت ابوزید ہے یہ حیرہ کے عرب قبیلہ عباد کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے عبادی کے لقب سے مشہور ہوا۔

پیدائش: اس کی پیدائش بمقام حیرہ 194ھ مطابق 809ء اور مؤرخین کے مطابق 191ھ مطابق 806ء میں ہوئی ان کے باپ اسحاق دواسازی کا پیشہ کرتے تھے۔

تعلیم: حنین کی ابتدائی تعلیم حیرہ ہی میں ہوئی اس کے بعد وہ بصرہ چلا گیا اور زبان عربی کی تکمیل خلیل بن احمد بصری سے کی۔ جو لغاتِ عرب کا پہلا مدوّن اور فنِ عروض کا موجد ہے، یونانی زبان بلادِ روم میں جا کر سیکھی، رفتہ رفتہ دربارِ خلافت میں پہنچا اور جبرئیل بن بختیشوع کے توسط سے ......دربار کا مقرّب بن گیا۔[2]

عربی لسانیات کی تکمیل کے بعد طب کی طرف متوجہ ہوا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ حنین کو شاعری کا بھی اچھا ملکہ تھا۔ بغداد میں ان دنوں یوحنا ابن ماسویہ (متوفی 243ھ مطابق 857ء) کی طبی مجلسوں کا بڑا چرچا تھا وہاں جا کر یوحنا کی سرپرستی میں اس کے شفاخانے میں دواساز کی حیثیت سے ملازم ہوگیا۔ اسی دوران وہ یوحنا کے طبی دروس میں بھی شرکت کرتا تھا اور دوران درس کچھ پیچیدہ سوالات یوحنا سے کرنے کا عادی تھا لیکن طبعی طور پر یوحنا اس سے متنفر تھا کیوں کہ حنین کو تاجر کی اولاد سے سمجھتا تھا۔ اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ مؤلف عیون الانبائی طبقات الاطبا کی زبانی درج ذیل ہے۔

''یوسف بن ابراہیم کا بیان ہے کہ میں یوحنا بن ماسویہ کے درس میں حنین کے ساتھ شریک تھا اور طب کی کتاب فرق الطب کا درس لے رہا تھا۔ حنین کچھ پیچیدہ سوالات کرنے لگا یوحنا سے اس کا جواب نہ بن پڑا چوں کہ یوحنا حنین سے طبعی طور پر بھی متنفر تھا۔ کیوں کہ حنین کا تعلق حیرہ کے تاجروں سے تھا۔ اس لیے یوحنا کو اس کے سوالات گراں گذرے۔ یوحنا نے حنین کو ڈانٹ پلائی اور کہا جاؤ تمھیں طب سے کیا واسطہ صرّافی کی دوکان جماؤ اور یہ کہہ کر درس سے نکلوا دیا۔ حنین روتا ہوا مجلس سے باہر چلا گیا۔''[3]

حنین کو اس واقعہ سے سخت ذہنی صدمہ پہنچا لیکن ردِ عمل کے طور پر اس کے دل میں طب کے حصول کا شوق اور زیادہ پیدا ہوگیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ حنین کی جودتِ طبع کو دیکھ کر اولاً

یوحنا بہت ہی خوش ہوا۔ لیکن حنین کے کثرت سوال کو وہ ناپسند کرتا تھا اس لیے دوران درس مذکورہ بالا واقعہ پیش آیا۔ بہر حال اس واقعہ نے طلب علم کے راستہ کو اس کے لیے ہموار کر دیا اور اسی واقعہ کے بعد اس نے بلادِ روم کا سفر کیا اور یونانی زبان میں مہارت حاصل کی کیوں کہ اس کو احساس تھا کہ یونانی زبان اور علوم قدیمہ میں مہارت کے بغیر طب میں مہارت ممکن نہیں۔ کچھ دنوں تک اس نے اسکندریہ میں بھی اقامت کی اور یونانی علوم وادب کے حصول کے لیے کوشاں رہا۔ اس نے اس طرح مختلف سرزمینوں کی خاک چھان کر بیک وقت چار زبانوں میں مہارت حاصل کر لی، یعنی فارسی، یونانی، عربی، اور سریانی میں۔ جب حنین دوبارہ بغداد واپس آیا تو اس کا ہمدرس یوسف بن ابراہیم اس وقت وہاں موجود تھا اس نے فوراً اس کو پہچان لیا۔ رفتہ رفتہ اس نے جبرئیل بن بختیشوع سے ربط وضبط پیدا کیا۔ یوحنا ابن ماسویہ نے دوبارہ اس کو اپنے پاس بلوالیا اور اپنے سابقہ رویہ پر نادم ہوا۔

علمی سرگرمیاں: یہ وہ زمانہ تھا جب مامون علوم عقلیہ پر مشتمل جو کتابیں بلادِ روم میں حاصل ہوئی تھیں ان کے ترجمہ کی ضرورت محسوس کر رہا تھا اسی طرح درباری اطبا کو بھی تراجم کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ یہ حالات حنین کے لیے بہت سازگار ثابت ہوئے اور وہ جدوجہد سے دربار میں داخل ہو گیا۔ اسی عہد میں موسیٰ بن شاکر کے بیٹے علمی سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ انھوں نے حنین کی صلاحیت کو پہچانا اور ان لوگوں نے حنین کو مامون کے دربار سے منسلک کر دیا اس طرح بیت الحکمت میں ترجمہ اور اصلاح کے کام پر مقرر کیا گیا۔

احمد امین لکھتے ہیں۔

"اتـصلَ فی اول أمره بالمامون، وعُیِّن فی بیت الحکمته الذی کانَ یـذخُـربـالـکُتبِ الیونانیته الی نُقِلتْ من آسیا ا الصُغریٰ وَمِن القسطنطنیته فـاخـذحـنیـن یتـرجـمُ مـنصاالی السریانیته اولاً ثم الی العربیته ثمه ترجَمهَ لـلـمعتصم والواثق والمتوکل ولم یکتف بِمَاجُمِعَ فی بیت الحکمته بدرَحَدَ فی بدرَحَدَ فی نواحی العراق ومسافَرَالی الشام والاسکندریته وبلاد الروم یجمَعُ اکُتبَ النادِرةَ ومَاتَ سنة ۲۶۳ھ بعد أن عُمر نحوَسبعین عاماً بذل فیها من الجُهد العلمی مالا یستطیعُ غیرهُ ان ینهض فی مئات السنین۔" (4)

ترجمہ: علمی دنیا میں قدم رکھنے سے پہلے اس کی رسائی مامون تک ہوئی۔ اس نے اس کو بیت الحکمت میں مقرر کر دیا جہاں یونانی کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود تھا جو ایشیائے کوچک اور قسطنطنیہ سے لائی گئی تھیں۔ حنین ان کا پہلے سریانی میں ترجمہ کرتا تھا پھر عربی میں۔ اسی طرح اس نے معتصم، واثق اور متوکل کے لیے بھی ترجمہ کا کام کیا۔ اس نے صرف بیت الحکمت میں موجود ذخیرہ کتب پر اکتفا نہیں کیا بلکہ نادر کتابوں کی خاطر عراق، شام، اسکندریہ اور بلادِ روم کا سفر کیا۔

وفات: اس نے 264ھ مطابق 877ء میں ستر سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس قلیل مدت میں اس نے جو علمی کارنامے انجام دیے وہ سینکڑوں سالوں میں بھی دوسرے لوگ نہیں کر سکتے تھے۔

مامون نے حنین کو ترجمہ کے کام پر مامور کیا اور زرودولت سے مالا مال کر دیا مشاہرہ کے علاوہ صلہ اور انعامات کی کوئی حد نہیں تھی۔ مشہور یہ ہے کہ مامون ہر کتاب کے ترجمہ کے عوض کتاب کے برابر سونا تول کر دیتا تھا۔ لیکن حنین نے خود ایک رسالے میں دینار کے بجائے درھم کی تصریح کی ہے۔ مؤلف عیون الانباء فی طبقات الاطباء نے لکھا ہے کہ میں نے خود حنین کے بہت سے تراجم دیکھے جو اس کے کاتب ازرق کے ہاتھ کے تھے جس پر مامون کا شاہی نعرہ بنا ہوا تھا۔ مؤلف مذکور کو بیان ہے کہ یہ ترجمہ شدہ کتابیں نہایت جلی خط میں تھیں، کاغذ نہایت گندہ تھا ہر صفحہ پر صرف چند سطریں تھیں۔ غالباً حنین قصداً کتاب کی ضخامت کو بڑھانا چاہتا تھا۔ کیونکہ کتاب کے برابر تول کر اس کو چاندی ملتی تھی۔ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے جالینوس کے ذکر میں اس کی 121 کتابوں کے نام اور ان کے مضامین لکھے ہیں پھر لکھا ہے کہ تقریباً یہ سب کتابیں حنین نے عربی میں ترجمہ کیں، حنین نے ایک رسالے میں لکھا ہے کہ کتاب البرھان کی تلاش میں فلسطین، مصر، اسکندریہ اور تمام ممالک شام میں پھرا لیکن صرف نصف مقالہ دمشق میں دستیاب ہوا، جالینوس کی کتابوں کے تراجم دیگر مترجمین نے بھی کیے۔ لیکن حنین کے تراجم سے ان کو کچھ نسبت نہیں ہے۔[5]

ترجمہ کے میدان میں حنین کے ساتھ دیگر معاونین بھی اس کام کو انجام دیتے رہے۔ اس کے شاگردوں میں اس کا بیٹا اسحٰق اور اس کا بھانجا حبیش ہر قدم پر ترجمہ کے کام میں اس کی مدد کرتے تھے، اس طرح یہ تینوں مل کر ترجمہ کی تحریک کو سرگرمی سے آگے بڑھاتے رہے عموماً حنین

یونانی سے سریانی میں ترجمہ کرتا تھا اور پھر حبیش اس کو سریانی سے عربی میں منتقل کرتا تھا اور حنین اس پر نظر ثانی کرتا۔ حنین کے ساتھ دیگر معاونین میں موسیٰ بن خالد، یحییٰ بن ہارون اور اصطفان بن باسیل کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

حنین نے ترجمہ کے کام کے لیے کچھ قواعد منضبط کیے تھے اس سلسلے میں احمد امین لکھتے ہیں۔

"كَانَ يُترجمه بنفسِه، وَكَانَ يُشرِفُ علي جَماعةٍ تعمدُ بارشادهِ فقد جَعَلَ لَهُ المتوكل كُتّابانحاريرثالملين بالترجمة كانوا يُترجمون ويتمَفّح ماترجمُوا كاصطفن بن باسيد وموسىٰ بن خلدا التُرجماني ويحيىٰ بن هارون كانَ يُترجِمَ كثيراً ويولفُ كثيراً وكانَ يضَعُ احيانا الشَرحَ بمَاتُرجَمَ ويُلخّص الموطلات، ويُصَحّحُ تراجمَ السابقين و علي الجملة فقد كانَ حركةً علميةً دائمةً." (6)

ترجمہ: ''حنین بن اسحٰق خود ترجمہ کرتا تھا اور ایک جماعت کی نگرانی بھی کرتا تھا جو اس کی سرپرستی میں کام کرتی تھی۔ متوکل نے اپنے دور میں ماہر مترجمین کو اس کے ساتھ مقرر کیا۔ جو سب کے سب ترجمہ کے کام کرتے تھے اور حنین اس پر نظر ثانی کرتا تھا، اس میں اصطفن بن باسیل موسیٰ بن خالد اور یحییٰ بن ہارون شامل تھے، حنین بہت زیادہ ترجمہ کرتا تھا اور تالیف کا کام بھی کثرت سے کرتا تھا، ترجمہ شدہ کتابوں کی تشریح وطبسیط اور مطولات کی تلخیص، دونوں مشغولیات تھیں۔ مجموعی طور پر اس کی ذات ایک زبردست علمی تحریک کی حیثیت رکھتی تھی۔''

معاصرین: اس دور میں حنین کے ساتھ دیگر مترجمین بھی منظر عام پر آئے۔ اگرچہ عہدِ مامومانی میں ان میں سے کچھ کی سرگرمی نہ کے برابر رہی تھی، لیکن عہدِ عباسی کے دورِ ثانی (198ھ مطابق 813ء سے 300ھ مطابق 913ء تک) میں جو ترجمہ کا سنہرا دور تھا اس میں ان کو شہرت حاصل تھی اور وہ حسب ذیل ہیں۔

(1) **ثابت بن قرہ حرانی:** (متوفی 288ھ مطابق 901ء) یہ فرقہ صابئہ کا مشہور شخص تھا اور بہت بڑا عالم ومترجم تھا۔

(2) **قسطا بن لوقا:** (متوفی 299ھ مطابق 911ء) بعلبک کا مشہور فلسفی تھا جس کو ہیئت،

ہندسہ اور موسیقی میں مہارت حاصل تھی۔

(3) **یوحنا بن بطریق:** (متوفی 218ھ مطابق 833ء) یہ مامون رشید کا غلام تھا، یونانی، سریانی اور لاطینی زبانوں سے واقفیت رکھتا تھا۔

(4) **یحییٰ بن عدی، التکریتی:** متوفی(364ھ مطابق 974ء) یہ حنین کا شاگرد تھا اور بغداد میں اس کی وفات ہوئی۔

(5) **یوحنا بن ماسویہ:** (متوفی 243ھ مطابق 857ء) یہ حنین کا استاد تھا اور جبرئیل بن بختیشوع کا شاگرد تھا۔

حنین کی ثقافت ایک ہمہ گیر ثقافت تھی، جس میں مختلف ثقافتوں کی جھلک نظر آتی تھی اور ان تمام ثقافتوں کا اس کی شخصیت کو نکھارنے میں ایک خاص رول رہا۔ بیک وقت یہ چار زبانوں کا ماہر تھا، عربی، سریانی اور یونانی ثقافت سے اس کا گہرا تعلق تھا۔

ان ثقافتوں نے مل کر اس کی فکر کو دو پہلوؤں میں تقسیم کر دیا۔ ایک طرف ترجمہ کے کام کو بخوبی انجام دیا۔ کیونکہ علوم میں مہارت کی وجہ سے اس کام کا وہ اہل بھی تھا اور دو سو سے زائد یونانی کتابوں کے تراجم پر قادر ہو گیا، ان کتابوں میں جالینوس کی پچانوے کتابیں شامل ہیں۔ یہ طب کے علاوہ دیگر علوم سے بھی شغف رکھتا تھا مثلاً طبیعات، ریاضیات، نجوم، فلسفہ، تاریخ اور لغت وغیرہ۔ اور ان تمام علوم پر اس کی تالیفات اور تراجم موجود ہیں۔

حنین بحیثیت مترجم: حنین مترجم اور مصنف دونوں حیثیتوں سے نمایاں مقام کا مالک تھا لیکن مترجم کی حیثیت سے اسے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ فارسی، عربی، یونانی اور سریانی چاروں زبانوں میں بیک وقت مہارت رکھتا تھا۔ عام طور پر ترجمہ نگار باضابطہ فنی مہارت کے حامل نہیں ہوتے تھے، لیکن حنین کے لسانیاتی اور فنی دونوں پہلو مستحکم تھے۔ اس لیے وہ شہرت کے آسمان پر پہنچ گئے۔ اور بیک وقت کئی مختلف فنون کے تراجم پر قادر ہو گیا۔ حنین کا ترجمہ بہت دقیق ہوتا تھا اور سابق مترجمین کے برخلاف رکاکتِ لفظی اور اغلاط سے پاک وصاف ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یوحنا بن ماسویہ نے حنین کا ترجمہ پڑھ کر تعجب کا اظہار کیا اور کہا تھا۔

"اترى المسيح اوحىٰ فى دهرنا هذا الىٰ احدٍ؟ فقُلتُ لهٗ ما اَوحىٰ فى

هـذاهلدهرولافی غیرہِ الیٰ احدٍ فَقالَ لیس ھذا الاخراجُ الاخیراجُ مؤیدٍ برُوح القدس:"[7]

ترجمہ: اس نے بطور تعجب کہا کہ کیا مسیح نے اس دور میں کسی پر وحی بھیجی؟ میں نے کہا نہ اس دور میں اور نہ کسی اور دور میں مسیح نے کسی پر وحی بھیجی، تو اس نے کہا یہ ترجمہ کا کام اسی کا ہوسکتا ہے۔ جس کی تائید روح القدس نے کی ہو۔

ترجمہ کے وقت ان کو بہت سی مشکلات کا بھی سامنا ہوا۔ کیوں کہ ایسے بہت سے یونانی کلمات جن کے مماثل الفاظ سریانی اور عربی میں موجود نہیں تھے۔ حنین حتی الامکان ان یونانی الفاظ کا بدل تلاش کرتا تھا اور بدل نہ ملنے پر یونانی الفاظ کی تعریب بڑی خوب صورتی اور مہارت سے کرتا تھا اگر چہ بعض نقادوں نے حنین کے ترجمہ میں بعض خامیوں کی بھی نشاندہی کی ہے لیکن اکثر نقادوں کا اس پر اتفاق ہے کہ حنین کا ترجمہ تمام تراجم میں افضل ہے۔

احمد امین لکھتے ہی:

"تَـرُجَـمـتُ حـنیـن افـضـل، وَدِقّتُهـا اعظم، ویخیدُالـی الانسـان انّهـالیُسَـتُ نـتیـجةَ مجهودٍ صادقٍ فقط وَلکنَها نتیجتُ تمکنٍ وثیقٍ من اللغبةِ وحُسـنِ تـصـرُّفٍ فی مذاٰهبها ویتجلیٰ هذا فی سلامة التوفیق بین الیوماتیة والـعـربیتـه، والـدقة المتقاهیته فی التعبیرمَع الایجازِتلك میزاتُ فصاحتهِ حنین الی اِشْتَهَرِبهَا۔"[8]

ترجمہ: حنین کا ترجمہ سب سے عمدہ ہے اور بہت ہی دقیق ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہ صرف سچی کوشش کا نتیجہ ہے بلکہ زبان پر پوری قدرت اور اچھے استعمال کے تمام طریقوں کو بخوبی جاننے کا نتیجہ ہے۔ یہ بات یونانی اور عربی میں کامل موافقت کی عمدگی سے ظاہر ہوتی ہے اور اختصار کے ساتھ انتہائی دقیق بیان سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ یہ حنین کی فصاحت و بلاغت اور اس کی صحیح زبان دانی کی وہ خصوصیات ہیں جنھوں نے اسے شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا تھا۔

ترجمہ کرتے وقت حنین سلیس ترجمہ کو ترجیح دیتا تھا اور ترجمہ میں ابہام اور غموض کو ناپسند کرتا تھا۔ ابن الندیم کا بیان ہے کہ حنین یونانی سریانی اور عربی تینوں زبانوں میں فصاحت و بلاغت کا مالک تھا۔ حنین ان لوگوں میں سے ہے جنھوں نے ترجمہ کے سلسلے میں علمی اور تنقیدی

طریقے کو اختیار کیا وہ کسی ایک متن پر بھروسہ نہیں کرتا تھا بلکہ ترجمہ کرتے وقت متعدد نسخوں کو سامنے رکھتا تھا۔ مزید برآں متعدد علما کی آرا کو اکٹھا کر کے ان سب میں موافقت پیدا کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ حنین ترجمہ میں کمال کا اس حد تک متلاشی تھا کہ نوعمری میں جو تراجم اس نے کیے تھے ان سب پر اس نے نظر ثانی کی اس سلسلے میں اس کا بیان ہے۔

''کتاب الفرق کا ترجمہ نوجوانی میں یونانی نسخہ سے کیا تھا یہ یونانی نسخہ بہت خراب حالت میں تھا۔ جب میری عمر چالیس سال کی ہوئی تو میرے شاگرد حبیش نے اس کی اصلاح کی مجھ سے درخواست کی میں نے کئی یونانی مخطوطات کو جمع کیا اور ایک صحیح نسخہ کی ترتیب دی، اس نسخہ کا مقابلہ سریانی متن سے کیا۔ اس طرح اس نسخہ کی تصحیح کی اور یہی طریقہ میں نے تمام تراجم میں اختیار کیا۔''(9)

ترجمہ کے سلسلے میں حنین انفرادی ترجمہ پر یقین نہیں رکھتا تھا بلکہ اس نے اس غرض کے لیے ایک بورڈ قائم کیا تھا جس کو ترجمہ کا کام سپرد کیا تھا۔ اس بورڈ کے تراجم کی اصلاح اور مراجعت کا کام خود حنین کرتا تھا۔ اس بورڈ کے ترجمہ کی صحت اور خطا کا فیصلہ اسی کے اختیار میں تھا۔ اس کے ترجمہ کے سلسلے میں مؤلف عیون الانباء فی طبقات الاطباء لکھتے ہیں:

"فلمّا طَالَعتُها وتأملتُ ألفاظَهَا تبين لي. لين نقلِها وبين سته عشرة التي هِي نقلُ حنين، تُباين كثيرٌ وتفاوت بين وابنَ الامَكَنُ من البليغ والثَرىٰ مِن الثُريا." (10)

ترجمہ: میں نے جالینوس کی کتابوں کے تراجم کا مطالعہ کیا اور الفاظ میں غور کیا تو سولہ ترجمہ شدہ کتابوں میں جن کا ترجمہ حنین نے کیا تھا اور دوسروں نے بھی مجھ کو بہت فرق نظر آیا۔ اختلاف بالکل واضح تھا جیسے فصیح اور ہکلے میں فرق ہوتا ہے اور ثریا و تحت الثریٰ میں فرق ہے۔

طریقۂ ترجمہ: بہرحال حنین کا ترجمہ تنقیدی ہوتا تھا اور عصر جدید کے ترجمے سے اس میں مماثلت پائی جاتی تھی کیونکہ حنین حتی الامکان تمام موجودہ نسخوں کو اکٹھا کر کے ان میں مقابلہ کے بعد ترجمہ کرتا تھا۔ اگر کسی کتاب کا ترجمہ ایک ہی نسخہ سے کرتا اور بعد میں اس کا کوئی دوسرا نسخہ مل جاتا تو اپنے ترجمہ کا مقابلہ دوسرے نسخے سے بھی کرتا تا کہ غلطیوں کی اصلاح حتی الامکان کی جاسکے۔ حنین یونانی نسخوں کی تلاش میں ہر وقت سرگرداں رہتا تھا یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی دور

دراز علاقے میں کسی نسخے کا پتہ دیتا تو اس کے لیے فوراً سفر پر آمادہ ہو جاتا تھا۔ حنین نے انتہائی فصاحت کے ساتھ ایسے لغات سے تراجم کو مہیا کیا جن کو عام طور پر اس زمانے کے اطباء نہیں جانتے تھے۔ اگر ترجمہ کرتے وقت کسی یونانی لفظ کا بدل نہیں ملتا تھا تو یونانی لفظ کو عربی رسم الخط میں لکھ کر اس کی پوری تشریح کرتا تھا۔

حنین شہرت وعزت کے اعلیٰ مقام پر پہنچ گیا تھا۔ یہاں تک کہ خلیفہ متوکل (232ھ مطابق 847ء۔ 247 مطابق 861ء) کے زمانے میں رئیس الاطباء بن گیا۔ کہتے ہیں کہ اس تقرری سے قبل خلیفہ نے بطورِ امتحان اس سے ایک ایسی دوا تیار کرنے کو کہا جس سے خاموشی کے ساتھ دشمن کو ٹھکانے لگایا جاسکے۔ لیکن حنین نے انکار کیا تو خلیفہ نے اس کو قید و بند کی سزا دی۔ عام طور پر مورخین قید و بند کی سزا کو دوسرے واقعات سے جوڑتے ہیں اور وہ یہ کہ خلیفہ کو اس پر شک ہو گیا تھا اور رومیوں سے اس کے تعلقات کی بنا پر رومیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کا شبہ پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن حنین امتحان میں کامیاب ہو گیا اور قید و بند سے آزاد کر دیا گیا۔ حنین خود اقرار کرتا ہے کہ اس کے بہت سے حاسد پیدا ہو گئے خاص طور پر اس کے رشتے دار اور اس کے ہم نشین اس پر رشک و حسد کی بنا پر اس پر تہمت لگانے میں پیش پیش تھے۔[11]

وفات: حنین ستر (70) سال تک شہرت وعزت کے آسمان پر چمکتا رہا۔ پھر اپنے پیچھے بیش بہا علمی ذخیرے کو چھوڑ کر 264ھ مطابق 877ء میں اس دارِ فانی سے رحلت کر گیا۔

تراجم و تصانیف: حنین ترجمہ اور تالیف دونوں میدانوں میں کل 135 اہم کتابوں کا تخلیق کار سمجھا جاتا تھا جن میں 60 تراجم ہیں اور بعض کے نزدیک تراجم کی مجموعی تعداد 126 ہے۔ جن میں 112 طبی تراجم ہیں اور بقیہ 14 علوم متفرقہ سے متعلق ہیں۔ ان کے دستیاب مخطوطات کی تعداد 65 بتائی جاتی ہے جن میں 50 طبی مخطوطات ہیں۔[12] اور مطبوعات کی تعداد 9 ہے اور بعض کے نزدیک 25 ہے حنین کی چند مشہور تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) کتاب فی المنطق۔

(2) کتاب فی افعال الشمس والقمر۔

(3) مقالہ فی خلق الانسان۔

(4) کتاب نوادر الفلاسفۃ۔

(5) کتاب فی الآثار العلویۃ

(6) کتاب فی کیفیۃ ادراک الدیانۃ

(7) شرح کتاب الفراستہ لارسطاطالیس

(8) مقالہ فی المدوالجزر

(9) کتاب الیٰ علی ابن یحیٰ

طبی تصانیف

(1) کتاب خواص الاحجار

(2) کتاب المسائل (المدخل فی الطب)

(3) کتاب عشر مقالات فی العین

(4) کتاب التریاق

(5) شرح کتاب الغذاء لابقراط

(6) کتاب قوی الأغذیہ

(7) اختصار کتاب جالینوس فی الادویۃ المفردۃ

(8) کتاب فی النبض

(9) کتاب فی الحمیات

(10) کتاب فی معرفتہ اوجاع المعدۃ علاجھا

(11) کتاب فی حالات الاعضا

(12) رسالتہ فی قرص العود

(13) مقالتہ فی الدلائل

(14) کتاب فی البول مستخرج من کلام، ابقراط وجالینوس

(15) مقالتہ فی ماء البقول

(16) کتاب فی الیبس

(17) کتاب فی امتحان الاطباء

(18) کتاب الفوائد

(19) مقالتہ فی خلیق النفس

(20) کتاب فی تشریح آلات الغذا

تراجم: ذیل میں حنین کے کچھ تراجم کے نام دیے جارہے ہیں اس وضاحت کے ساتھ کہ انھیں کل نہ سمجھا جائے حنین کے تراجم جس قدر ہیں ان تمام کی فہرست کسی ایک کتاب میں ملنی مشکل ہے۔ مؤلف عیون الانباء نے اس کی تصانیف اور تراجم خلط ملط کر دیے ہیں یہی حال الفہرست کا ہے۔ یہاں پر اس کے چند تراجم کا نام بطور نمونہ درج کیا جاتا ہے۔ طب میں اس کے مشہور تراجم حسب ذیل ہیں۔

کتب ابقراط

(1) کتاب الفصول

(2) تقدمتہ المعرفہ

(3) کتاب الأخلاط

(4) کتاب الغذاء

(5) کتاب الکسور

(6) کتاب اوجاع النساء

(7) کتاب طبیعت الانسان

(8) کتاب قاطیطریون

(9) عہد ابقراط الی عناعتہ الطب

(10) کتاب المولودین عثمانیہ اشہر

فولس الاجانیطی

(1) کتاب علل النساء
(2) کتاب الکناش المعروف بہ کناش ثریا

دیسقوریدوس

(1) کتاب الحشائش

کتب جالینوس

(1) کتاب فی الفرق
(2) کتاب فی الصناعۃ الطبیعۃ
(3) کتاب فی النبض
(4) کتاب فی العظام
(5) کتاب فی المزاج
(6) کتاب فی القوی الطبعیۃ
(7) کتاب تشریح الحیوان المیت
(8) کتاب فی علم ارسطو فی التشریح
(9) کتاب فی تشریح آلات الصوت
(10) کتاب فی تشریح العین
(11) کتاب حیلۃ البرء
(12) کتاب فی العلل والاعراض
(13) کتاب تشریح الرحم
(14) کتاب فی الحاجۃ الی النبض
(15) کتاب فی العادات

کتب افلاطون

(1) کتاب السیاست

(2) کتاب نوامیس

(3) کتاب طیماؤس

کتب ارسطاطالیس

(1) کتاب قاطیغوریاس

(2) کتاب باری ارمیناس

(3) انولوطیقا

(4) الکون والفساد

(5) کتاب النفس

(6) کتاب الاخلاق

(7) کتاب الالٰہیات

مخطوطات: حنین بن اسحٰق کے دستیاب مخطوطات دنیا کے مختلف لائبریریوں میں موجود ہیں۔ جن میں سے کچھ کتب خانوں کے نام دیے جارہے ہیں (1) رضا لائبریری رام پور (2) برٹش میوزیم لندن (3) دارالکتب مصر (4) اجمل خاں طبیہ کالج علی گڑھ (5) خدابخش لائبریری پٹنہ (6) آصفیہ حیدرآباد (7) استنبول کی لائبریری (8) ایاصوفیہ (9) مکتبہ ملی حیدرآباد (10) حکیم حلب (11) قرولباغ طبیہ کالج (12) جامع ازھر مصر (13) حکیم سید ظل الرحمٰن علی گڑھ۔

دستیاب مخطوطات

(1) کتاب مسائل حنین

(2) کتاب الاغذیۃ

(3) کتاب فی مسائل العین

(4) کتاترکیب الادویۃ

(5) جوامع جالینوس فی اسرار النساء

(6) مقالۃ فی الحمام

(7) کتاب اسطقسات

(8) کتاب المزاج

(9) کتاب الفرق الطبعیۃ

(10) کتاب العلل والاعراض

مطبوعات

(1) کتاب اسباب الامراض لجالینوس

(2) کتاب التشریح لجالینوس

(3) کتاب فرق الطب لجالینوس

(4) کلام جمعہ، حنین بن اسحق

(5) کتاب ترکیب العین وعلاجہا

(6) اسباب الامراض لجالینوس

یعقوب بن اسحاق الکندی

ابو یوسف یعقوب بن اسحاق الکندی عرب کے قبیلہ کندہ سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ امرائے عرب کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ تھا۔ اس کے باپ اسحاق بن صباح نے تین حلفائے عباسی مہدی، ہادی اور رشید کے زمانے میں سرکاری عہدوں پر کام کیا۔ وہ کوفہ کی گورنری پر بھی مقرر ہوا تھا۔

پیدائش: اس کی تاریخ پیدائش کی تعیین مورخین نے نہیں کی ہے، تاہم یہ بات مسلم ہے کہ وہ مامون کے عہد میں موجود تھا۔ اور متوکل کی وفات کے زمانے تک زندہ رہا۔ اس کا باپ کوفہ کا گورنر تھا اور کندی کی پیدائش اسی شہر میں ہوئی تھی لیکن ابن جلجل نے اس کو بصرہ کا باشندہ قرار دیا ہے اور اس کی تعلیم و تربیت بھی اسی شہر میں بتائی ہے۔[13]

مذہب: ابتدا میں وہ یہودیت اور بعض کے نزدیک عیسائیت کا پیروکار تھا، پھر بعد میں حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ لیکن یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ حقیقت یوں ہے کہ کندی مسلمان خاندان میں ہی پیدا ہوا تھا، اس کے آبا و اجداد بھی مسلمان تھے۔ جیسا کہ مؤلف حکمائے اسلام "چہار مقالہ" کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

"حالانکہ خود اُو و آباء و اجدادِ اُو اَزْ اَشْہرِ مُسلِمِین بُودَہ اَنْدِ اِیں حکایت کہ بنائے آں بَرچُنیں اَمری باطل و اَساسی و آہی اَسْت خود اَزْ اصل باطل وا کاذیبا روایتِ وخرافاتِ قُصّاص است۔[14]

ترجمہ: خود کندی اور اس کے آبا و اجداد مشہور مسلمانوں میں سے تھے اس طرح یہ حکایت جس کی بنیاد غلط اور کمزور ہے خود بخود باطل ہو جاتی ہے اور یہ راویوں اور قصہ گویوں کے

خرافات میں سے ہے۔"

تعلیم وتربیت: اگر چہ اس کی ابتدائی تعلیم بصرہ میں ہوئی لیکن اصل تعلیم اس ۔ نے بغداد آ کر حاصل کی اس نے طب وفلسفہ، حساب و ہندسہ اور منطق علوم نجوم تمام علوم کو حاصل کیا۔ وہ یونانی، فارسی اور ہندی فلسفہ کی تمام شاخوں سے واقفیت رکھتا تھا۔

ابن جلجل کے بقول مسلمانوں کا سب سے پہلا فلسفی یہی کندی ہے،[(15)] اس نے کن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اس بارے میں مؤرخین خاموش نظر آتے ہیں، لیکن چونکہ یہ بہت بڑا مترجم تھا اس لیے اتنا ضرور گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ ماہر اساتذہ سے فیضیاب ہوا ہوگا۔ اور اس زمانے میں رائج زبانوں میں سے عربی کے علاوہ یونانی یا سریانی ضرور جانتا ہوگا۔ علوم میں مہارت کی وجہ سے ہی اس کو مامون کے دربار میں بے شمار اعزازات حاصل ہوئے اور اس دور کے مشہور ترجمہ نگاروں میں اس کا شمار ہونے لگا۔ مامون کے بعد معتصم نے بھی اس کی قدردانی کی اور اس کو اپنے بیٹے احمد کا استاد مقرر کیا۔[(16)]

یعقوب کندی وہ پہلا شخص تھا جس کو علمائے اسلام نے فیلسوف کا لقب دیا۔

یعقوب کندی ہی کی بدولت عربوں کی نسل سے غیر زبانوں کے ماہر اور فلسفی کا وجود تسلیم کیا گیا۔ مامون کے زمانہ سے چوتھی صدی کے آغاز تک تمام مسلمانوں میں اس کی تصنیفات رائج تھیں اور ارسطو کی تصنیفات کے ہم پلہ خیال کی جاتی تھیں۔ اس نے ترجمہ کے سلسلے میں سب سے بڑا کام یہ کیا کہ اصل کتاب میں جو مشکلات اور پیچیدگیاں تھیں ان کو دور کر دیا۔ مامون نے اس کو خاص طور پر ارسطو...... کی کتابوں کے ترجمہ پر مامور کیا تھا۔[(17)]

یعقوب کندی کے بارے میں ابن جلجل کے حوالہ سے مؤلف عیون الانباء لکھتے ہیں:

اِنَّ یعقوبَ بن اسحاق الکندی شریف الاصبل بصری کانَ جدُّهُ وُلّی الولایاتِ لنبی هاشم۔ ونَزَلَ البصرة وضیعَتُه هُنالِك۔ وانتقلَ الیٰ بغداد وهُنالك تأدب وکانَ عالماً بالطِب والفلسفة وعلم الحساب والمنطق و تالیف اللّحون والهندسة وطلبائع الاعد اووعلمه النجوم ولم یکُنُ فی الاسلام نیلسوف غیره۔ احتذی فی توالیفِه حذواارسطاطالیس ولهُ توالیفُ کثیرةُ فنونٍ من العلم، وحذم الملوك فَباَشَرهُمُ بالارب وترجَمَ مِنُ کُتب الفلسفة

الکثرة واوضَعَ منها المشکل ولَخص اُلمستَغصَبَ وبَسَط العریصَ۔"[18]

ترجمہ: یعقوب بن اسحاق کندی بصرہ کا ایک شریف النسب باشندہ تھا، اس کے دادا بنوہاشم کے عہدیداروں میں سے تھے، اس کی جائداد بصرہ میں تھی، اس نے بغداد جا کر علوم کی تکمیل کی تھی، طب، فلسفہ، حساب، منطق، موسیقی ہندسہ خواص عدد اور علم نجوم سے پوری پوری واقفیت رکھتا تھا، اسلام کا یہ پہلا فیلسوف تھا، اس نے اپنی تصنیفات میں ارسطو کی پیروی کی، مختلف فنون میں اس کی بہت سی تالیفات ہیں، یہ بادشاہوں کی خدمت میں رہا اور بہت ہی ادب ووقار سے ان کی خدمت کی، فلسفہ کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا، مشکل مقامات کی توضیح کی اور پیچیدہ عبارتوں کی تلخیص کی اور غامض عبارتوں کی تشریح کی۔"

ابن الندیم نے اپنی کتاب میں کندی کے طویل سلسلۂ نسب کا تذکرہ کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ تمام علوم قدیمہ میں مہارت ومعرفت کے اعتبار سے فاضلِ دوراں اور یگانۂ روزگار تھا، اسے فیلسوف عرب کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا، ویسے یہ ایک بخیل آدمی تھا، ہم نے فلاسفہ طبعیین کے گروہ میں اس لیے اس کا ذکر کیا ہے کہ مرتبہ علم میں اسے تفوق حاصل ہے اور اس میدان میں اس کا بھی ایک اہم مقام ہے۔[19]

کندی نے مامون اور معتصم کے زمانے میں حکومت کے سایۂ عاطفت میں ایک مدت دراز تک بہت خوش حالی کے ساتھ زندگی بسر کی، اس نے اپنی زندگی فلسفہ ارسطو کے مطالعہ اور تحقیق کے لیے وقف کر دی تھی، اور بعد میں اس نے فلسفہ ارسطو پر شرحیں لکھیں اور تعلیقات کا اضافہ کیا۔ یونانی فلسفہ سے اس کے خیالات میں پختگی اور دائرہ فکر میں وسعت پیدا ہوئی۔

تیسری صدی ہجری میں فضلائے معتزلہ، اکابر علما اور مجتہدین اور آزاد خیال مفکرین کا جمگھٹا تھا جن پر بعض متشددین نے الحاد کا الزام لگایا تھا، اس قسم کے علما میں نظام، حافظ اور واصل بن عطا ہیں۔ کندی نے ان علما کی تقلید کی، اور ان کے خیالات سے استفادہ کیا، اس نے اپنی کتابوں میں بہت سی باتیں بیان کی تھیں۔ جو روشن بصیرت کے مطابق تھیں۔ لیکن جہلا کی گرفت سے وہ بچ نہ سکا۔ اور متوکل سے اس کی شکایت کی گئی، متوکل نے جلد بازی میں آ کر اس کو سزا دی اور اس کی ساری کتابیں چھین لیں۔[20]

متوکل کے دربار میں کندی کے خلاف شکایت کرنے والوں میں موسیٰ بن شاکر کے

بیٹے محمد اور احمد پیش پیش تھے اور کندی کی ضبط شدہ کتابوں کو اس نے ایک مستقل کتب خانہ کی شکل دی تھی، جس کا نام کتب خانہ کندیہ رکھا لیکن بعد میں سند بن علی کی سفارش سے یہ تمام کتابیں واپس کر دیں۔ اور یعقوب بن کندی کو اپنا تمام علمی سرمایہ واپس مل گیا۔[21]

فلسفہ: کندی اپنے عہد میں طبیب سے زیادہ فلسفی یا منجم کی حیثیت سے شہرت رکھتا تھا۔ تذکروں میں اس کو عملی اطبا کی فہرست میں بہت کم لوگوں نے شامل کیا ہے لیکن اس کے برخلاف منجم کی حیثیت سے بالاتفاق تمام تذکرہ نگاروں کے یہاں یہ معروف ومشہور ہے۔ اس نے علومِ نجوم کے سلسلے میں بہت سے مسائل کا استخراج کیا اور فلکیات کی پیائش بھی کی اس کو علم ہندسہ سے بہت زیادہ شغف تھا اور ریاضی کے اصولوں کو علم طب پر چسپاں کرتا تھا۔

کندی ہمہ گیر طبیعت کا مالک تھا، ممکن ہے اس نے علوم میں نئی تحقیقات کی ہوں اس کے مذہبی خیالات معتزلی طرزِ فکر کے ہیں۔ وہ نبوت پر ایمان رکھتا تھا اور اس نظریہ کا قائل نہیں تھا کہ علم کا تنہا ذریعہ عقل ہے اور اس کے سوا کسی ذریعہ کی ضرورت نہیں وہ نبوت پر ایمان کے عقیدے کو عقل سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ دنیا ایک قدیم واحد علت سے وجود میں آئی۔ اس علت کا ادراک تفصیل کے ساتھ ہمارا علم نہیں کر سکتا لیکن اہلِ نظر اسے ربانی مانتے ہیں۔ کندی کے نزدیک خلق کے سلسلے میں خدا اور عالم کے درمیان بہت سے واسطے ہیں۔ اور دنیا کے کل حوادث میں علت ومعلول کا علاقہ موجود ہے۔ کندی عقل کی چار قسمیں قرار دیتا ہے اولاً وہ عقل جو دائمی حقیقت رکھتی ہے اور کائنات میں تمام معقولات کی علت ہے یعنی خدا یا عقلِ اول دوسری عقل بحیثیت نفس انسانی، تیسری عقل بحیثیت نفس کی حقیقی جبلت کے چوتھی عقل بحیثیت فعل کے۔ کندی معتزلی عالم اور نوفلاطونی فلسفی تھا۔ اس کے علاوہ نوفیثا غورثی خیالات بھی رکھتا تھا، نوفلاطونی انداز سے وہ ارسطو اور افلاطون کے خیالات میں تطابق کی کوشش کرتا تھا۔ ارسطو کی طبیعات اور اسکندر افرودیسی کی شرح کا اس پر گہرا اثر پڑا۔ اس کے اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا اصل میں بالفعل نہیں بالقوۃ قدیم ہے اور حرکت دائمی ہے کندی اپنے عہد کے عجائب پرست فلسفہ سے پرہیز کرتا تھا وہ کیمیا کو ابلہ فریبی سمجھتا تھا۔ وہ ان چیزوں کے کرنے کو انسان کے لیے ناممکن سمجھتا تھا۔ جنھیں صرف فطرت کر سکتی ہے۔[22]

بحیثیت مُترجم: کندی کا شمار عباسی دور کے مشہور مترجمین میں کیا گیا ہے۔ تمام تذکروں

میں لکھا ہے کہ اس نے فلسفہ کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا اور فلسفہ کی شکل کتابوں کی توضیح و تلخیص اور تفصیل کی۔ اس کی تصنیفات کی ایک طویل فہرست ہے جسے عیون الانباء فی طبقات الاطباء چار پانچ صفحوں میں نقل کیا گیا ہے ابن ابی اصیبعہ نے ابومعشر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عہدِ اسلامی میں چار مترجمین شہرت کے مالک تھے یعنی حنین بن اسحاق، ثابت بن قرہ، عمر بن فرخان اور یعقوب بن اسحاق الکندی۔ فرق صرف یہ تھا کہ اول الذکر تینوں مترجمین پیشہ ورانہ ترجمہ کرتے تھے۔ مگر کندی پیشہ ور مترجم نہیں تھا۔

وفات: کندی کی سنہ وفات کی تعیین میں بھی مورخین میں اختلاف ہے۔ مؤلف حکمائے اسلام نے اس کی تعیین نہیں کی ہے اور لکھا ہے کہ کندی 257ھ مطابق 870ء میں زندہ تھا لیکن اس کے بعد کسی سنہ میں وفات پائی اس کا صحیح حال معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن مؤلف تاریخ فلاسفۃ الاسلام نے مختلف محققین کے حوالہ سے اس کا سنہ وفات 247ھ مطابق 861ء اور 260ھ مطابق 873ء درج کیا ہے۔ بہرحال یہ امر ثابت شدہ ہے کہ وہ 198ھ مطابق 813ء میں سن شعور کو پہنچ چکا تھا۔ کیوں کہ مامون کی تخت نشینی کا یہی سال ہے اس لحاظ سے وفات کے وقت اس کی عمر تقریباً ستر برس رہی ہوگی۔

تلامذہ: یعقوب کندی کا مشغلہ درس و تدریس اور تصنیف تالیف تھا اس کے تلامذہ او رکاتبین متعدد تھے، ان میں حسنو یہ، نفطو یہ، سلمو یہ، رحمیہ اور احمد بن الطیب کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ سلمو یہ اور احمد بن الطیب کے حالات کتب تذکرہ میں بھی ملتے ہیں۔

سلمو یہ، معتصم کا طبیب تھا اور اسکا کاتب بھی تھا، معتصم اس کی بہت قدردانی کرتا تھا اور اس کا درجہ قاضی القضاۃ سے بھی بڑا مانتا تھا۔ سلمو یہ کے انتقال پر معتصم کو بڑا غم ہوا اور عیسائیوں کے دستور کے مطابق شمع و بخور کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی۔

احمد بن الطیب سرخس کا رہنے والا تھا۔ خلیفہ معتضد کا استاذ بھی تھا اور امور سلطنت میں اس کا مشیر بھی اور یہی سبب اس کے قتل کا بھی ہوا۔ یہ یعقوب کندی کے مخصوص تلامذہ میں سے تھا۔ (23)

اولاد: مؤلف طبقات الاطباء نے اس کے ایک لڑکے ابوالعباس کا تذکرہ کیا ہے۔ جس کو کندی نے ایک بڑی اچھی نصیحت کی تھی...... اس نے کہا تھا۔

"یـا بُـنَـیّ الابُ ربٌّ والاخُ فـخٌ، والـعـم غمٌ، والـخـالُ وَبالٌ والولدُمکهُ والاقارِبُ عقارب وقولُ لایصرفُ البلاء وقول نعم یزیل النعم"[24]

ترجمہ: یعنی اے میرے پیارے بیٹے! باپ رب کے مانند ہے اور بھائی جال کے مانند، چچا غم واندوہ ہے، ماموں وبال جان ہے، اولاد باعثِ پریشانی ہیں اور رشتہ دار بچھو کے مانند ہیں، نہیں کہنے سے بلا ٹلتی ہے اور ہاں کہنا نعمت کے زوال کا سبب ہے۔

تالیفات: کندی کی اکثر وبیشتر تالیفات فلسفہ کے موضوع پر ہیں یہ ارسطو کا بہت بڑا شارح تھا۔ کندی کی تالیفات مختلف علوم مثلاً فلسفہ سیاست اخلاق، حساب، ہیئت، موسیقی، جغرافیہ، طب، نجوم، علم النفس وغیرہ پر مشتمل ہیں۔

کندی کی کتابوں کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس کی تالیفات میں دینی مسائل سے بہت کم تعرض کیا ہے البتہ واجب الوجود سے متعلق خاص عقیدے کی بنا پر اس کو ہمعصروں کی مخالفت سے دوچار ہونا پڑا۔[25]

کندی کی تالیفات کی تعیین میں اختلاف ہے، ابن الندیم نے 226 کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ مؤلف طبقات الامم نے اس کی تعداد 50 سے اوپر بتائی ہے۔ ظاہر ہے یہ ان کی اہم کتابوں کی تعداد ہوگی۔ مؤلف عیون الانباء نے 273 کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ مؤلف تاریخ فلاسفۃ الاسلام نے اس کی تصانیف کی مجموعی تعداد 24 لکھی ہے۔ ذیل میں کچھ تصانیف کی فہرست دی جارہی ہے۔

(1) فلسفہ	بائیں	(22)
(2) نجوم	انیس	(19)
(3) فلکیات	سولہ	(16)
(4) مناظرہ	سترہ	(17)
(5) علم الحوادث	چودہ	(14)
(6) ہیئت	آٹھ	(8)
(7) حساب	نو	(9)
(8) ہندسہ	بائیس	(22)

(9) طب	بائیس	(22)
(10) علم السیاست	بارہ	(12)
(11) طبعیات	تینتیس	(33)
(12) منطق	نو	(9)
(13) موسیقی	سات	(7)
(14) علم النفس	پانچ	(5)
(15) تصوف	پانچ	(5)
(16) تقویم	دس	(10)
(17) اصطرلاب	آٹھ	(8)

اس مؤلف کے بیان کے مطابق اب تک ان کی آٹھ دستیاب کتابوں کا پتہ لگا ہے۔ لیکن بعض لوگوں نے 15 دستیاب مخطوطات کا پتہ دیا ہے۔[26]

اہم تصانیف وتراجم

فلسفہ

(1) کتاب فلسفہ الاولی مشتمل علی الطبعیات والتوحید۔

(2) کتاب الحث علی تعلم الفسلفہ۔

(3) کتاب فی قصد ارسطاطالیس فی المنطق

(4) کتاب فی المقیاس العلمی

(5) کتاب فی اقسام العلم

(6) کتاب الفاعلہ والمنفعلہ من الطبعیات

(7) کتاب فی اعتبار الجوامع الفکریہ

(8) کتاب فی قسمت القانون

(9) رسالتہ فی ماھیتہ العقل

(10) کتاب فی الرفق فی الصناعات

علم المنطق

(1) کتاب المدخل المنطقی المستوفی

(2) کتاب المدخل المختصر

(3) کتاب المقولات العشر

(4) کتاب فی البرھان المنطقی

(5) رسالۃ فی الاصول الخمسۃ

(6) رسالۃ فی سمع الکیان

علم الحساب

(1) رسالۃ فی المدخل الی الارشماطیقی

(2) رسالۃ فی الحساب الھندی

(3) کتاب فی تالیف الاعداد

(4) رسالۃ فی الکمیۃ المضافۃ

(5) رسالۃ فی النصب الی زمانیۃ

(6) رسالۃ فی الحیل العددیۃ وعلم اضمارھا

علم الھیئت

(1) رسالہ فی ان العالم وکل ما فیہ کرۃ

(2) رسالۃ فی الکریات

(3) رسالۃ فی ان سطح الماء کرۃی

(4) رسالۃ فی تسطیح الکرۃ

(5) رسالۃ فی عمل الحلق الست واستعمالھا

علم الموسیقی

(1) الرسالۃ الکبریٰ فی التالیف

(2) کتاب ترتیب النغم

(3) کتاب المدخل الی الموسیقی

(4) رسالۃ معنی الایقاع

(5) رسالۃ فی جز صناعۃ الشعراء

علم النجوم

(1) رسالۃ فی کیفیات نجومیۃ

(2) رسالۃ فی سطح الشعاع

(3) کتاب فی الفصلین

(4) رسالۃ فیما ینسب الیہ کل بلدٍ من البلدان

علم الھندسۃ

(1) کتاب اغراض کتب اقلیدس

(2) کتاب اصلاح اقلیدس

(3) کتاب اختلاف المناظر

(4) کتاب تقسیم المثلث والمربع

(5) کتاب البراھین المساحیۃ

علم الفلک

(1) کتاب فی العالم الاقصیٰ

(2) کتاب فی ظاہریات الفلک

(3) کتاب فی الصور

(4) کتاب فی المناظر الفلکیۃ

(5) کتاب فی تناھی جرم العالم

علم التمویم (احکامیات)

(1) کتاب تقدم المعرفۃ بالاشخاص العالیۃ

(2) کتاب فی منفعۃ الاختیارات

(3) کتاب حدود الموالید

(4) کتاب تحویل سمت العالم

(5) کتاب مدخل الاحکام علی المسائل

علم المناظرۃ۔جدلیات

(1) کتاب الرد علی الوثنیۃ

(2) کتاب الاحتراس عن خداع السونسطائیہ

(3) کتاب فی الاستطاعۃ وزمان کونھا

(4) کتاب فی جواھر الاجسام

(5) کتاب البرھان

(6) کتاب فی جزء الذی لا تجزیٰ

(7) کتاب القول فی اوائل الاجسام

علم النفس

(1) کتاب فی ان النفس جوھرُ بسیطُ غیر دائرُ

(2) کتاب فی ماھیۃ الانسان

(3) کتاب اجتماع الفلاسفۃ علی الرموز

(4) کتاب فی علۃ النوم

(5) کتاب فی علۃ النوم والرویاو ماتو مربہ النفس

علم السیاستہ

(1) رسالۃ فی السیاستہ

(1) رسالۃ فی الأخلاق

(2) رسالۃ فی السیاستہ العامتہ

(3) کتاب فی الفاظ سقراط

(4) رسالۃ فی التنبیہ علی الفضائل

علم الحوادث۔احداثیات

(1) کتاب العلتہ الفاعلتہ القریبتہ اللکونِ والفساد

(2) کتاب ماھیتہ الزمان والحین والدھر

(3) کتاب فی علتہ الصباب

(4) کتاب فی الاثر الذی یظہر فی الجو یسمی الدوایۃ

(5) کتاب فی علتہ بردأیام العجوز

علم الاصطراب۔(ابعادیات)

(1) کتاب فی المساکن

(2) کتاب فی ابعاد الاجرام

(3) کتاب فی استخراج بعد مرکز القمر عن الارض

(4) کتاب معرفتہ ابعاد قلل الجبال

(5) کتاب فی الکون فی الربع المسکون

علم الطبعیات۔(انواعیات)

(1) کتاب انواع الجواھر الثمینتہ

(2) کتاب فی انواع الحجارۃ

(3) کتاب فی النحل وکرائمہ

(4) کتاب فی المدوالجزر

(5) کتاب فی الاجرام الھابطتہ

(6) کتاب فی الخیل والبیطرۃ

(7) کتاب فی عمل المرایاالمحرقتہ

(8) کتاب فی عمل المرایاالمحرقتہ

(9) کتاب فی الحشرات

(10) کتاب کیمیاءالعطر

علم الطب

(1) کتاب الطب الروحانی

(2) کتاب فی وجع المعدۃ والنقرس

(3) کتاب کیفیتہ الدماغ

(4) کتاب تدبیر الاصحاء

(5) کتاب فی الغذاء والدواء

(6) کتاب فی علۃ نفث الدم

(7) کتاب کیفیۃ اسہال الادویۃ

(8) کتاب فی القرابادین

کندی کی مطبوعات

(1) رسالۃ فی العقل۔ یہ قاہرہ سے طبع ہوا ہے

(2) رسالۃ فی الملک العرب و کمیۃ۔ یہ رسالۃ کتاب الابحاث الشریفہ میں 1857 میں شائع ہوا۔

(3) رسائل الکندی الفلسفیۃ

کندی کے دستیاب مخطوطات

کندی کے دستیاب مخطوطات دنیا کی مختلف لائبریریوں میں موجود ہیں جن میں سے کچھ کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) کتب خانہ میونخ

(2) کتب خانہ ایاصوفیا

(3) کتب خانہ طہران

(4) کتب خانہ اسکندریہ

(5) دارالکتب مصر

مخطوطات

(1) کتاب التفرق فی کیمیاء العطر والتصعیدات من قبل الطب

(2) رسالۃ الی بعض اخوانہ فی الامراض البلغمیۃ العظام

(3) کتاب تقویم الصحۃ

(4) کتاب الباہ

(5) رسالۃ فی معرفۃ قوی الادویۃ المرکبۃ

(6) رسالۃ فی الاطعمۃ

(7) رسالۃ فی عظمۃ الطب

(8) رسالۃ فی علۃ الجذام

(9) رسالۃ فی الحمام

(10) اختیارات ابی یوسف الکندی لادویۃ المجربۃ وھی الاقرباذین۔

(11) رسالۃ فی بنیان الاعضاء الرئیسۃ فی جسم الانسان

(12) رسالۃ فی الحیل لدفع الاحزان

(13) تقدمۃ المعرفۃ

(14) ماھیۃ النوم والرؤیاء

(15) کتاب تقویم الصحۃ

یوحنا بن ماسویہ

ابوزکریا یحییٰ بن ماسویہ یا یوحنا بن ماسویہ عہدِ عباسی کا ایک فاضل طبیب تھا۔ خلفا کے یہاں اس کو خاص مقام حاصل تھا۔ بہت بڑا عالم اور مصنف بھی تھا۔ یہ عباسی خلفا مامون، معتصم، واثق اور متوکل کے عہد میں معزز و محترم رہا۔ تذکرہ نگاروں نے اس کی سنہ ولادت کی تعیین نہیں کی ہے۔ بہرحال یہ دورِ مامونی کا بہت بڑا فاضل طبیب اور مترجم تھا۔ اس کا باپ جدیسا پور کے بیمارستان کا ملازم تھا اور دواسازی کا پیشہ کرتا تھا۔ جبرئیل بن بختیشوع نے اس کو بغداد کے بیمارستان کی خدمت کے لیے بلا لیا اور اسی ماحول میں یوحنا کی پیدائش ہوئی۔ فطری طور پر اپنے دواساز باپ کے سایۂ عاطفت میں بیٹے نے بھی اس فن سے روشناسی حاصل کی اور اس فن سے اس کو قلبی لگاؤ پیدا ہو گیا۔ چوں کہ اس بیمارستان کا تعلق بغداد سے بہت قریبی تھا اس لیے بغداد کے خاص طبیب جبرئیل بن بختیشوع کا تعلق بھی جندیسا پور کے شفاخانہ سے تھا، اور وہاں کے ملازمین کی بغداد میں قدردانی تھی۔ اس طرح یوحنا نے جس ماحول میں پرورش پائی وہ جندیسا پور کا ہی ماحول تھا۔ اور اپنے باپ کے فن میں ناموری حاصل کی۔

یوحنا بن ماسویہ مسیحی المذہب تھا اور بہت بڑا مترجم تھا۔ بہت خوش طبع اور ظریف تھا۔ بغداد میں اس کے یہاں بزم آرائیاں ہوتی تھیں لیکن یہ زودرنج بھی تھا۔

لیکن اس خاندان کی نفسیاتی کیفیت کا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یوحنا کی نفسیاتی کیفیت موروثی تھی، یوحنا ایک ذہین شخص تھا، لیکن درشت کلامی میں بھی پیش پیش تھا۔

متوکل کے دربار میں ابن حمدون نے یوحنا پر حقارت آمیز انداز سے نکتہ چینی کی، تو یوحنا نے تمسخرانہ انداز میں کہا ''اگر اس جہالت کے بجائے جس کے تم حامل ہو تم میں عقل ہوتی اور پھر

اس کو سو گبریلوں پر تقسیم کیا جاتا تو ہر گبریلا ارسطو سے زیادہ عقل مند ہوتا۔[27]

یوحنا بن ماسویہ بہت فصیح و بلیغ اور فطین شخص تھا۔ اور فن طب میں اس کو پوری مہارت حاصل تھی۔ زبانوں میں اس کو یونانی سریانی اور عربی پر کمال دسترس حاصل تھی، دور رشید میں اس خلیفہ کو رومی علاقوں میں فتوحات کے وقت بے شمار علمی کتابیں ہاتھ لگی تھیں۔ ان میں طب کی کتابوں کی تعداد بھی اچھی خاصی تھی، ان مفتوحہ علاقوں میں مؤرخین نے انقرہ اور عموریہ کا نام خصوصیت سے لیا ہے۔ خلیفہ نے ان علمی کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں کرانے کا عزم کیا۔ ظاہر ہے یہ کتابیں لاطینی یا یونانی زبانوں میں ہوں گی۔ بیت الحکمت میں ان کتابوں کے تراجم کے وقت یوحنا بن ماسویہ شعبۂ ترجمہ کا نگراں اور منتظم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔[28]

یوحنا ان وفود میں بھی شامل تھا جن کو خلیفہ نے کتابوں کی تلاش کے لیے بلادِ روم میں بھیجا تھا۔ چوں کہ یوحنا فن طب میں مہارت تامہ رکھتا تھا اس لیے تصنیف و تالیف اور ترجمہ کا کام بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتا تھا اس کے علاوہ وہ بغداد کے شفاخانہ کا نگراں بھی تھا۔ اور بطور طبیب خاص وہ خلفاء کی خدمت بھی کرتا تھا۔ تاریخی بیانات سے یہ ثابت ہے کہ یوحنا عہد رشید سے متوکل کے عہدِ خلافت تک طبی مشیر کے طور پر خدمت انجام دیتا رہا۔ لیکن عملی طبیب کی حیثیت سے اس کو زیادہ شہرت حاصل نہیں تھی؛!

اس سلسلے میں مؤلف عیون الانباء نے معتصم کے طبیب خاص سلمویہ کی سفارش کا تذکرہ کیا ہے۔ جس میں اس نے یوحنا کا نام اپنے مرض الموت میں بطور طبیب خاص تجویز کیا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ خلیفہ سے یہ بھی کہا تھا کہ یوحنا کی تجاویز کو بھی غور و فکر کے بعد استعمال کریں۔ آخر کار اس کی نصیحت کے مطابق ہی واقعہ پیش آیا اور یوحنا کی تجاویز پر بھی عمل کرنے کے بعد اس کے امراض اور پیچیدہ ہو گئے۔[29]

یوحنا ابنِ ماسویہ نے بغداد میں ایک علمی مجلس قائم کی تھی، جس میں مختلف مضامین پر بحث و مباحثہ ہوتا تھا اور علمی مضامین بھی پڑھے جاتے تھے اس کے پاس شاگردوں کی ایک اچھی تعداد ہمیشہ جمع رہتی تھی۔[30]

یوحنا کا تعلق بختیشوع سے بہت گہرا تھا۔ اور آپس میں دوستانہ تعلقات قائم تھے اکثر بختیشوع یوحنا سے ظریفانہ انداز میں پیش آتا تھا اور اس سے مذاق بھی کیا کرتا تھا۔[31]

بعض مؤرخین نے جانوروں پر علم تشریح کے استعمال کا واقعہ اس کی طرف منسوب کیا ہے۔ خصوصاً ایک بندر کا واقعہ دور معتصم میں پیش آیا۔ یہ بندر معتصم کو بطور تحفہ کسی نے پیش کیا تھا اور یوحنا نے علم تشریح کا استعمال اسی بندر پر کیا تھا۔ اور کہا تھا کہ علم التشریح پر وہ ایک معرکتہ الارا تالیف پیش کرے گا جو اپنی مثال آپ ہوگی۔

بحیثیت مصنف: یوحنا کا مقام بحیثیت مصنف بہت بلند ہے اس نے عربی اور سریانی زبانوں میں تصانیف چھوڑیں۔ اس کی تصنیفی قابلیت مسلم تھی یہ بہت بڑا ظریف بھی تھا اور ظرافت کے بہت سے واقعات اس سے منسوب ہیں۔

مؤلف عیون الابنا لکھتے ہیں۔

"دخد ابن مامویته المتطبب الی المتوکل، فقال المتوکل لِخَادمٍ لهُ خُذبولَ فلانٍ فی قادروۃ واتِ به الیٰ ابن ماسویته فاتیَ به۔ فلما نظر الیه قالَ هَذا بولُ یغدٍ لامحالته۔ فقالَ لهُ المتوکل، کیف عَلِمتُ انَّهُ بولُ بغل، قَالَ ابن ماسومیه احُضِرنی صاحبهُ حتی أراهُ ویِتیِیَّنُ لِذُبّی منُ صِدُقیِ۔ فَقَالَ المتوکل: هاتُوالغُلَامَ فَلَمَّا متذَبَینَ یَدَیهِ قَالَ لَهُ ابن ماسویه۔ اَیشُ اکلتَ البارحةَ اقال خُبزُ شعیرٍ وماءُ قرح فقالَ ابن ماسویه۔ هداوالله طعام حِمَاری الیوم۔" (32)

ترجمہ: ایک مرتبہ یوحنا بن ماسویہ متوکل کے یہاں گیا تو خلیفہ نے اپنے ایک خادم سے کہا کہ فلاں شخص کا پیشاب قارورہ میں لے آؤ چنانچہ اسے لایا گیا۔ ابن ماسویہ نے اسے دیکھ کر کہا یہ خچر کا پیشاب ہے۔ متوکل نے کہا کہ تمھیں اس کا علم کیسے ہوا۔ تو ابن ماسویہ نے اس شخص کو بلانے کو کہا جس کا پیشاب تھا متوکل نے اس لڑکے کو بلا بھیجا۔ ابن ماسویہ نے آنے کے بعد اس سے پوچھا تم نے کل کیا کھایا تھا۔ اس نے کہا کہ جو کی روٹی اور تازہ پانی۔ ابن ماسویہ نے کہا بخدا میرے گدھے نے بھی آج یہی کھایا ہے۔

اسی مؤلف نے ایک قصہ عربی ادیب جاحظہ کے سلسلے میں نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ جاحظ اور ابن ماسویہ ایک مرتبہ اسماعیل بن بلبل کے یہاں دعوت میں شریک ہوئے اس دعوت میں مچھلی پیش کی گئی تھی اور مچھلی کے بعد جب کھیر لائی گئی تو یوحنا نے اس طرف ہاتھ نہیں بڑھایا اور

کہا کہ مچھلی کے بعد دودھ مضر ہے۔ جاحظہ نے مناظرانہ انداز میں کہا کہ دودھ یا تو مچھلی کی طبیعت کے مخالف طبیعت رکھتا ہے یا موافق اگر مخالف ہے تو مچھلی کی طبیعت دودھ کی طبیعت کو توڑنے والی ہوگی، اگر موافق ہوگی تو کوئی حرج نہیں۔ یوحنا نے جواب دیا کہ مناظرہ تو میں نہیں جانتا آپ کھایئے میں نہیں کھاتا اور نتیجہ کل پر ملتوی کردیا۔ جاحظ نے وہ کھیر کھالی اور اسی رات وہ فالج زدہ ہوگیا۔ ابن ماسویہ نے کہا یہ صرف غلط قیاس کا نتیجہ ہے۔[33]

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یوحنا اگرچہ مناظرہ بازی سے طبعی طور پر متنفر تھا لیکن فن طب میں اپنی مہارت پر اس کو پورا اعتماد تھا۔ یوحنا بہت متدین شخص تھا اور بے دینوں کو وہ ناپسند کرتا تھا۔

اس کے اقوال ہیں۔

(1) "مـن ليس لهُ دينٌ يتمسَّكُ به ويَعتقِدُ فيه قالواجبُ اَن لايُدايَنهُ عاقلٌ ولايركُن اليهِ حَازِمٌ۔"

ترجمہ: جس کا کوئی دین نہیں اور جو دین کا پیروکار نہیں اور اس کا مقصد نہیں تو عقل مندوں کو چاہیے کہ اس سے لین دین نہ کریں اور نہ ہی ہوشیار آدمی اس کی طرف مائل ہو۔

(2) سُـئِـلَ عن الخيرالذى لاشرَّ مَعَهُ فَقَالَ، شُرْبُ القَلِيْد مِنَ الثَّوابِ الصَّافي۔"

ترجمہ: ایک مرتبہ اس سے اس چیز کے بارے میں پوچھا گیا جس کے ساتھ شر کا امکان نہیں ہوسکتا تو اس نے جواب دیا، صاف مشروب سے تھوڑا سا پینا۔

(3) "سُبُدَعَنِاالبشَرِالذِىٔ الاخيرُفيهِ فقالَ نكاح العحوز۔"

ترجمہ: ایک مرتبہ اس سے اس شر کے بارے میں پوچھا گیا جس میں ذرا بھی خیر کا پہلو نہیں ہوسکتا۔ "تو اس نے کہا" بڑھیا سے شادی کرنا۔"

(4) "وقـالَ ابـن ماسويه عليكَ مِن الطعام بما حدث، ومن الشَراب بِمَاعَتُق۔"[34]

ترجمہ: "اس نے کہا کھانا تازہ کھاؤ اور پانی باسی پیو"

مترجم: یوحنا بحیثیت مصنف زیادہ مشہور ہے لیکن تذکرہ کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ

بطور مترجم بھی یہ بلند مقام پر فائز تھا۔ اس نے بہت سی کتابوں کا ترجمہ سریانی زبان میں کیا تھا۔[35] تاہم تذکرہ نگاروں نے بالخصوص اس کے تراجم کی نشاندہی نہیں کی ہے۔

وفات:

اس کی سنہ وفات کی تعیین میں اختلاف ہے بعض محققین نے بعہدِ واثق باللہ 243ھ مطابق 857ء میں اس کی وفات کو تسلیم کیا ہے۔ براؤن نے طب العرب میں یہی تاریخ لکھی ہے۔

مؤلف عیون الاساء نے عہد متوکل یعنی 247ھ مطابق 861ء تک اس کی حیات کا تذکرہ کیا ہے۔ یوحنا کی وفات پر مرثیہ کے کچھ اشعار لکھے گئے جن کو طب العرب کے حوالے سے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

"انّ الطبیبَ لطبهِ ورواۂہِ

لایتطیعُ دفاع المرَقدآتَی

ماللطبیب یموتُ بالداۓِ الذی

قدکانَ یری مِنهُ فیما قد مضیٰ

مات المداویٰ والمدٰویٰ الذی

حَلَبَ الدّواء باۡعَة وَمَنُ الشتریٰ۔"

ترجمہ: طبیب اپنی طب اور دوا کے باوجود اس امر پر قادر نہیں کہ وہ اپنے کو آنے والی موت سے بچا سکے، طبیب کو کیا ہوا کہ وہ خود اس مرض کا شکار ہو گیا۔ جس سے وہ عہدِ ماضی میں دوسروں کو شفا دیتا تھا۔ علاج کرنے والا نہ رہا اور نہ دوا استعمال کرنے والا اور نہ لانے و بیچنے اور خریدنے والا۔

اولاد: مؤلف عیون الانبا نے اس کے لڑکے ماسویہ کا تذکرہ کیا ہے اس کا نام دادا کے نام پر رکھا گیا۔ جو اس زمانے میں عام طور پر رائج تھا یہ لڑکا شکل وصورت میں اپنے باپ سے بہت مشابہہ تھا اور آواز وحرکات میں بھی مشابہت پائی جاتی تھی۔ لیکن یہ کند ذہن تھا تاریخ الحکما میں اس سلسلے میں ایک طبی حکایت لکھی ہے اور ابن ابی اصیبعہ نے مختصراً لکھا ہے کہ:

"کان ماسویہ ابنُ یوحناَ ھذا اشبَہ خلُقَ اللہ بابیہ فی خُلقِہٖ

والفاظِهٖ وحرکاتِهٖ الا انَّهٗ کانَ بلیداً لایکادُ یفهَمُ شیئاً الا بعد مدةٍ طویلةٍ۔"[37]

ترجمہ: ''یوحنا کا بیٹا ماسویہ اپنے باپ کی شکل وصورت اور آواز وحرکات میں بہت مشابہت رکھتا تھا، مگر بہت ہی کند ذہن تھا کوئی بات سمجھنے کے لیے اسے لمبی مدت درکار ہوتی تھی۔

اس لڑکے کو اپنے باپ کے فضائل وخصوصیات میں سے کوئی حصہ نہیں ملا تھا، یوحنا کہا کرتا تھا کہ اگر خلیفہ کی دخل اندازی کا خوف نہیں ہوتا تو میں اپنے بیٹے پر تشریح کا عمل کرتا جس طرح جالینوس تشریح کیا کرتا تھا۔ تاکہ میں اس کی حماقت کے اسباب معلوم کرسکوں، اور دنیا کو اس کے وجود سے نجات دلاسکوں۔[38]

تلامذہ: تذکرہ نگاروں نے اس کے بہت سے شاگردوں کا تذکرہ کیا ہے۔ مؤلف تاریخ الحکماء نے لکھا ہے کہ یوحنا کے پاس شاگردوں کی ایک بڑی تعداد ہمیشہ جمع رہتی تھی۔ اس کا سب سے قابل اور نامور شاگرد حنین ابن اسحاق تھا جس کا تذکرہ سابقہ صفحات میں آچکا ہے۔ حنین کی قابلیت کو سنوارنے اور بام عروج تک پہنچانے میں اگرچہ یوحنا کا ہاتھ نہیں تھا کیوں کہ طبعی طور پر یوحنا کو اس سے تنفر تھا۔ اس کے شاگردوں میں یوسف بن ابراہیم بھی قابلِ ذکر ہے۔ جو طب کے درس میں حنین کا شریک درس تھا۔ اور جن کی روایت پر مؤلف عیون الانباء بے حد اعتماد کرتے تھے۔

تصانیف وتراجم: یوحنا ابن ماسویہ نے سریانی اور عربی زبانوں میں تصانیف چھوڑی ہیں۔ اس نے مختلف علوم حکمیہ اور فن طب پر گرانقدر کتابیں چھوڑی ہیں۔ روزمرّہ کی گفتگو میں اگرچہ یہ بسیار گو تھا جیسا کہ سلمویہ کی نصیحت سے پتہ چلتا ہے کیونکہ اس نے یوحنا کو فضول کہا تھا۔ مگر وہ تصنیفی زندگی میں کم گو تھا اور اختصار وایجاز اس کی تحریر کا خاصہ تھا، وہ الفاظ کے استعمال میں بہت محتاط تھا۔ تذکرہ نگاروں نے اس کی کتابوں کی تعداد مختلف لکھی ہے۔

—— بعض نے انیس، کسی نے گیارہ اور کسی نے اٹھائیس لکھی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تعداد اہم کتابوں کی ہوگی۔ سب سے زیادہ تفصیلی فہرست صاحب عیون الانباء کی ہے اس میں کل چوالیس کتابوں کا ذکر ہے۔ چند حسب ذیل ہیں:۔

(1) کتاب الجواہر

(2) کتاب السر الکامل

(3) کتاب البصیرۃ

(4) کتاب الاغذیۃ

(5) کتاب الاشربتہ

(6) کتاب الحمیات المشجر

(7) کتاب البرھان

(8) کتاب فی الفصد والحجامتہ

(9) کتاب فی الجذام

(10) کتاب فی ترکیب الادویۃ المسھلتہ واصلاحھا

(11) کتاب السموم وعلاجھا

(12) کتاب الصدر والادوار

(13) کتاب محنتہ الطبیب

(14) کتاب دغل العین

(15) کتاب الصوت والجتہ

(16) کتاحلیۃ البرء

(17) کتاب مجیئتہ العروق

(18) کتاب الابدال

(19) کتاب التشریح

(20) کتاب الجنین

مخطوطات:

یوحنا کے دستیاب مخطوطات مندرجہ ذیل لائبریریوں میں موجود ہیں (1) کتب خانہ قاہرہ (2) کتب خانہ حلب (3) کتب خانہ تیموریہ (4) کتب خانہ نور عثمانیہ (5) رضا لائبریری رام پور (6) کتب خانہ لینن گراڈ (7) خدا بخش لائبریری پٹنہ (8) کتب خانہ الجزائر (9) کتب خانہ اسکندریہ (10) کتب خانہ اسعد (11) کتب خانہ ایا صوفیا (12) کتب خانہ حکیم حلب (13) دارالکتب مصر (14) مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

یہ مخطوطات درج ذیل ہیں:

(1) کتاب العین او کتاب معرفۃ العین وطبقاتھا
(2) کتاب الحمیات
(3) کتاب معرفۃ محنۃ الکحالین
(4) کتاب المشجر
(5) کتاب اصلاح الادویۃ المسھلۃ
(6) کتاب ماء الشعیر
(7) کتاب الازمنۃ
(8) کتاب الجواھر وصفاتھا
(9) ذکر الخواص والمعتبرۃ علی ترتیب العلل
(10) کتاب فی البلغم
(11) کتاب التشریح
(12) محنۃ الکحالین
(13) کتاب الصوت والبحۃ
(14) کتاب السموم وعلاجھا
(15) کتاب فی الجذام
(16) کتاب فی الاغذیۃ
(17) کتاب فی الاشربۃ
(18) کتاب المالخولیا واسبابھا وعلاماتھا وعلاجھا
(19) کتاب ترکیب العین وعللھا وادویتھا
(20) کتاب فی الفصد والحجامۃ

مطبوعات:

(1) نوادر الطب (الفصول الحکمیہ)
(2) کتاب الجواھر وصفاتھا وفی ای بلد ھی

قسطا بن لوقا:

قسطا بن لوقا عہدِ اسلام کا مشہور فلسفی تھا اس نے بلادِ روم کا سفر کیا اور وہاں کے علوم کو حاصل کیا۔ یہ نصرانی المذاہب تھا اور یعقوب بن اسحٰق کندی کے معاصرین میں سے تھا۔ اس کا وطن شام کا مشہور شہر بعلبک تھا جس کا دوسرا نام مدینۃ الشمس تھا وہ یونانی النسل تھا اور دینیات کا اچھا علم رکھتا تھا اور اس میدان میں دیگر علمائے نصاریٰ سے مناظرہ بھی کرتا تھا۔

پیدائش: اس کی سنہ ولادت کی تعیین تذکرہ نگاروں نے نہیں کی ہے۔ بعض تذکرہ نگاروں کے مطابق اس کی پیدائش 305ھ مطابق 820ء ہوئی...... بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ اس کا مرتبہ حنین بن اسحٰق عبادی سے بھی بلند تر تھا۔

بہر حال قسطا کی فنی صلاحیتوں کا سب کو اعتراف ہے۔ قسطا نے علمی صلاحیتوں کو حاصل کرنے کے لیے بلادِ روم کا سفر بھی کیا اور عباسی خلیفہ مامون نے یونانی سے عربی میں ترجمہ کرنے کے لیے بیت الحکمت کی خدمت اس کو سپرد کی۔

یہ نہایت نامور فاضل اور مختلف زبانوں کا ماہر تھا۔ ابن الندیم کا بیان ہے کہ وہ طب، فلسفہ، ہندسہ، اعداد، اور موسیقی میں بیک وقت مہارت کامل رکھتا تھا، یونانی زبان نہایت فصاحت سے بولتا تھا اور عربی میں بھی اس کو اچھی سوجھ بوجھ تھی، ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ اس نے یونان کی بہت سی کتابیں عربی میں ترجمہ کیں اور پہلے ترجمہ کی اصلاح کی، اس کے علاوہ وہ خود بھی صاحبِ تصنیفات تھا۔[39]

اس نے بیت الحکمت میں ترجمہ کا کام بہت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ حتیٰ کہ بعض ان تراجم کی اصلاح کی جو حنین بن اسحٰق کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ اس کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اس نے قدیم یونانی علوم کو مشرق تک پہنچایا۔ اور ان سے لوگوں کو متعارف کرایا۔ یہ بہت خوش طبع اور ملنسار تھا۔ معاصرین کے ساتھ اس کے دوستانہ روابط تھے۔ مورخ جرجی زیدان نے بحیثیت مترجم و مولف اس کی بے حد تعریف کی ہے اور ابو الفرج المسطی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

''میں بلا خوف کہہ سکتا ہوں کہ قسطا کی تصانیف باوجود یہ کہ تعداد میں بہت زیادہ ہیں لیکن اس زمانے کی تالیفات میں بے مثل اور بہت ہی اچھی ہیں۔ ان میں اختصار ہے اور معنی میں ہمہ گیری و شمولیت ہے۔ گویا یہ علم کے ذخائر ہیں۔[40]

اس میں شک نہیں کہ قسطا بہت بڑا عالم اور مصنف تھا، یہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں آرمینیہ چلا گیا تھا اور وہاں کے ایک فاضل پادری کو مختلف علوم وفنون کی بہت سی کتابیں پیش کیں۔ یہ ایک لحاظ سے بہترین مصنف تھا کیونکہ طویل مضامین کو نہایت مختصر الفاظ میں ادا کرتا تھا۔ (41) بحیثیت مترجم بھی قسطا کا مقام بہت بلند ہے۔ مؤلف عیون الانباء قسطا کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

"نقل قسطاً كُتباً كثيرةً كُتب اليونانيةِ العربيةِ كانَ جيّدالنقدِ. فصيحاً بَاللسانِ اليونانى والسه يانى والعربى واَصْلَحَ نقولاً كثيرةً. واصلهُ يونانى ولهُ رسائلُ وكُتبٌ كثيرةٌ فى صناعةِ الطب وغيرُها. وكانَ حسن العبادةِ جيَد القريحةِ وقال ابن النديم الغدادى اركاتب ان قسطاً كان بارعاً فى علوم كثيرةٍ منها الطبُ والفلسفوه والهند سةُ والاعدادُوالموسيقى. لامطعن عليه فصيحاً فى اللغة اليوناتية جيّد العبارة باالعربية۔" (43)

ترجمہ: قسطا نے یونانی سے بہت ساری کتابوں کو عربی میں منتقل کیا وہ ترجمہ کا ماہر تھا۔ یونانی، سریانی اور عربی تینوں زبانوں میں فصاحت کا مالک اور بلاغت میں کامل تھا، اس نے بہت سے تراجم کی اصلاح بھی کی، ان تراجم کی اصل یونانی زبان میں تھی فن طب میں اس کی چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں ہیں، اس کی تحریر بہت عمدہ تھی، اور وہ عمدہ طبیعت کا مالک بھی تھا۔ ابن الندیم کی روایت ہے کہ قسطا بہت سے علوم میں مہارت رکھتا تھا، مثلاً طب، فلسفہ، ہندسہ اعداد اور موسیقی، بہت ستھری طبیعت کا مالک تھا کسی نے اس پر طعن وتشنیع نہیں کی۔ یونانی زبان فصاحت سے بولتا تھا اور عربی کی تحریر بہت عمدہ تھی۔

علمی صلاحیت: صاحب طبقات الامم نے بھی دیگر تذکرہ نگاروں کی طرح قسطا کی بہت تعریف کی ہے اور علوم میں اس کی مہارت کے سلسلے میں دیگر مصنفین کی ہمنوائی کی ہے وہ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

''یہ بعلبک کا باشندہ، یعقوب بن اسحٰق کندی کا ہمعصر تھا، وہ علم حساب ہندسہ، نجوم، منطق، اور طبیعات کا محقق عالم اور فن طب کا ماہر تھا، اس کی تصانیف مختصر اور عمدہ ہیں، ہندسہ پر اس کی ایک بے نظیر کتاب ہے۔ اس نے نفس اور روح کے مابین فرق ظاہر کرنے کے لیے بھی ایک عمدہ کتاب لکھی ہے۔ اسی طرح ہیئت اور نجوم کے اصول کو واضح کرنے کے لیے بھی ایک کتاب

لکھی ہے۔''(43)

اسی طرح علامہ شبلیؒ نے بھی دیگر مصنفین کی طرح اور شاید تاریخ الحکماء اور عیون الانباء پر اعتماد کر کے قسطا کی بہت تعریف کی ہے اور یونانی و عربی میں اس کی مہارت کو تسلیم کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''قسطا بن لوقا ایک عیسائی فاضل نے فلسفہ وغیرہ میں کمال حاصل کیا۔ وہ یونانی نسل سے تھا اور یونانی میں نہایت فصاحت سے تقریر کرتا تھا، اس نے چونکہ بچپن میں شام میں پرورش پائی تھی اس لیے عربی میں بھی اس کو کمال حاصل تھا وہ یونانی فلسفہ کا نہایت دلدادہ تھا۔ چنانچہ خاص اس غرض کے لیے اس نے ایشیائے کوچک کا سفر کیا اور یونانی علوم کی بہت سی کتابیں بہم پہنچائیں، مامون نے اس کا حال سن کر بلا بھیجا اور بیت الحکمت میں ترجمہ کے کام پر مامور کیا۔ اس نے بہت سی کتابیں عربی میں ترجمہ کی اور پچھلے ترجموں کی اصلاح کی۔(44)

وفات: سنہ وفات کی تعیین میں تذکرہ نگاروں میں اختلاف ہے۔ مؤلف عیون الانباء نے لکھا ہے کہ یہ مقتدر باللہ عباسی کے عہد (296۔320ھ) تک زندہ تھا اور جبکہ مامون نے اس کو ترجمہ کے کام پر مامور کیا تھا اور مامون کی تاریخ وفات 218ھ مطابق 833ء میں ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مامون کے عہد میں یہ بحیثیت عالم شہرت پا چکا تھا۔ اس لحاظ سے اس کی عمر سو سال سے بھی تجاوز کر جاتی ہے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے اس کی پیدائش 205ھ مطابق 820ء لکھی ہے۔ جو قرینِ قیاس نہیں ہے۔ تاریخ الحکما کے حاشیے میں اس کی وفات (220ھ مطابق 835ء) لکھی ہے یعنی مامون کی وفات کے دو سال بعد بہر حال صحیح تاریخ وفات کی تعیین نہیں کی جا سکی۔ ان تمام تاریخوں میں براؤن کی تاریخ 300ھ مطابق 913ء اقرب الی الصواب ہے، یہ اپنے آخری ایام میں آرمینیہ کے حاکم کی دعوت پر وہاں چلا گیا تھا اور وہیں اس کی وفات ہوئی، لوگوں نے احتراماً ایک عظیم قبہ قبر پر تعمیر کروایا۔

تصانیف و تراجم: قسطا بن لوقا نے تصنیف اور ترجمہ کی بیش بہا خدمات انجام دیں، چونکہ یہ تین زبانوں کا ماہر تھا اور فن طب میں اس کی مہارت مسلّم تھی اس لیے اس کی تصانیف حقائق پر مبنی ہوتی تھیں، اس نے ریاضی ہندسہ، نجوم، تاریخ فلکیات، طبعیات اور زراعت وطب پر تقریباً 42 اہم کتابیں لکھی ہیں سب سے مفصل فہرست عیون الانباء کی ہے۔ مؤلف مذکور نے ان کی 62

کتابوں کی نشاندہی کی ہے۔

اس کی تصانیف میں مطبوعہ بہت کم ہیں اور اکثر تصانیف مخطوطہ کی شکل میں ہی اس وقت دستیاب ہیں۔52 دستیاب مخطوطات کی نشاندہی کی گئی ہے۔انھوں نے جالینوس، روفس، ارسطرخس، افلاطون، استملاؤس، فلوطرخس ثاؤزسیوس وغیرہ حکمائے یونان کی کتابوں کے ترجمہ کیے۔

تصانیف وتراجم:

(1) کتاب فی الاعداد

(2) کتاب فی الاسطقسات

(3) کتاب آداب الفلسفہ

(4) کتاب فی الفرق بین الحیوان الناطق وغیر الناطق

(5) کتاب فی الحیوان الناطق

(6) کتاب فی الجزء الذی لا تیجزیٰ

(7) کتاب فی النوم والرؤیا

(8) کتاب فی شکل الکرۃ والاسطوانۃ

(9) کتاب السیاست

(10) کتاب المدخل المنطق

(11) کتاب المدخل الیٰ علم النجوم

(12) کتاب فی السھر

(13) رسالۃ فی احوال الباہ واسبابہ علی الطریق الاسئلہ والجواب

(14) کتاب جامع فی الدخول الی علم الطب

(15) کتاب فی القوۃ والضعف

(16) کتاب فی علۃ الموت فجأۃ

(17) کتاب الاغذیۃ علی طریق القوانین الکلیۃ

(18) کتاب فی معرفۃ الخذر والنواعہ وعللہ واسبابہ وعلاجہ

(19) کتاب فی الاخلاط الاربعہ وما تشترک فیہ

(20) کتاب فی النبض ومعرفۃ الحمیات وضروب البحرانات

(21) کتاب الحمام

(22) کتاب المساکن

(23) کتاب المطالع

(24) کتاب فی الدم

(25) رسالۃ فی النبیذ

(26) کتاب الاجرام والابعاد

(27) کتاب الأراء الطبیعۃ

(28) کتاب تحریم الدفن

(29) کتاب اصول الھندسہ

مخطوطات:

قسطا بن لوقاء کی مخطوطات دنیا کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں، جن میں سے کچھ کتب خانوں کے اسما درج ذیل ہیں:۔

(1) کتب خانہ ایا صوفیا (2) کتب خانہ مالک، طہران (3) کتب خانہ حکیم حلب، (4) کتب خانہ جامعہ استنبول (5) خدا بخش لائبریری پٹنہ (6) برٹش میوزیم (7) کتب خانہ میونخ (8) کتب خانہ برلن (9) حکیم ظل الرحمٰن علی گڑھ (10) رضا لائبریری رام پور (11) کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد (12) کتب خانہ دار العلوم دیو بند۔

اسمائے مخطوطات:

(1) کتاب فی الحمیات

(2) کتاب فی النوم والرویا

(3) کتاب فی الباہ

(4) کتاب فی الاذیٰ

(5) کتاب الاخلاط الاربعۃ وماتشترک فیہ

(6) رسالۃ فی حفظ الصحۃ وازالۃ المرض

(7) رسالتہ فی الاسطسقات

(8) کتاب فی الفصد

(9) کتاب فی علامات الموت فجأۃ

(10) رسالتہ فی ترکیب العین

(11) کتاب النبیذ وشربہ فی الولائم

(12) کتاب الحمام

(13) مقالتہ فی الدم

(14) کتاب فی اوجاع النقرس

(15) کتاب المساکن

(16) کتاب المطالع

(17) رسالہ فی النبیذ

اسحاق بن حنین

اس کی کنیت ابو یعقوب ہے۔ یہ مشہور مترجم حنین بن اسحٰق عبادی کا بیٹا تھا اور فن ترجمہ میں اپنے باپ کے مثل تھا۔

پیدائش: اس کی سنہ ولادت کی تعیین بیشتر تذکرہ نگاروں نے نہیں کی ہے۔ صاحب معجم المؤلفین نے اس کی ولادت 215ھ مطابق 830ء لکھی ہے۔

لیکن یہ تاریخ زیادہ قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ اسحٰق اپنے باپ کے ساتھ دور مامونی میں ترجمہ کے کام میں مصروف نظر آتا ہے اس لحاظ سے 218ھ مطابق 833ء سے قبل یہ علمی شہرت حاصل کر چکا تھا اور یہی تاریخ مامون کی وفات کی ہے۔ اس لیے اس کی تاریخ ولادت تقریباً 200ھ مطابق 815ء ہوگی۔

تعلیم و تربیت:

اس کی تعلیم و تربیت اس کے باپ کی نگرانی میں ہوئی۔ اس کا بڑا بھائی داؤد اس کا ہم درس تھا اور دونوں بھائی ایک ساتھ علوم و فنون کی تحصیل میں مصروف نظر آتے ہیں۔ اس نے اس وقت کی تین رائج زبانوں یعنی یونانی، سریانی اور عربی میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ فصاحت و

بلاغت میں اپنے باپ کی طرح شہرت کا مالک تھا اور ترجمہ کے کام میں بھی یگانہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حنین نے اپنے بھانجے حبیش کے ساتھ ساتھ اس کو بھی بیت الحکمت میں ترجمہ کے کام پر متعین کیا تھا۔ اس سلسلے میں ابن ابی اصیبعہ مؤلف عیون الانباء کا بیان ہے۔

"کَانَ یَلْحَقُ بأبیه في النقلِ، وفی معرفته باللغاتِ وفصاحته فیها الاانّ نقله الکتب الطبیته قلیلٌ جداً بالنسیة الی مایوجدُ من کثرة نقلهٔ من کتب ارسطاطالیس فی الحکمته وشُروحِها الی لغته العرب وکان اسحاق فدخدِمَ من خَدَمَ ابوهُ من الخلفاء والرؤساء وکان منقطعاً الی قاسم بن عبیدالله وخصیصاً به ومتقدماً عندهُ یُفض علیه باسراہ۔" (*)

ترجمہ: ''اسحٰق ترجمہ میں اپنے باپ کا ہم پلہ تھا، اسی طرح زبان دانی اور فصاحت میں بھی اپنے باپ کے مثل تھا۔ مگر طبی کتابوں کے تراجم اس کی طرف بہ نسبت فلسفہ اور حکمت کی کتابوں کے کم منسوب ہیں۔ یہ ارسطو کی کتابوں کو عربی زبان میں زیادہ تر ترجمہ کرتا تھا اور اس کی شرحیں بھی لکھا کرتا تھا اس نے ان خلفا اور امرا کی خدمت کی جن کی خدمت اس کے باپ حنین نے کی تھی بعد میں یہ معتضد باللہ کے وزیر قاسم بن عبیداللہ کا ہم راز بن گیا اور اپنی خدمات اس کے لیے مخصوص کر دیں۔

اسحٰق ظریفانہ طبیعت رکھتا تھا اور شعر و شاعری کا اچھا ملکہ بھی اس کو حاصل تھا۔ عیون الابناء میں اس کے بہت سے اشعار منقول ہیں ان میں سے دو اشعار حسب ذیل ہیں۔

(1) انا ابن الذی استودع الطب فیصم
وسموا به طفل و کهل — ویافع
(2) یبصر فی ارسطاطالیس بارعاً
(3) یقوم منی منطق لایدافع (45)

(1) میں ان لوگوں کی اولاد میں سے ہوں جن کے اندر فن طب ودیعت کیا گیا ہے۔ اور بچپن جوانی اور بڑھاپے میں اسی فن سے ان کو نسبت رہی ہے۔

(2) ارسطو بھی مجھ کو ایک ماہر فن تسلیم کرے گا اور میرے ذریعے بلاشبہ علم منطق کی اصلاح کرے گا۔

ان اشعار سے اسحٰق کی ادبی قابلیت کا پتہ چلتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ فن طب میں اس کی مہارت اور اس فن پر اس کی خود اعتمادی کی بھی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ ارسطو کے تراجم میں اس کی اصلاح کا بھی پتہ چلتا ہے۔

اس سلسلے میں ابن ابی اصیبعہ نے وزیر مذکور کے ساتھ ایک مراسلہ کا بھی تذکرہ کیا ہے جو اشعار کی شکل میں تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے وزیر کے ہمراہ بہت دوستانہ مراسم تھے کیونکہ اشعار ظریفانہ انداز کے ہیں۔

صاحب عیون الابناء کا بیان جو سابق سطور میں اسحٰق کے بارے میں نقل کیا گیا۔ اس کی تائید ابن الندیم کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عیون الابناء کا ماخذ ابن القدیم کی الفہرست ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اسحٰق بن حنین علم وفضل اور یونانی وسریانی کو صحت ودرستی کے ساتھ عربی میں منتقل کرنے کے سلسلے میں اپنے باپ کا ہم پایہ تھا اور عربی میں باپ سے زیادہ فصاحت کا حامل تھا۔ قاسم بن عبید اللہ کے یہاں اس کو تقدم وبرتری حاصل تھی۔[46]

اس کے بارے میں مؤلف وفیات الاعیان لکھتے ہیں۔

"کان اوحدَ فی عصره فی علم الطب. وکان ملحقٌ بأبیه فی التقدِ وفی معرفتهِ باللغات وفصاحتهُ فیها. وکان یُعرّبُ کتب الحکمته التی بلُغة الیونانیین الی اللغته العربیته کما کان یفعدُ ابوهُ وکانَ قد خَدَمَ من الخلفاء الروساء من خدم أبوهُ۔"[47]

ترجمہ: "علم طب میں یہ اپنے زمانے کا بہت بڑا عالم تھا۔ ترجمہ زبان دانی اور فصاحت میں اپنے باپ کے ہم پلہ تھا، اپنے باپ کی طرح یونانی زبان سے عربی میں کتابوں کا ترجمہ کرتا تھا، اس نے ان خلفا اور امرا کی خدمت کی جن کی خدمت اس کے باپ نے کی تھی"

اسحٰق کو جس طرح ترجمے میں مہارت حاصل تھی اسی طرح تالیف کا بھی ملکہ رکھتا تھا۔ ادب میں اس کی ایک کتاب بہت مقبول ومشہور ہے یہ فلاسفہ کے تذکروں پر مشتمل ہے اور ان کے ادب وحکایات پر بہترین تالیف ہے اس کا نام "کتاب آداب الفلاسفتہ ونوادرھم ہے۔

وفات: اسحٰق کے تلامذہ اور اولاد کے بارے میں تذکرہ نگار عصر خاموش ہیں بہر حال یہ بے مثل، مترجم مصنف اور حکیم تھا۔ اس کو آخری عمر میں فالج کا عارضہ لاحق ہوگیا تھا اور اسی مرض

میں مبتلا ہو کر 298 مطابق 910ء میں فوت ہو گیا۔

ابن الندیم اور صاحب عیون الابناء نے یہی تاریخ لکھی ہے۔ اس اعتبار سے اس کی عمر سو سال ہوئی۔

تصانیف و تراجم:

اسحٰق نے بڑی تعداد میں کتابوں کا ترجمہ بھی کیا اور تالیف بھی کی۔ اس نے فلسفہ اور طب کی کتابوں کا ترجمہ بڑی سلاست اور روانی سے کیا ہے، اسی وجہ سے حنین اس کے ترجمہ کو بہت پسند کرتا تھا۔ یہ ترجمہ میں کئی بار نظر ثانی کرتا تھا اور اطمینان نہ ہونے پر دوبارہ ترجمہ کرنے کا عادی تھا، اس کی تصانیف اور تراجم کی مجموعی تعداد تقریباً 38 بیان کی جاتی ہے لیکن یہ فہرست مکمل نہیں کہی جاسکتی۔ اس میں 22 کتابیں تراجم میں شمار کی جاتی ہیں۔ باقی کتابیں اس کی تالیف کہی جاتی ہیں۔ اس کے دستیاب مخطوطات کی تعداد 6 بیان کی جاتی ہے۔

(1) تاریخ الاطباء والفلاسفۃ

(2) کتاب الادویۃ الموجودۃ بکل مکان

(3) کتاب اصلاح الادویۃ المسہلۃ

(4) کتاب فی الادویۃ المفردۃ

(5) کتاب فی معرفۃ البول

(6) کتاب المنقولات

(7) کتب اختصار اقلیدس

(8) کتاب ایساغوجی

(9) کتاب المختصر فی الطب

(10) کتاب آداب الفلاسفۃ ونوادرھم

(11) مقالۃ فی التوحید

(تراجم)

(1) کتاب باری ارمیناس

(2) کتاب انولوطیقا

(3) کتاب الجدل

(4) کتاب الخطابت

(5) کتاب الکون والفساد

(6) کتاب النفس

(7) کتاب الالٰہیات

(8) کتاب الاخلاق

(9) کتاب الاصول

(10) کتاب المجسطی

(11) کتاب الکرۃ الاسطوانۃ

(12) کتاب الاشکال الکرویۃ

(13) عدد المقاییس

(14) کتاب ذکرہ افلاطون فی طیماؤس

(15) کتاب فی مراتب قراءۃ کتب جالینوس

(16) کتاب افکار ارستراس فی مدادۃ الامراض

(17) محنۃ الطبیب

مخطوطات:

دنیا کی مختلف لائبریریوں میں اسحٰق کے مخطوطات دستیاب ہیں، جن میں سے کچھ کے نام یہاں دیے جا رہے ہیں۔

(1) کتب خانہ ایا صوفیا (2) کتب خانہ جامعہ طہران (3) کتب خانہ کیمبرج (4) کتب خانہ احمد ثالث (5) کتب خانہ اسماعیل پاشا۔

اسمائے مخطوطات:

(1) تاریخ الاطباء والفلاسفۃ

(2) کتاب الادویۃ المفردۃ

(3) کتاب معرفۃ البول

(4) المختصر فی الطب

(5) کتاب الادویۃ الموجودہ فی کل مکان

(6) مقالۃ جالینوس فی سرشار البلاذر

جیش بن الحسن الاعسم

جیش الاعسم کے نام سے مشہور ہے (کیونکہ یہ ایک ہاتھ سے معذور تھا) یہ مشہور مترجم حنین بن اسحاق عبادی کا بھانجا تھا یہ دمشق میں پیدا ہوا۔ یہ نصرانی المذہب تھا۔ اس کی تعلیم و تربیت اس کے ماموں حنین نے کی اور اپنے ماموں سے اس نے فن طب کو حاصل کیا۔ حنین کی طرح لسانیات میں عبور حاصل کیا اور اس دور کی رائج الوقت زبانوں میں سے یونانی، سریانی اور عربی کو بخوبی حاصل کیا۔ ترجمہ کے عمل میں حنین کا متبع تھا۔ حنین کو اس پر پورا اعتماد تھا اور اسی لیے تصنیف و تالیف کے کام میں اس سے پورا پورا تعاون حاصل کرتا تھا اور اس کے کام کو بہت اہمیت دیتا تھا۔ حنین نے اس کی ذہانت کی بہت تعریف کی ہے۔

اس سلسلے میں ابن ابی اصیبعہ لکھتے ہیں:

"قال حنین بن اسحاق انّ جیشاژ ذکیٌ مطبوع الفھم غیر ان لیس له اجتھادُ بحسب ذکائه، بل فیه تعاوُنُ وان کانَ دکاؤهُ مفرطاً وذھنه ثاقباً۔"(48)

ترجمہ: جیش تیز فہم اور ہوشیار آدمی ہے مگر ذہانت کے مطابق اس میں محنت و کوشش کا فقدان ہے بلکہ سستی ہے اگرچہ اس کی ذہانت غیر معمولی اور ذہن دور رس ہے۔

اسی طرح قدیم تذکرہ نگاروں میں ابن الندیم نے بھی جیش کی بہت تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ حنین اس کو سب پر فوقیت دیتا تھا، اور اس کی تعظیم و توصیف کرتا تھا اور اس کے ترجمہ پر پسندیدگی کا اظہار کرتا تھا۔(49)

حنین نے ترجمہ کی ایک مجلس بنائی تھی جس کے ممبروں میں جیش کا نام سرفہرست ہے۔ یہ اسحاق بن حنین کے ساتھ مصروف عمل رہتا تھا اور حنین کو بھرپور تعاون دیتا تھا۔ حنین پورے اعتماد

کے ساتھ اس سے کام لیتا تھا حنین نے بعض کتابوں کو نامکمل چھوڑ دیا تھا۔ حبیش نے اس میں اضافہ کیا اور اس کو نئی ترتیب دی۔ اس سلسلے میں کتاب المسائل کا نام لیا جا سکتا ہے۔

بحثیت مترجم: علمی دنیا میں بحثیت مترجم اس کا مقام بہت بلند ہے کیونکہ اس کی تربیت میں شیخ المترجمین کا ہاتھ تھا۔ یہ اس دور، تینوں مشہور علمی زبانوں عربی، یونانی اور سریانی سے واقفیت رکھتا تھا اور ان زبانوں میں اس کو پوری مہارت حاصل تھی۔ تصنیف و تالیف کی صلاحیت اس پر مستزاد تھی۔ اسلوب نگارش حنین کے اسلوب سے مشابہ تھا۔ اس لیے بہت سے مورخین کو اس سلسلے میں دھوکہ ہوا ہے۔

مؤلف تاریخ الحکماء لکھتے ہیں:

''حبیش و حنین کی دوستی حنین کے حق میں بہت مفید ثابت ہوئی۔ اس طرح کہ حبیش کے اکثر تراجم حنین کی طرف منسوب ہو گئے۔ اس غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ حبیش قدرے گم نام مصنف تھا اور نااہل تاریخ نگاروں نے غلطی سے حبیش کو حنین پڑھ لیا۔ کیوں کہ حنین کو شہرت حاصل تھی اور حبیش کا نام کاٹ کر حنین کر دیا گیا۔''(50)

تاہم یہ بات مسلم ہے کہ علمی دنیا میں حنین کی طرح اس کو مقبولیت حاصل نہ ہو سکی۔ اسی وجہ سے اس کی تالیفات بھی مورخین کے غلط انتساب کا شکار ہو گئیں۔ یہ غلطی بھی اس عظیم مصنف و مترجم کی گمنامی کا سبب بن گئی۔ اس نے جالینوس کی کتابوں کے تراجم کو خاص اہمیت دی اور یہ جالینوس کی کتابوں کا ممتاز مترجم تھا۔ اس نے 35 سے زیادہ طبی کتابوں کا ترجمہ کیا ان میں تین جالینوس کی کتابیں شامل ہیں۔ ترجمہ کے سلسلے میں غلط انتساب کے بہت سے اسباب بیان کیے جاتے ہیں۔

ان میں چند حسب ذیل ہیں:۔

(1) حبیش حنین کی عملی شخصیت سے متاثر تھا اور اس قدر اس سے مرعوب تھا کہ از خود اس نے بہت سی کتابوں کو حنین کی طرف منسوب کر کے لکھا۔

(2) اسلوب نگارش میں دونوں مماثل تھے اس لیے قارئین نام کی غلطی میں پڑ گئے اور حبیش کو حنین ہی پڑھتے رہے۔

(3) چونکہ یہ بیت الحکمت کا ملازم تھا اور حنین کی ماتحتی میں کام کرتا تھا اس وجہ سے حنین کی

خوشنودی کو مقدم رکھتا تھا اور کتابوں کے انتساب کو غلط انداز میں پیش کرتا تھا۔

(4) مورخین نے حنین کی شہرت کو پیش نظر رکھ کر نام میں اصلاح کر دی اور حبیش کو حنین کر دیا۔

(5) چوں کہ حبیش کو اپنے احساس کمتری کا اعتراف تھا اور اپنے ماموں کو اپنے سے برتر سمجھتا تھا اس لیے کتابوں کا عنوان قائم کرتے وقت حنین کا خیال رکھتا تھا اور کتابوں کو عام طور پر حنین کی طرف منسوب کرتا تھا۔[51]

وفات: عموماً تذکرہ نگاروں نے اس کے سنہ وفات کی تعیین نہیں کی ہے۔ لیکن مولف عصر المامون نے اس کا سنہ وفات 300ھ مطابق 912ء لکھا ہے۔[52]

تصانیف وتراجم: حبیش، تصنیف و تالیف اور ترجمہ کی دنیا میں مشہور و معروف شخصیت کا مالک تھا۔ اس نے بہت سے مسائل پر کتابیں تالیف کیں اور تراجم بھی کیے۔ ابن ابی اصیبعہ نے صرف پانچ کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ظاہر ہے یہ بہت ہی ناقص فہرست ہے۔ کیوں کہ حبیش جیسی شخصیت کے لیے پانچ کتابوں کی فہرست بہت ہی ناقص کہی جا سکتی ہے بعض محققین نے اس کی کتابوں کی مجموعی تعداد 53 لکھی ہے۔ ان میں تصانیف وتراجم دونوں شامل ہیں، بلکہ تصانیف سے تراجم کی تعداد زیادہ بتائی جاتی ہے۔ اس کے بہت سے دستیاب مخطوطات کی نشاندہی کی گئی ہے۔

تصانیف:

(1) کتاب المسائل

(2) کتاب اصلاح الادویۃ المسہلۃ

(3) کتاب الادویۃ المفردۃ

(4) کتاب الاغذیۃ

(5) کتاب فی الاستسقاء

(6) مقالۃ فی النبض علی جہۃ التفاسیر

تراجم:

اس نے بقراط جالینوس اور ارسطو کے علاوہ دوسرے حکمائے یونان کی کتابوں کے ترجمے کیے ان میں سے چند مشہور تراجم کے نام حسب ذیل ہیں:۔

(1) کتاب عہد البقراط الیٰ صناعۃ الطب
(2) کتاب آراء البقراط والافلاطون
(3) کتاب تقدمۃ المعرفۃ
(4) کتب الجنین
(5) کتاب العضل
(6) کتاب فی العروق
(7) کتاب المحرک الاول لا تتحرک
(8) کتاب فی العلل والاعراض
(9) کتاب تعرف علل الاعضاء الباطنہ
(10) کتاب فی النبض
(11) کتاب حیلۃ البرء
(12) کتاب تشریح الحیوان المیت
(13) کتاب علم البقراط بالتشریح
(14) کتاب تشریح الرحم
(15) کتاب فی حرکۃ الصدر والریۃ
(16) کتاب فی العادات
(17) کتاب فی منافع الاعضاء
(18) کتاب فی خصب البدن
(19) کتاب فی ادویۃ المفردۃ
(20) کتاب التشریح الکبیر
(21) کتاب المنی
(22) کتاب فی تدبیر الاصحاء
(23) کتاب الاخلاق
(24) کتاب حرکۃ المجہولۃ

(25) کتاب التجربتہ الطبیتہ

مخطوطات:

جیش کے دستیاب مخطوطات جن کتب خانوں میں موجود ہیں ان میں سے چند مخصوص کتب خانوں کے نام یہ ہیں:۔

(1) کتب خانہ جامعہ طہران (2) ایران کی لائبریری اور حلب کی لائبریری،

اسمائے مخطوطات:

(1) اصلاح الادویۃ المفردۃ

(2) مقالتہ فی النبض علی جہتہ التقاسیم

(3) کتاب الاغذیۃ

(4) کتاب فی الاستقاء

عمر بن فرخان الطبری

اس کی کنیت ابو حفص ہے یہ ایران کے مشہور شہر طبرستان کا رہنے والا تھا۔ اسی نسبت سے اس کو طبری کہتے ہیں۔ یہ مشہور مترجم، منجم اور بہت بڑا فلسفی تھا۔ یحییٰ بن خالد برمکی نے اس کو اپنے دربار میں بلایا اس کے بعد فضل بن سہیل نے اس کا تعارف مامون کے دربار میں کرایا اور مامون نے ہی اس کو ترجمہ کے کام پر مامور کیا۔ مؤلف تاریخ الحکماء ابو معشر بلخی کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

''عمر بن فرخان ایک بلند پایہ عالم اور حکیم تھا۔ پہلے یحییٰ بن خالد اور پھر فضل بن سہیل کے دربار میں رہا۔ کہتے ہیں کہ جعفر بن یحییٰ کی ولادت پر اس نے ایک زائچہ بنایا تھا جو بالکل نئے طرز پر تھا۔[53]

اس کا شمار عباسی دور کے نامور مترجمین میں ہوتا ہے۔ صاحب عیون الابناء نے دورِ اسلام کے جن چار مشہور مترجمین کا تذکرہ کیا ہے ان میں عمر بن فرخان کا نام بھی شامل ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"حذاق الترجمته فی الاسلامه اربعته حنین بن اسحاق و یعقوب بن اسحاق الکندی و ثابت بن القرة الحرانی و عمربن فرخان الطبری۔"

ترجمہ: دورِ اسلام میں چار مشہور مترجمین ہوئے حنین بن اسحاق یعقوب بن اسحاق کندی ثابت بن قرۃ حرانی اور عمر بن فرخان طبری۔''

یہ فارسی اور عربی دونوں زبانوں میں مہارت رکھتا تھا اور ان مترجمین میں شمار ہوتا تھا جنھوں نے فارسی زبان کے توسط سے عربی میں تراجم کیے۔ ابن الندیم نے ان کو فارسی مترجمین کی فہرست میں شامل کیا ہے اور مصنفین کی جماعت میں بھی شمار کیا ہے۔[54]

عباسی دور میں فارسی کی بھی غیر معمولی اہمیت تھی، جس طرح یونانی اور سریانی کی تھی فارس علم ودانش کا اسی طرح مخزن رہا ہے جس طرح کہ روم اور یونان اپنے اپنے ادوار میں تھے۔

ایرانی علما نے بھی اپنی ذہانت سے عباسی دور کی علمی تحریک کو سیراب کیا ان میں علما و مترجمین میں عبداللہ بن المقفع، حسن بن سہل، محمد بن بہرام اور عمر بن فرخان سب سے زیادہ شہرت کے مالک ہیں۔ احمد امین عباسی دور کی علمی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے فارسی مترجمین میں عمر بن فرخان کو بھی شمار کیا ہے۔[55]

اس نے مامون کے دربار میں رہ کر اور بیت الحکمت کے شعبہ سے منسلک ہو کر بیش بہا علمی خدمات انجام دی اور بے شمار کتابوں کا ترجمہ کیا اور ایسے احکام نجوم تیار کیے جو آج تک شاہی خزانوں میں موجود ہیں، تراجم کے علاوہ بہت سی کتابیں نجوم وفلسفہ میں بھی تصنیف کیں۔[56]

بحیثیت مترجم: اس کا میلان فلسفہ کی طرف تھا اور فلسفیانہ کتابوں کے نامور مترجمین میں اس کا شمار ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ عباسی دور کے ایرانی امراء و وزرا جنھوں نے علوم وفنون کی ترقی میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔ انھوں نے عمر بن خالد کو بام عروج پر پہنچایا اور اس کی بڑی قدردانی کی حتی کہ وہ یحییٰ بن خالد کی نظر میں سما گیا اور بیت الحکمت کو چار چاند لگانے کے لیے دیگر علما وفضلا عصر کے ساتھ ساتھ طبری کا بھی انتخاب کیا گیا۔

فضل بن سہیل جو ذوالریاستین کے لقب سے مشہور تھا کیونکہ وہ سیف وقلم دونوں کا ماہر تھا، جو پہلے یحییٰ بن خالد کا منتظم املاک تھا۔[57] اور علم نجوم کی رو سے مامون کی خوبیاں جانتا تھا اور جو بعد میں مامون کی وزارت کے عہدے پر فائز ہوا۔ اس نے بھی عمر بن فرخان کی قدردانی کی اور مامون کے دربار میں اور خاص طور پر ترجمہ کے کام میں اس کو مقرر کرنے میں اسی کا ہاتھ تھا۔

مگر فضل بن سہیل کی شہرت اور عزت ہی اس کے قتل کا باعث تھی۔ اگرچہ بعض مورخین نے اس کے قتل کا سبب ایک کنیز کی خریداری پر فضل کے اصرار کو قرار دیا ہے۔[58]

وفات: تذکرہ نگاروں اس کے سنہ وفات کی تعیین نہیں کی ہے۔

تصانیف وتراجم: اس باکمال مترجم نے مامون کے لیے بے شمار کتابوں کا ترجمہ کیا اور خاص کر فلسفیانہ کتابوں کا ترجمہ نہایت خوش اسلوبی سے کیا۔ صرف ترجمہ ہی نہیں بلکہ تصنیف و تالیف کا بھی اس کو اچھا ملکہ تھا متعدد تصانیف کی طرف مؤلف تاریخ الحکما نے اشارہ کیا ہے اگرچہ

کتابوں کے اسما کی فہرست کو اس نے نظر انداز کر دیا اور صرف تین کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ تذکرہ نگاروں نے اس کی مفصل فہرست کس لیے نظر انداز کی ہے۔ اس کا پتہ نہیں لگایا جا سکا۔ شاید اس لیے کہ اس کے تراجم کے انداز پر دیگر مولفین کے تراجم و تصانیف کو کافی شہرت حاصل ہو چکی تھی۔
صاحب تاریخ الحکما نے مندرجہ ذیل کتابوں کا نام لکھا ہے:۔

(1) المقالات الاربعہ لبطلیموس: یہ کتاب دراصل ابو یحییٰ البطریق کی ترجمہ شدہ ہے۔ اور عمر بن فرخان نے اس کی تشریح کی ہے۔

(2) کتاب المحاسن

(3) کتاب اتفاق الفلاسفتہ واختلافہم فی الخطوط

یوحنا بن البطریق

اس کی کنیت ابوزکریا ہے۔ یہ مامون رشید کا غلام تھا اور اس وفد میں شامل تھا جس کو مامون نے علمی کتابوں کی تلاش کے لیے بلادِ روم بھیجا تھا۔ یہ حجاج بن مطر اور بیت الحکمت کے نگراں سلما کے وفد میں شریک تھا، اس سے اس کی شخصیت کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے اور علوم یونان میں اس کی اعلیٰ دسترس کی نشاندہی بھی کی جا سکتی ہے کیوں کہ بلادِ روم میں جو وفود بھیجے جاتے تھے وہ صرف خزائن کتب سے کتابوں کے اخراج ہی کا کام نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کتابوں کا بڑی خوبی سے انتخاب بھی کرتے تھے کیوں کہ منتخب شدہ کتابوں ہی کا ترجمہ کیا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں علامہ شبلی رقمطراز ہیں۔

''مامون نے خود بھی حجاج بن مطر، ابن البطریق اور سلما کو جو بیت الحکمت کے مہتمم اور افسر تھے اس غرض سے روم بھیجا کہ اپنی پسند سے کتابیں انتخاب کر کے لائیں۔ آرمینیہ، مصر، شام، قبرص اور دوسرے مقامات میں بھی قاصد بھیجے اور لاکھوں روپے عنایت کیے کہ جس قدر خرچ سے اور جس طرح ممکن ہو فلسفیانہ تصنیفات بہم پہنچائیں۔''[59]

یوحنا ابن بطریق دورِ مامونی کا ایک معتبر مترجم تسلیم کیا جاتا ہے لیکن تذکرہ نگاروں نے اس کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ عربی زبان میں اس کو مہارت حاصل نہیں تھی، ظاہر ہے کہ ایسی

حالت میں اس کے تراجم میں اصلاح کی ضرورت پڑتی ہوگی اور تراجم کے سلسلے میں اصلاح کی بہت زیادہ ضرورت محسوس کی جاتی تھی اس سلسلے میں مؤلف حکمائے اسلام لکھتے ہیں۔

''کتابوں کے ترجمہ کے علاوہ سب سے زیادہ ضرورت ترجموں کی اصلاح کی تھی کیوں کہ ترجمہ کی خوبی کا دارومدار صرف اس پر ہے کہ مطالب کو صحت کے ساتھ شگفتہ اور عمدہ عبارت میں ادا کیا جائے اور اس اعتبار سے تمام مترجمین کی حالت یکساں نہیں تھی۔ مثلاً خود ماموں دور کا ایک مترجم یوحنا بن البطریق تھا جو مطالب کو اگرچہ خوبی کے ساتھ ادا کرتا تھا، لیکن عربی زبان میں اس کو کوئی مہارت نہیں تھی، مامون نے اس غرض سے حنین بن اسحاق کا انتخاب کیا جو یونانی اور عربی دونوں زبانوں کا ماہر تھا اور ترجمہ کے ساتھ دوسرے مترجمین کی ترجمہ کردہ کتابوں کی اصلاح بھی کرتا تھا۔''(60)

عربی کے علاوہ یونانی، سریانی اور لاطینی زبانوں سے بھی پوری واقفیت رکھتا تھا۔ اس وقت لاطینی زبان کا علم رکھنے والے بہت کم ملتے تھے۔ یوحنا کو چونکہ فلسفے سے زیادہ لگاؤ تھا اس لیے فلسفیانہ کتابوں کے تراجم کو خوش اسلوبی سے مہیا کرتا تھا یہ خود طبیب نہیں تھا لیکن اطبا یونان میں بقراط و جالینوس کی متعدد تصانیف کا ترجمہ کیا۔

بحیثیت مترجم

جیسا کہ اخبار الحکما کے حوالے سے مولانا عبدالسلام ندوی نے لکھا ہے، یوحنا کو عربی زبان میں زیادہ مہارت حاصل نہیں تھی اس لیے اس کے ترجمہ کو دیگر مصلحین اصلاح اور نظر ثانی کے بعد پیش کرتے تھے۔ اس لیے افلاطون، ارسطو، بقراط، اسکندروس، اور جالینوس جیسے حکمائے یونان کے تراجم کو پیش کیا ہے۔ ترجمہ کے سلسلے میں لاطینی کا یہ مسلّم اور نامور مترجم تھا کیوں کہ لاطینی زبان میں اس کی مہارت میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ اغلب یہی ہے کہ ترجمہ کرتے وقت اسی زبان کو وہ زیادہ تر واسطہ بناتا ہوگا۔

وفات: سنہ ولادت کی طرح اس کے سنہ وفات کی بھی تعیین تذکرہ نگاروں نے نہیں کی ہے۔ لیکن اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حجاج بن مطر اور سلما جیسے مترجمین اور مؤلفین کا معاصر تھا۔

تصانیف وتراجم

تذکرہ کی کتابوں میں اس کی متعدد تصانیف وتراجم کا پتہ چلتا ہے لیکن تصانیف سے زیادہ اس کے تراجم کی شہرت تھی اسی لیے تذکرہ نگاروں نے اس کے تراجم کی فہرست درج کی ہے اور تصانیف کی فہرست کو نظرانداز کر دیا ہے۔ عموماً اس کے گیارہ تراجم کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ جو طب اور فلسفہ پر مشتمل ہیں ان کے اسماحسب ذیل ہیں:۔

(1) کتاب تقدمتہ المعرفتہ

(2) کتاب طیماؤس

(3) کتاب سماع عالم

(4) کتاب النفس

(5) کتاب طبائع الحیوان

(6) کتاب البرسام

(7) کتاب التریاق

(8) کتاب علل العین وعلاجہا

(9) کتاب الحیات والدیران التی متولد فی البطن

(10) کتاب اُبقراط عن الموت

(11) کتاب السموم

ان میں سے آخرالذکر پانچ کتابیں جالینوس کی ہیں اور تین کتابیں (3, 4, 5) ارسطو کی ہیں اور ایک کتاب (6) اسکندرروس کی ہے اور ایک (2) افلاطون کی اور (1) بقراط کی ہے۔

حجاج بن مطر

اس کا پورا نام حجاج بن یوسف بن مطر ہے۔ بعض لوگوں نے مطر کو مطران لکھا ہے۔ دادا کی طرف منسوب ہو کر حجاج بن مطر کہلایا اور مزید تخفیف کے لیے مطران کو مطر کیا گیا ہے۔ یہ کوفہ

میں سرکاری ملازمت پر فائز تھا وہاں اسی نے دو منصوبوں پر کام کیا۔ اولاً وہ حاسب تھا پھر بعد میں وراقی کے عہدہ پر اس کی تقرری ہوئی۔ یہ دونوں عہدے بہت اہم تھے خاص کر وراقی کا پیشہ ایک علمی پیشہ تھا یہ صرف نقل و کتابت کا پیشہ نہیں تھا۔ عام طور پر وراق وہی لوگ ہوتے تھے جو مختلف علوم وفنون میں دسترس رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ خلیفہ مامون الرشید نے اپنے دور میں جہاں دیگر ماہرین کو بیت الحکمت میں علمی کاموں پر مقرر کیا وہیں حجاج بن مطر کو بھی بیت الحکمت میں افسر اعلیٰ کے عہدہ پر مقرر کیا۔ یہ شخص بلادِ روم کے اطراف و اکناف میں بھی گیا اور مختلف علوم وفنون کی کتابوں کی فراہمی میں اہم رول ادا کیا۔[61]

بحیثیت مترجم

رائج الوقت زبانوں میں سے یونانی، سریانی، عربی اور لاطینی سے اس کو واقفیت تھی کیوں کہ ترجمہ کے کام میں اس کو بہت ہی شہرت حاصل تھی۔ یہ مشہور مترجم تھا، مجسطی اور اقلیدس کا ترجمہ اسی نے کیا۔[62]

اس سلسلے میں صاحب عیون الانبائی طبقات الاطباء لکھتے ہیں۔

"نَقَدَ لِلمامون، ومن نقله كتابُ اقليدس، ثمه اَصْلَحَ نقلهٗ فيما بعدُ ثابت بن قرة الحرافى وابن ناعمته واسمه عبدالمسيح بن عبدالله احمصى الناعمى، كان متوسطالثقد وهوالى الجودة اميد۔"[63]

ترجمہ: حجاج بن مطر نے مامون کے لیے بہت سی کتاب کے تراجم کیے۔ اسی نے اقلیدس کا ترجمہ کیا اس کی اصلاح بعد میں ثابت بن قرۃ حرانی اور عبدالمسیح حمصی ناعمی نے کی یہ اوسط درجہ کا مترجم تھا اور ترجمہ میں خوش اسلوبی کی طرف مائل تھا۔

جارج سارٹون لکھتے ہیں:

''حجاج بن یوسف بن مطر بغداد میں 170ھ مطابق 786ء اور 218ھ مطابق 833ء کے دوران علمی کاموں میں مصروف تھا اسی نے سب سے پہلے اقلیدس کی کتاب ''العناصر'' کا ترجمہ عربی میں کیا۔ یہ ان مترجمین میں سے تھا جنھوں نے مجسطی کا ترجمہ عربی میں کیا یہ یونانی کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں ''اعظم'' چونکہ یہ علم ہیئت کی عظیم الشان کتاب ہے اس لیے اس کو المجسطی کہتے ہیں، حجاج بن مطر نے المجسطی کا ترجمہ 214ھ مطابق 829ء۔215ھ مطابق 830ء کے

درمیان سریانی ترجمہ کی بنیاد پر کیا۔ اسی المجسطی کا نظر ثانی شدہ نسخہ ابوالوفا نے دسویں صدی عیسوی میں کیا۔ اس نے کتاب العناصر کا دوبارہ ترجمہ کیا۔ پہلے دور ہارون الرشید میں پھر دور مامون الرشید میں۔ کتاب العناصر کے دوسرے ترجمہ کی اشاعت لاطینی ترجمہ کے ساتھ ہوئی ہے۔'' (64)

اس نے حکمائے یونان میں سے بطلیموس، اقلیدس، ارسطاطالیس کی کتابوں کے تراجم کیے۔ ان کے چند تراجم کے نام حسب ذیل ہیں۔

(1) کتاب المجسطی۔ یہ بطلیموس کی شہرۂ آفاق کتاب ہے۔ جو علم ہیئت پر مشتمل ہے۔

(2) کتاب الاصول۔ یہ اقلیدس کی مشہور کتاب ہے اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کا ترجمہ دوبار کیا گیا۔

(3) کتاب المرۃ

وفات: تاریخ وفات کی تعیین تذکرہ نگاروں نے نہیں کی ہے۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ یہ 170ھ مطابق 786ء اور 218ھ مطابق 833ء کی درمیانی مدت میں بقیدِ حیات تھا۔

موسیٰ بن خالد

یہ بیت الحکمت میں ترجمہ کے کام پر مامور تھا اور حنین بن اسحاق کے زیرنگرانی اپنی خدمات انجام دیتا تھا، اس کو ترجمہ کے میدان میں مہارت حاصل تھی۔ اسی لیے ترجمان کے لقب سے مشہور و معروف تھا یہ رائج الوقت زبانوں میں سے یونانی، سریانی، اور عربی زبانوں کا عالم تھا۔ یہ اوسط درجہ کے مترجمین میں شمار ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں صاحب عیون الابناء فی طبقات الاطباء لکھتے ہیں۔

"وَجدتُ من تقله کتباً کثیراً من السنته عشرلجالینوس وغیرها وکان لایصل الی درجته حنین اوُ بقرُبُ منها۔" (65)

ترجمہ: میں نے اس کی ترجمہ شدہ کئی کتابوں کو دیکھا ہے ان میں 16 کتابیں جالینوس کی ہیں یہ حنین سے کم درجہ کا مترجم تھا۔

بحیثیت مترجم

صاحب عیون الابناء نے ''الترجمان'' کے لقب سے اس کو ملقب کیا ہے۔ اس کی کتابوں کی کوئی فہرست نہیں دی ہے، یہ سریانی زبان کا بڑا عالم تھا کیوں کہ اس نے مختلف سریانی تراجم کی تعریب کی ہے۔ ان میں سے ایک کتاب سرجیوس راسیغنی کی ہے۔ جو جوامع الاسکندرانیین'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی ایک کتاب سریانی زبان میں تھی۔ موسیٰ بن خالد نے اس کو عربی میں منتقل کیا۔

وفات: تذکرہ نگاروں نے اس کی تاریخ وفات کی تعیین نہیں کی ہے۔

عیسیٰ بن یحییٰ بن ابراہیم

عیسیٰ بن یحییٰ عہد مامون کا مشہور مترجم تھا اور ترجمہ میں حنین کے اسکول کی نمائندگی کرتا تھا۔ یہ حنین کے بہترین شاگردوں میں تھا۔ رائج الوقت زبانوں میں سے یونانی سریانی، لاطینی اور عربی سے واقف تھا، یہ علم طب میں بھی شغف رکھتا تھا اس سلسلے میں صاحب عیون الابناء لکھتے ہیں۔

"كانَ عيسىٰ بن يحيىٰ بن ابراهيم ايضاً من تلامذة حنين بن اسحاق واشتغد عليه بصناعته الطب۔" (66)

ترجمہ: عیسیٰ بن یحییٰ حنین کے تلامذہ میں شمار ہوتا ہے اور علم طب کی تحصیل بھی اسی کے ساتھ رہ کر کی۔

بحیثیت مترجم

اسلوب نگارش میں اپنے استاد حنین کی پوری پیروی کرتا تھا کیونکہ حنین کے سلیس ترجمہ کے اسلوب سے بہت متاثر تھا اور ترجمہ میں اس کے طریقہ کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اس نے طب کی کتابوں کے تراجم میں بیش بہا خدمات انجام دیں اور اطبائے یونان میں سے بقراط اور

جالینوس کی تقریباً بیس کتابوں کے ترجمے کیے۔

ابن الندیم نے اس کو بہترین مترجموں میں شمار کیا ہے۔ لیکن اس کی کتابوں کی کوئی فہرست نہیں دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''اس کا شمار حنین کے شاگردوں اور بہترین مترجموں میں ہوتا ہے۔ ترجمہ کے علاوہ اس کی تصنیفات بھی ہیں۔''(67)

جارج سارٹون کے مطابق اس نے جالینوس کی پچیس طبی کتابوں کے تراجم کیے، ان میں سے ایک سریانی زبان میں اور چوبیس عربی زبان میں ترجمہ کی گئی ہیں۔ اس نے اپنے عربی تراجم کی بنیاد حنین کے سریانی تراجم پر رکھی ہے۔ اس کی طرف کچھ طبی تصانیف بھی منسوب ہیں۔ (68)

عیسیٰ بن یحییٰ جالینوس کے ممتاز مترجمین میں شمار ہوتا ہے۔ اس نے اہم طبی کتابوں کے تراجم عربی زبان میں پیش کیے۔

وفات: عموماً تذکرہ نگاروں نے اس کی تاریخ وفات کی تعیین نہیں کی ہے۔

تصانیف وتراجم

ابن الندیم کے مطابق اس کے تراجم اور تصنیفات بھی ہیں لیکن اس کی تصنیفات کی طرف تذکرہ نگاروں نے صرف اشارہ کر کے چھوڑ دیا ہے۔ اس نے بقراط، جالینوس کی کتابوں کے تراجم کیے۔

کچھ ترجمہ شدہ کتابوں کے اسما حسب ذیل ہیں:۔

(1) کتاب الامراض الوافدۃ

(2) کتاب الاخلاط

(3) کتاب الغذا (یہ تینوں کتابیں بقراط کی ہیں)

(4) کتاب قوی الادویۃ المسھلۃ

(5) کتاب الذبول

(6) کتاب تدبیر الملطف

(7) کتاب الادویۃ المقابلۃ للادواء

(8) کتاب التریاق

(9) تفسیر کتاب الفصول البقراط

(10) تفسیر کتاب الامراض الحادۃ البقراط

(11) تفسیر کتاب الطبعیۃ الانسان

(12) تفسیر کتاب الاخلاط البقراط

(13) کتاب فی ان الطبیب الفاضل الفیلسوف

(14) تفسیر تقدمۃ المعرفۃ

(15) کتاب اختلاف الاعضا المتشابہہ الاجزاء

(مؤخر الذکر ساری کتابیں جالینوس کی ہیں)

اصطفن بن بسیل

اس کا شمار نامور مترجمین میں ہوتا ہے۔ یہ نسباً رومی الاصل تھا۔ رائج الوقت زبانوں میں سے یونانی اور عربی زبان کا ماہر تھا، اس کے سنہ ولادت کی تعیین نہیں کی جاسکتی۔ ترجمہ میں اس کو اس قدر مہارت تھی کہ محققین اس کے ترجمہ کو شیخ المترجمین حنین بن اسحاق کے ترجمہ کے مانند تسلیم کرتے تھے۔ اس سلسلے میں مولف عیون الابناء فی طبقات الاطبا لکھتے ہیں۔

"کانَ اصطفنن بن بسید یُقَاربُ حنین بن اسحاق فی النقد الاان عبادة حنین افصح واحلیٰ۔" (69)

ترجمہ: اصطفن ترجمہ میں حنین کے مثل تھا لیکن حنین کی عبارت میں زیادہ فصاحت اور حلاوت ہوتی تھی۔"

اس عبارت سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ترجمہ کے کام میں اصطفن کی مہارت مسلم تھی۔ اگرچہ عبارت آرائی وترکیب وتالیف کلمات میں اس کا درجہ کمتر تھا۔ اس لیے اکثر

اوقات حنین اس کے ترجمہ پر نظر ثانی کرتا تھا۔

اس کی زیادہ شہرت دورِ متوکل میں ہوئی جبکہ حنین کی جماعت میں رہ کر اس نے ترجمہ کا کام کیا۔

اس سلسلے میں مؤلف تاریخ الحکما لکھتے ہیں۔

''حنین جب بغداد واپس آیا تو متوکل نے اسے کتابوں کے ترجمہ کرنے کی خدمت پر مامور کیا اور اس کے ساتھ چند مشہور علما اصطفن بن بسیل، موسیٰ بن خالد الترجمان اور یحییٰ بن ہارون کو ترجمہ و کتابت کے لیے لگا دیا۔ یہ علما جب کام کر کے لاتے تو حنین ناقدانہ نظر سے تمام تفاصیل کو دیکھتا۔[70]

یہ حنین بن اسحاق کے ارشد تلامذہ میں سے تھا اور حنین کے کام میں اس کی پوری مدد کرتا تھا۔ حنین نے خاص طور پر جالینوس کی طبی کتابوں پر اس کو مامور کیا تھا۔ یہ عربی زبان میں بڑی خوبی سے ان کتابوں کے ترجمہ پر قادر ہو گیا۔ اس نے دیسقوریدس کی کتاب کا سب سے پہلے عربی ترجمہ کیا۔ جس کی اصلاح حنین نے کی تھی، پھر دوبارہ اس کی اصلاح ابن جلجل نے کی۔[71]

اس کے سنہ وفات کی تعیین نہیں کی جا سکی۔

تصانیف و تراجم

اس نے جالینوس کی متعدد کتابوں کے تراجم کیے، ان میں سے 9 کتابوں کا تذکرہ عام طور پر مورخین نے کیا ہے، اس کے علاوہ اس نے دیسقوریدس کی ایک کتاب کا ترجمہ کتاب الحشائش کے نام سے کیا ہے۔۔۔اس کے اہم تراجم یہ ہیں:۔

(1) حرکات الصدر والریۃ

(2) کتاب علل النفس

(3) کتاب المرۃ السوداء

(4) کتاب الحاجۃ الی النفس

(5) کتاب الادویۃ

(6) کتاب الفصد

(7) کتاب الامتلا

(8) کتاب عدد المقاییس

(9) کتاب حرکتہ العضل

(10) کتاب الحشائش

اول الذکر 9 کتابیں جالینوس کی ہیں اور آخری دیسقوریدس کی ہے۔

سلمو یہ بن نبان

یہ یعقوب کندی کے تلامذہ میں سے تھا۔ علم طب میں اس کی بڑی شہرت تھی، یہ مامون اور معتصم کے دربار خلافت سے وابستہ رہا۔ معتصم کے دربار میں اس کو خاص رسوخ حاصل تھا، اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ معتصم کے.............................. جاری کردہ تمام فرامین و احکامات اسی کے ہاتھ لکھے ہوتے تھے۔ معتصم کا کہنا تھا کہ میرا طبیب سلمو یہ میرے نزدیک قاضی القضاۃ سے بھی بڑھ کر ہے۔ [72]

یہ نصرانی المذاہب تھا۔ اس کے سنہ لادت کی تعیین نہیں ہو سکی، معتصم نے اس کو بڑی عزت کے ساتھ اپنے دربار خلافت سے منسلک کیا اور بے انتہا احترام کے ساتھ اس کو طبیب خاص مقرر کیا اور خط و کتابت کے معاملات میں اس کو اپنا رازداں بنایا۔

اس سلسلے میں مولف عیون الابناء لکھتے ہیں۔

"لما اُستُخلِفَ ابواسحق محمد المعتصم بالله و ذالك فی سنته ثمانٍ وعشرة وماتین اختارلنفسه سلمویه الطبیب واکرمهٔ اکراماً کثیراً یموق الوصف وکان یردُ الی الدواوین توقیعان المعتصم فی السجلّان وغیر هَا بخط سلمویته۔" [73]

ترجمہ: جب معتصم باللہ 218ھ مطابق 832ء میں سریر خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے سلمو یہ کو بڑی عزت کے ساتھ اپنا طبیب مقرر کیا اور جس قدر فرامین و احکامات جاری کرتا تھا وہ

سب سلمویہ کے ہاتھ کے لکھے ہوتے تھے۔

بیت الحکمت سے وابستگی

یہ بیت الحکمت سے بھی وابستہ تھا اور طبی کتابوں کے تراجم میں حنین کی مدد کرتا تھا، سلمویہ اور یوحنا بن ماسویہ میں علمی چشمک تھی، کیوں کہ یوحنا تصنیف و تالیف اور درس و تدریس سے زیادہ تعلق رکھتا تھا، لیکن سلمویہ کا زیادہ تر تعلق عملی طب سے تھا۔

ابن الندیم اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

''یہ ایک فاضل اور فائق ترشخص تھا۔ معتصم کی خدمت میں رہا اور اس سے اس درجہ وابستگی اختیار کر لی اس کی وفات پر معتصم نے کہا میں جلد ہی اس سے جا ملوں گا۔ اس لیے کہ یہی میری زندگی کو قائم رکھے ہوئے تھا اور یہی میرے جسم و جان کی اصلاح کرتا تھا۔[74]

حنین سلمویہ کے بارے میں بڑی اچھی رائے رکھتا تھا۔ خاص طور پر اس کی طبی مہارت کو تسلیم کرتا تھا۔ مؤلف عیون الابناء نے حنین کی رائے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"ان سلمویته کانَ اعلمه اهد نصانِه بصناعته الطب وکان المعتصم یسمیه ابی۔" [75]

ترجمہ: ''سلمویہ اپنے زمانے کا ماہر فن طبیب تھا، معتصم بطور احترام اس کو میرے باپ، کہہ کر پکارتا تھا۔

اس کی شہرت بحیثیت طبیب زیادہ تھی اور مترجم کی حیثیت سے اس کی شہرت کم تھی لیکن یہ مسلم ہے کہ طبی کتابوں کے تراجم میں یہ حنین کا دست راست تھا۔[76]

وفات: اس کی وفات 329ھ مطابق 940ء میں ہوئی، چونکہ یہ معتصم کا بہت زیادہ مقرب تھا اس لیے جب یہ بیمار پڑا تو معتصم بہت زیادہ غمزدہ ہوا اور اس نے کہا۔

"انا اعلَم واتیقن انی لاعیش بعده لانهٗ کانَ یُراعیِ حیاتی ویذجمی.... فلقاماتَ سلمویته امتنع المعتصم من اکل الطعام یوم موتهِ وامربان تُغضَرَ جنازته الدادویصنی علیه باشمع والنجمور علیٰ ذی

التصادیٰ الکامل، ففعل وهربحیث یُبَصِرطم ویُباهی فی اکرامته و حزِنَ علیه حُزناً شدیداً۔ [77]

ترجمہ: معتصم نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ میں اس کے بعد زندہ نہیں رہوں گا کیوں کہ وہ میری زندگی کا نگراں ہے اور میرے جسم کی اصلاح کرتا ہے جب سلمویہ مر گیا تو معتصم نے اس دن کھانا پینا بند کر دیا اور حکم دیا کہ اس کے جنازہ کو محل میں حاضر کیا جائے اور نصاریٰ کے طریقہ پر شمع اور بخور کے ساتھ جنازہ کی نماز پڑھی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور خلیفہ ان کو دیکھتا رہا اور اس کی عزت پر فخر کرتا رہا اور وہ بہت ہی غمزدہ تھا۔

تصانیف وتراجم

اس کے تراجم اور تصانیف کے نام تذکرہ نگاروں نے متعین نہیں کیے ہیں۔ ابن الندیم نے اس کی تصنیفات کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن ان کے نام کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ اس کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے تصنیفات کا تذکرہ تو کیا لیکن وراقین نے ان کو یا تو لکھا نہیں یا لکھا مگر زمانہ کی دست وبرد سے وہ ضائع ہو گئے۔

''ایوب الرھاوی''

عراق کے شہر الرھا کا باشندہ تھا، یہ کئی زبانوں کا جید عالم تھا، علامہ شبلیؒ کے مطابق یہ بہترین مترجم تھا اور سریانی سے عربی میں ترجمہ کیا کرتا تھا۔ [78] اور اسی میں اس کی شہرت تھی، اس کے علاوہ یونانی اور لاطینی کا بھی عالم تھا۔ یہ ایوب ابرش کے علاوہ ایک دوسرا مترجم ہے۔ اس سلسلے میں مؤلف عیون الابناء لکھتے ہیں۔

"لیس هوایوب الأبرش المذکور اولاً، ناقدُ جیدُ عالمُ باللغات الانۃ بالسر یانیته خیرمنه بالعربیته۔" [79]

ترجمہ: یہ ایوب ابرش نہیں ہے جس کا تذکرہ گذر چکا۔ یہ اچھا مترجم تھا۔ کئی زبانوں کا عالم تھا۔ مگر عربی سے اچھا سریانی میں ترجمہ کرتا تھا۔

بحیثیت مترجم

اس نے بے شمار کتابوں کے تراجم کیے۔ ترجمہ کا معیار بھی بلند ہوتا تھا اسی وجہ سے لوگ اس کو حنین بن اسحاق کا ہم پلہ تصور کرتے تھے۔ یہ حنین کے معاصرین میں سے تھا۔ اس کے سنہ ولادت کی تعیین نہیں کی جا سکتی۔ بعض محققین نے لکھا ہے کہ حنین بن اسحاق اس کے ترجمہ سے خوش نہیں تھا، اسی لیے اس کے تراجم پر دوسرے مترجمین سے نظرِ ثانی کراتا تھا۔ اس سے معاصرانہ اور حریفانہ کشمکش کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ایوب الرھاوی جالینوس کی کتابوں کا بہت عمدہ مترجم تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کی سنہ وفات کی بھی تعیین نہیں ہو سکی۔

تصانیف وتراجم

اس نے جالینوس کی تقریباً 35 کتابوں کا ترجمہ کیا۔ یہ یونانی سے سریانی میں تراجم کیا کرتا تھا۔ حنین بن اسحاق نے اسے طبی کتابوں کے تراجم پر مقرر کیا تھا لیکن جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، حنین اس کے تراجم سے پورے طور پر مطمئن نہیں تھا۔ اسی لیے وہ ان پر نظر ثانی کرتا تھا۔ بہرحال حنین اور سرجیس کے بعد جالینوس کی کتابوں کا یہ تیسرا معتبر سریانی مترجم ہے۔

اہم تصانیف وتراجم

(1) کتاب الحیلہ لحفظ الصحۃ
(2) تفسیر کتاب جراحۃ الراس لابقراط
(3) کتاب اوقات المرض
(4) کتاب الاورام
(5) کتاب فی تشریح الرحم
(6) کتاب الحیوان
(7) کتاب الصناعۃ الطبیہ

(8) کتاب النبض

(9) کتاب تشریح الحیوان المیت

(10) کتاب تشریح العین

(11) کتاب علل النفس

(12) کتاب الادویۃ المفردۃ

(13) تفسیر کتاب الامراض الحادۃ لا بقراط

(14) کتاب الاسباب المتصلہ بالمرض

(15) کتاب الترياق (یہ ساری کتابیں جالینوس کی ہیں)

ابراہیم بن الصلت

یہ حنین کے معاصرین میں سے تھا اور بیت الحکمت میں حنین کے ساتھ ترجمہ کے کام سے وابستہ تھا۔ رائج الوقت زبانوں میں سے یونانی، سریانی، عربی اور لاطینی سے واقف تھا۔ عموماً یہ یونانی سے سریانی عربی اور لاطینی میں ترجمہ کیا کرتا تھا۔ اس سلسلے میں مؤلف عیون الا بناء لکھتے ہیں۔

"کان متوسطاً فی النقد یلحق بسرجیس الراسی۔"(80)

ترجمہ: یہ اوسط درجہ کا مترجم تھا اور سرجس سے وابستہ تھا۔ علامہ شبلی نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے۔

"یہ متوسط درجہ کا ترجمہ کرتا تھا۔"(81)

اس نے جالینوس کی متعدد کتابوں کا ترجمہ کیا اس کے سنہ وفات کی تعیین نہیں کی جاسکی۔

تصانیف وتراجم

اس کے تراجم میں عموماً تین کتابوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ یہ تینوں کتابیں جالینوس کی طرف منسوب ہیں۔

(1) کتاب الاورام

(2) صفات صبی یصرع

(3) اختصار کتاب جالینوس فی حیلۃ البرء

عباس بن سعید جوہری

یہ عہدِ مامون کا مشہور ریاضی داں اور مترجم بھی تھا۔ یہ رائج الوقت زبانوں میں سے یونانی، سریانی، فارسی اور عربی زبانوں سے واقف تھا۔ یہ بیت الحکمت کے شعبۂ ترجمہ سے بھی وابستہ تھا۔ جن ریاضی دانوں نے مامون کی رصدگاہ کو قائم کیا تھا ان میں عباس بن سعید جوہری بھی تھا۔ یہ علم ہندسہ کا بھی بہت بڑا ماہر تھا۔ اس نے مامون کی صحبت اختیار کی اور سماشیہ بغداد میں جو لوگ رصدگاہ قائم کرنے کے لیے مقرر ہوئے ان میں مامون نے اس کو بھی مقرر کیا۔[82]

اس نے خالد بن عبدالملک، سند بن علی اور یحییٰ بن ابی منصور کے ہمراہ کچھ فلکی مشاہدات قلمبند کیے۔[83]

عباس بن سعید جوہری مامون کے ہاتھ پر اسلام لایا تھا، لہٰذا اس زمانہ کی اصطلاح کے مطابق یہ مامون کا مولی تھا۔ مؤلف طبقات الاطبا نے بھی یہی بات لکھی ہے۔ اسی نے کتاب السموم کا ترجمہ نظرِ ثانی کے بعد مامون کے لیے کیا تھا۔ اس کی تصنیفات میں تین کتابیں بہت مشہور ہیں۔ اس کے سارے تراجم کی نشاندہی نہیں کی جا سکی۔ تصنیفات یہ ہیں۔

(1) کتاب الزیج

(2) کتاب تفسیر اقلیدس

(3) کتاب الاشکال

اس کے تراجم میں سے ایک کتاب کتاب السموم کی نشاندہی کی گئی ہے۔ یہ شاناق الہندی کی ہے۔

دیگر مترجمین

علمی دنیا میں ترجمہ کی بہت بڑی اہمیت ثابت ہوچکی ہے۔ خاص کر بیت الحکمت کا اہم کردار محققین علمانے مختلف طریقوں سے ثابت کردیا ہے، پچھلے اوراق میں ہم نے عہد ماموںی کے اہم مترجمین کا تذکرہ تفصیلی طور پر کیا ہے اس کے علاوہ ایسے بہت سے اوسط درجہ کے مترجمین تھے جنھوں نے ترجمہ کے میدان میں اہم کردار ادا کیا اور بیت الحکمت سے وابستہ رہ کر علمی ترقی میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ ان سب کا مختصراً تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔ اس فہرست میں ان مترجمین کے اسماء شامل ہیں جنھوں نے بیت الحکمت میں رہ کر مختلف خلفا کے دربار سے منسلک رہے ہیں۔ ایک اہم مترجم ثابت بن قرۃ الحرانی (متوفی 288ھ مطابق 900ء ہے جو ترجمہ کے دورِ ثانی میں بقید حیات تھا لیکن اس کی پیدائش عہدِ مامون میں نہیں ہوئی تھی اس کا سنہ ولادت 221ھ مطابق 835ء ہے، اسی لیے تفصیلی تذکرہ میں اس کا تذکرہ نہیں کیا جاسکا۔

(1) سرجیوس بن الیاس الرومی:

یہ عہد عباسی کا مترجم تھا اور ابتدائی مترجمین میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ یہ بیت الحکمت کے شعبہ ترجمہ سے وابستہ تھا۔ رائج الوقت زبانوں میں سے یونانی، سریانی اور عربی سے واقف تھا۔ اس کی چار کتابیں مشہور ہیں۔

(1) رسالۃ فی الادویۃ۔

(2) کتاب الاسابیع۔

(3) کتاب الغذا۔

(4) کتاب فی التریاق۔

(2) ابوابراھیم ایوب الابرش:

یہ عہد متوکل تک بقید حیات تھا یہ ایوب الرھاوی کے علاوہ ایک دوسرا مترجم ہے۔ رائج الوقت زبانوں میں سے سریانی، یونانی اور عربی سے واقف تھا عموماً یہ یونانی سے سریانی میں ترجمہ کرتا تھا اور پھر سریانی سے عربی میں حسنِ عبارت میں اس کا ترجمہ حنین کے ترجمہ کے ہم پلہ تصور کیا

جاتا تھا۔

(3) **شهید الکرخی:**

یہ آل کرخ کا پہلا مترجم تھا۔ جنھوں نے بیت الحکمت میں ترجمہ کا کام سرانجام دیا اور رائج الوقت زبانوں میں سے عربی یونانی اور سریانی کا عالم تھا۔ عموماً یہ سریانی سے عربی میں ترجمہ کرتا تھا۔ اس کی کسی کتاب کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔

(4) **ابن شهید الکرخی:**

یہ اول الذکر شہدی الکرخی کا بیٹا تھا اور رائج الوقت زبانوں میں سے سریانی اور عربی میں مہارت رکھتا تھا۔ یہ عموماً سریانی سے عربی میں ترجمہ کرتا تھا۔

جیسا کہ مؤلف عیون الابناء نے اور بعض محققین نے لکھا ہے۔ یہ یونانی سے سریانی میں بھی ترجمہ کرتا تھا۔

اس کے تراجم میں اس کے باپ کے تراجم کی چھاپ ملتی ہے۔ یہ اوسط درجہ کا مترجم تھا۔ اس کی چار طبی کتابوں کی نشاندہی کی جاتی ہے جو بقراط اور جالینوس کی ہیں وہ یہ ہیں۔

(1) کتاب الاجنۃ۔

(2) کتاب الفرق۔

(3) کتاب الصناعۃ۔

(4) کتاب النبض۔

ان میں سے پہلی کتاب بقراط کی ہے اور مؤخر الذکر تینوں کتابیں جالینوس کی ہیں۔

(5) **عبدالمسیح بن عبداللہ بن ناعمۃ الحمصی:**

یہ شہر حمص کے نسطوری نصاریٰ میں سے تھا، اس کی شہرت بحیثیت مترجم معتصم باللہ کے عہد میں ہوئی اور یہ بیت الحکمت سے وابستہ ہوگیا۔ اس کی کسی کتاب کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔

(6) **زرویا بن ماخوہ الناعمی الحمصی:**

یہ بھی حمص کا باشندہ تھا۔ قبیلہ کا نام بنو ناعم تھا۔ اس لیے ناعمی کہلایا۔ یہ یونانی، سریانی، عربی اور لاطینی سے واقف تھا۔ ترجمہ لفظی کرتا تھا، یہ معمولی درجہ کا مترجم تسلیم کیا جاتا ہے۔ بعض محققین نے اس کے ترجمہ کو جند بتلاما ہے۔ اس کی کسی کتاب کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔

(7) هلال بن ابی هلال الحمصی:

اس کا تعلق بھی شہر حمص کے نسطوریوں سے تھا۔ یہ عربی، سریانی، یونانی اور لاطینی سے واقف تھا۔ ترجمہ صحت کے ساتھ کرتا تھا۔ لیکن زیادہ فصیح عبارت نہیں ہوتی تھی۔ اس کی کسی کتاب کی نشاندہی نہیں کی گئی۔

(8) فیثون الترجمان:

یہ معمولی درجہ کا مترجم تھا۔ مؤلف عیون الابناء نے لکھا ہے کہ یہ عربی سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتا تھا اور اس کے ترجمے اغلاط سے پُر ہوتے تھے۔ یہ یونانی اور سریانی سے واقف تھا۔ عموماً یونانی سے سریانی میں ترجمہ کیا کرتا تھا۔ لیکن اس کے ترجمہ میں صحت کا زیادہ خیال نہیں کیا جاتا تھا، اس کی کسی کتاب کی نشاندہی نہیں کی گئی۔

(9) بسیل المطران:

یہ بہت اچھا مترجم تھا، اس نے متعدد کتابوں کا ترجمہ کیا۔ یہ عربی یونانی، سریانی اور لاطینی سے واقف تھا۔ یہ بیت الحکمت میں مامور تھا۔ ترجمہ عمدہ کرتا تھا اور لوگ اس کے ترجمہ پر اعتماد کرتے تھے۔ اس کی بھی کوئی کتاب مذکور شدہ نہیں ہے۔

(10) اسطاث:

یہ بھی بیت الحکمت میں مترجم تھا۔ ابتدا میں یہ اسکندریہ کا بطریق تھا۔ یحییٰ برمکی نے اس کو دورِ رشید میں بغداد طلب کیا۔ یہ یونانی، سریانی اور لاطینی سے واقف تھا یہ اوسط درجہ مترجم تھا۔ اس کی بھی کسی کتاب کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔

(11) ابو عثمان سعید بن یعقوب الدمشقی:

یہ مشہور طبیب تھا اور بحیثیت مترجم بھی اس کی شہرت تھی۔ یہ بیت الحکمت سے وابستہ تھا۔ یونانی، سریانی، عربی اور لاطینی سے واقف تھا۔ اس نے مختلف علوم حکمیہ کی کتابوں کا ترجمہ کیا اس کی سات کتابوں کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

(1) مقالۃ فی النبض مشجرۃ۔

(2) کتاب مسائل جالینوس فی الاخلاق۔

(3) طوبیقا۔

(4) کتاب الکون والفساد۔

(5) کتاب السماع الطبیعی

(6) کتاب المدخل الی القیاسات

(7) کتاب الاصول۔

(12) قیھا الرھاوی:

یہ شہر الرھا کا باشندہ تھا۔ یہ یونانی، سریانی، لاطینی اور عربی سے واقف تھا، یہ عموماً یونانی اور سریانی سے عربی میں ترجمہ کرتا تھا اور کبھی کبھی لاطینی میں بھی ترجمہ کرتا تھا۔ یہ حنین بن اسحاق کا دست راست تھا اور ترجمہ کے کام میں اس کی مدد کیا کرتا تھا۔ جب ترجمہ کا کام بہت زیادہ ہوتا تھا تو حنین اس سے مدد لیتا تھا۔ لیکن وہ قیھا کے ترجمہ پر پورا اعتماد نہیں کرتا تھا بلکہ بعد میں اس پر نظر ثانی کیا کرتا تھا۔ اس سلسلہ میں مؤلف عیون الابناء کا بیان ہے۔

"کانَ اذاکثُرتُ علی حنین الکتب وضاق علیه الوقت استعانَ به فی تقلها ثمّ یصلحُهَا بعد ذالك۔" (84)

ترجمہ: جب حنین کے پاس ترجمہ کے لیے کتابیں بہت زیادہ ہوتی تھیں اور اس کے پاس وقت کی کمی ہوتی تھی تو ترجمہ کے کام میں حنین قیھا سے مدد لیتا تھا اور پھر بعد میں اس پر نظر ثانی کرتا تھا۔ اس کی کسی کتاب کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔ حنین چوں کہ اعلیٰ درجہ کا مترجم تھا اس لیے قیھا سے مدد لینے کا مطلب یہ ہے کہ حنین اس کی قابلیت کو تسلیم کرتا تھا۔ اس لیے اس کو بہترین مترجمین میں شمار کرنا قرین قیاس ہے۔

(13) عبدیشوع بن بہریز:

یہ موصل کا باشندہ تھا اور وہاں کا پادری تھا اور جبرئیل بن بختیشوع کے دوستوں میں سے تھا، رائج الوقت زبانوں میں سے یونانی، سریانی، لاطینی اور عربی سے واقف تھا۔ ابتدا میں ترجمہ کا کام اپنے دوست جبرئیل کے لیے کیا کرتا تھا لیکن بعد میں یہ بیت الحکمت سے منسلک ہوگیا۔ مؤلف عیون الابناء لکھتے ہیں۔

"مطوان الموصل۔ کان صدیقاً بحیرائید بن بختیشوع وناقداً له۔" (85)

ترجمہ: یہ موصل کا پادری تھا اور جبرئیل کا دوست تھا اور اس کے لیے وہ ترجمہ کا کام کرتا تھا۔"

اس کی کسی کتاب کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔

(14) ابواسحاق ابراھیم بن بکس:

یہ بغداد کا مشہور طبیب تھا، رائج الوقت زبانوں میں سے عربی، سریانی اور یونانی میں مہارت رکھتا تھا۔ اس کا ترجمہ بہت دلکش ہوتا تھا، یہ بیت الحکمت کے شعبۂ ترجمہ سے وابستہ تھا، اس کے علاوہ بغداد کے بیمارستان میں مصروف عمل رہتا تھا۔

مؤلف عیون الابناء لکھتے ہیں۔

"کانَ من الاطباء المشهورین و ترجمه کُتباً کثیرةً الی لغته العرب و نقلهَ ایضاً مرغوبٌ فیه۔[86]

ترجمہ: یہ مشہور اطبا میں سے تھا۔ اس نے بہت سی کتابیں عربی میں ترجمہ کیں اور اس کا ترجمہ بہت دل نشیں ہوتا تھا۔ لیکن اس کی کسی کتاب کی بھی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔

(15) عیسیٰ بن علی:

یہ اوسط درجہ کا مترجم تھا۔ حنین کے ارشد تلامذہ میں سے تھا، اس نے جالینوس کی متعدد کتابوں کے تراجم کیے۔ ان میں سے تین کی نشاندہی کی گئی ہے۔

(1) کتاب السموم۔

(2) کتاب منافع الحیوان۔

(3) کتاب اوقات الامراض۔

(16) صالح بن بھلتہ الھندی:

یہ ایک مشہور ہندوستانی مترجم اور مؤلف تھا۔ اس کا اصل نام سالی تھا جو معرب ہو کر صالح ہوگیا۔ یہ ہندوستانی طریقۂ علاج میں ماہر تھا۔ ہارون رشید کے دور میں بغداد آیا۔ ہندوستانی اطبا کی کتابوں کے ساتھ صالح بن بھلتہ کی کتابوں کا بھی عربی میں ترجمہ ہوا۔[87]

مؤلف البرمکہ کا خیال ہے کہ مکنہ ہندی کے ساتھ صالح بن بھلتہ بھی ترجمہ کے کام پر مامور تھا۔ لیکن اس کی تصانیف یا تراجم کے بارے میں تفصیلی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

(17) ابن دھن الھندی:

ہندوستان کے مشہور دانشوروں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ یحییٰ بن خالد برمکی کے دور میں بغداد

آیا اور بیمارستان میں طبی کاموں پر مامور ہوا، یہ عربی سے بھی واقف تھا۔ اس نے کئی کتابوں کے تراجم کیے اور بحیثیت مترجم اس کا مقام بلند ہے۔ اس کی دو ترجمہ شدہ کتابوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

(1) استانکر الجامع۔

(2) کتاب سندستاق (سنسدھستان)

ان کتابوں کے تراجم کے علاوہ ماتک نام کے ایک ہندوستانی ماہرِ ریاضیات کے ساتھ مل کر المجسطی کے ترجمہ میں معاونت بھی کی تھی۔

منکتہ الھندی:

اس کا شمار بھی نامور ہندوستانی اطبا میں ہوتا ہے۔ یہ فارسی اور عربی سے واقف تھا یہ دورِ رشید میں بغداد آیا تھا۔ پہلے ایک عرب رئیس اسحاق بن سلیمان سے وابستہ تھا۔ بعد میں عباسی خلیفہ سے اس کے تعلقات قائم ہوئے، یہ اسحاق کے لیے فارسی اور عربی زبانوں میں کتابوں کا ترجمہ کیا کرتا تھا۔ اس نے رشید کا علاج بھی کیا تھا اور انعام و اکرام سے نوازا گیا تھا۔ اس نے متعدد کتابوں کے تراجم کیے ان میں چند کتابوں کے نام حسبِ ذیل ہیں:-

(1) کتاب السموم۔

(2) کتاب عقاقیر الہند۔

(3) کتاب شرک الہندی۔

منکہ نے اس کتاب کو فارسی زبان میں منتقل کیا تھا اور عبداللہ بن علی نے اس کی تعریب کی تھی۔ اس کتاب کو عربوں میں ''کناش'' کا درجہ حاصل تھا۔

(4) کتاب مسرت: مؤلف عیون الانباء نے اس کا نام ''سوشرود'' لکھا ہے۔ منکہ نے یحییٰ بن خالد کے ایما پر اس کا عربی میں ترجمہ کیا تھا۔

ان مترجمین کے علاوہ بہت سے ایسے مترجمین دورِ عباسی میں گذرے جنھوں نے فارسی زبان کو ترجمہ کا وسیلہ بنایا اور اسی زبان کے وسیلہ سے علوم کو عربی میں منتقل کیا۔ ان میں سے چند کے اسما درج کیے جاتے ہیں تاکہ قاری کو فارسی مترجمین کے بارے میں معلومات حاصل ہو جائے

(1) فضل بن نوبخت (2) حسن بن سہل (3) علی بن زیاد (4) جبلہ بن سالم (5) محمد

بن جہم البرمکی (6) سہل بن سابور (7) سہل بن ہارون (8) عبداللہ بن سہل بن نوبخت (9) محمد بن بہرام اصفہانی (10) موسیٰ بن عیسیٰ کرد (11) ھشام بن القاسم (12) بہرام بن مردان شاہ (13) سعید بن ہارون (14) زازویہ بن ہاشویہ (احمد بن یحییٰ البلاذری (16) اسحاق بن یزید (17) علی بن زیاد التمیمی۔

ملحوظہ:

دیگر مترجمین کے عنوان سے بالاختصار جن مترجمین کے بارے میں اقوال قلمبند کیے گئے ہیں ان کے مراجع ومصادر حسب ذیل ہیں:۔

ضحیٰ الاسلام (احمد امین) رسائل (علامہ شبلی) (المامون (علامہ شبلی) عیون الابناء (ابن ابی صیبعہ) مختصر تاریخ الطب العربی (ڈاکٹر الکمال سامرائی) (الفہرست (ابن الندیم) مقالات شبلی، مصرالمامون (احمد فرید رفاعی) تاریخ الحکما (القفطی) طبقات الامم (ابن صاعدالاندلسی) (تاریخ التمدن الاسلامی (جرجی زیدان) (البرامکہ (مولانا عبدالرزاق کانپوری) (طب العرب (نیرواسطی)

حواشی:

1. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، حکمائے اسلام، ص 73۔
2. علامہ شبلیؒ، المامون، ص 165 طبع دوم، اعظم گڑھ 1957۔
3. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ص 275 مطبوعہ بیروت 1965۔
4. احمد امین، ضحیٰ الاسلام، ص 499، الجزء الاول، الطبعۃ الثالثۃ القاہرہ 1938۔
5. علامہ شبلیؒ، المامون، ص 165 طبع دوم، اعظم گڑھ 1957۔
6. احمد امین، ضحیٰ الاسلام، ص 299، الجزء الاول، الطبعۃ الثالثۃ، القاہرہ 1938۔
7. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ص 259 طبع بیروت 1965۔
8. احمد امین، ضحیٰ الاسلام، الجزء الاول، ص 301 طبع القاہرہ، الطبعۃ الثالثۃ 1938۔
9. دالاستاد محمد علی الله کان، حنین بن اسحاق، ص 176 طبع دمشق 1984 (بحوالہ مجلہ ابحاث)۔
10. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ص 264 طبع بیروت 1965۔
11. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء، ص 264 طبع بیروت 1965۔
12. حکیم سید محمد حسان بلگرامی، مجلہ برہان، جلد 102، اگست 1988 دہلی۔
13. محمد لطفی جمعہ، تاریخ فلاسفۃ الاسلام، ص 24 طبع اول کراچی 1964۔
14. مولانا عبدالسلام ندویؒ، حکمائے اسلام حصہ اول ص 84 طبع اول، اعظم گڑھ 1953۔
15. محمد لطفی جمعہ، تاریخ فلاسفۃ الاسلام، ص 24 طبع اول، کراچی 1964۔
16. عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام، ص 85 طبع اول، اعظم گڑھ 1953۔
17. علامہ شبلی نعمانی، رسائل، ص 176 طبع علی گڑھ 1898۔
18. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ص 286، بیروت 1965۔
19. ابن الندیم، الفہرست، ص 600، طبع لاہور 1969۔
20. محمد لطفی جمعہ، تاریخ فلاسفۃ الاسلام، ص 32 طبع اول کراچی 1964۔
21. ابن ابی اصیبعہ، الانباء فی طبقات الاطباء 287 طبع بیروت 1965۔
22. دوبوئر ت ج تاریخ فلسفہ السلام، ص 80، طبع دہلی 1972۔
23. عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام، ص 88، حصہ اول طبع اول اعظم گڑھ 1953۔
24. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء، ص 288 طبع بیروت 1965۔
25. محمد لطفی جمعہ، تاریخ فلاسفۃ الاسلام، ص 26 طبع اول کراچی 1964۔
26. محمد لطفی جمعہ، تاریخ فلاسفۃ الاسلام، ص 26 طبع اول کراچی 1964۔
27. ابن الندیم، الفہرست، ص 682، طبع لاہور 1969۔
28. تاریخ الحکماء، ص 513، طبع دہلی 1945۔
29. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ص 235 طبع بیروت 1965۔
30. القفطی، تاریخ الحکماء، ص 490، طبع دہلی 1945۔

31. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء ص 248، طبع بیروت۔ 1965۔

32. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء ص 253، طبع بیروت 1965۔

33. ایضاً

34. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء ص 355 طبع بیروت 1965۔

35. ڈاکٹر اقبال قاسمی، اختیارات قاسمی، ص 51، طبع پٹنہ 1987۔

36. ای. جی. براؤن، طب العرب، ترجمہ نیر واسطی، ص 11 طبع دوم لاہور 1969۔

37. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء، ص 251، طبع بیروت 1965۔

38. القفطی، تاریخ الحکماء ص 503، طبع دہلی 1945۔

39. ابن الندیم، الفہرست، ص 681، علامہ شبلی، المامون، ص 166۔

40. جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، جلد سوم، ص 175، الھلال مصر 1902۔

41. القفطی، تاریخ الحکماء ص 358، طبع دہلی، 1945۔

42. ابن ابی اصیبعہ عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ص 339، طبع بیروت 1965۔

43. صاعد الاندلسی، طبقات الامم، ص 43، طبع اعظم گڑھ 1928۔

44. علامہ شبلیؒ، رسائل شبلیؒ، ص 177، طبع علی گڑھ 1898۔ ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء، ص 274، طبع بیروت 1965۔

45. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء، ص 275، طبع بیروت 1965۔

46. ابن الندیم، الفہرست، ص 687، طبع لاہور 1969۔

47. ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج ا، ص 205 طبع بیروت، 1968 (تحقیق احسان عباس)

48. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء ص 276، طبع بیروت۔ 1965۔

49. ابن الندیم، الفہرست، ص 686، طبع لاہور 1969۔

50. القفطی، تاریخ الحکماء ص 255، طبع دہلی 1945۔

51. وسیم احمد اعظمی، بیت الحکمت کی طبی خدمات، ص 172، طبع اول، دہلی 1988۔

52. الدکتور احمد فرید رفاعی، عصر المامون، ص 379 المجلد الاول، الطبعۃ الثانیہ القاہرہ 1927۔

53. القفطی، تاریخ الحکماء ص 332، طبع دہلی 1945۔

54. ابن الندیم الفہرست، ص 575، طبع لاہور 1969۔

55. احمد امین، ضحی الاسلام ص الجزء الاول، الطبعۃ الثالثہ القاہرہ 1938۔

56. صاعد الاندلسی، طبقات الامم، ص 90، طبع اعظم گڑھ، 1928۔

57. محمد بن علی بن طباطبا، تاریخ الفخری، ص 327، طبع اول، دہلی 1969۔

58. رشید اختر ندوی، تہذیب و تمدن اسلامی حصہ سوم ص 101، طبع لاہور۔

59. علامہ شبلی، المامون، ص 161، طبع دوم اعظم گڑھ 1957۔

60. مولانا عبدالسلام ندویؒ حکمائے اسلام، ص 73، حصہ اول، طبع اول اعظم گڑھ 1953۔

61. علامہ شبلیؒ المامون، ص 161، طبع دوم اعظم گڑھ 1957۔

62. علامہ شبلیؒ رسائل، ص 189، طبع علی گڑھ 1898۔

63. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء ص 280، بیروت 1965۔

64. جارج سارٹون، مقدمہ تاریخ علوم، انگریزی، ص562، طبع نیویارک1953۔

65. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ص281 طبع بیروت۔1965۔

66. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ص277، طبع بیروت1965۔

67. ابن النديم، الفہرست، ص286، طبع لاہور1969۔

68. جارج سارٹون، مقدمہ تاریخ علوم (انگریزی) ص613، طبع نیویارک1953۔

69. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء، ص281، طبع بیروت1965۔

70. القفطی، تاریخ الحکماء، ص246، طبع دہلی1945۔

71. جارج سارٹون، مقدمہ تاریخ علوم (انگریزی) ص63، طبع نیویارک1953۔

72. مولانا عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام، حصہ اول، ص880 طبع اول اعظم گڑھ1953۔

73. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء ص234، طبع بیروت1964۔

74. ابن النديم، الفہرست، ص684، طبع لاہور1969۔

75. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء ص234، طبع بیروت1965۔

76. جارج سارٹون، مقدمہ تاریخ علوم، ص573 طبع نیویارک1953۔

77. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء ص234 طبع بیروت1965۔

78. علامہ شبلیؒ، رسائل شبلی، ص188، طبع علی گڑھ1998۔

79. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء، ص281 طبع بیروت1965۔

80. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء ص282، طبع بیروت1965۔

81. علامہ شبلیؒ، رسائل شبلی، ص195، طبع علی گڑھ1898۔

82. عبدالسلام ندوی حکمائے اسلام، حصہ اول ص98، طبع اعظم گڑھ1953۔

83. ال...... تاریخ الحکم ص ...... طبع دہلی1945۔

84. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء، ص286، طبع بیروت1965۔

85. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء ص282، طبع بیروت1965۔

86. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء ص283، طبع بیروت1965۔

87. نیرواسطی، طب العرب، ص168، باردوم، طبع لاہور۔1969۔

نواں باب

عہد مامون کے طبی وفلسفیانہ تراجم کا تحقیقی مطالعہ

عہدِ مامون میں متعدد موضوعات پر تراجم کے کام ہوئے جن کی تفصیل گذشتہ اوراق میں آچکی ہے۔ ان مختلف موضوعات پر جو تراجم کے کام ہوئے...... ان کا تفصیلی وتنقیدی مطالعہ اس باب میں کیا جائے گا چونکہ کام بہت پھیلا ہوا ہے اور تراجم کا مطالعہ کامل احاطے کے ساتھ بہت ہی دشوار بلکہ ناممکن ہے۔ اس لیے اس باب میں بہت اہم تراجم کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے گا۔ اور خاص کر ان تراجم کا جن کا تعلق فلسفہ اور طب سے ہے۔ یہ تحقیقات اگرچہ بہت ہی باوثوق ذرائع اور وسائل پر اعتماد کر کے بروئے کار لائی گئی ہیں۔ لیکن بالکل آخری اور مکمل ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم پوری کوشش اور جدوجہد کے ساتھ ایسے گوشے اجاگر کیے گئے ہیں جو تحقیق کے میدان میں اپنی اہمیت کے حامل ہیں اور استفادہ کے قابل ہیں۔ اس مطالعہ میں ان تراجم کو پیش نظر رکھا جائے گا جن کی اہمیت مسلم ہے۔ دیگر تراجم جو موضوع سے متعلق ہیں ان کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔ پہلے ہم طبی کارناموں کا جائزہ لیں گے اس کے بعد سلسلہ وار فلسفیانہ تراجم کا تحقیقی مطالعہ کیا جائے گا۔

طبی تراجم کا مطالعہ: طبی تراجم جس کی ابتدا بنی امیہ کے عہدِ حکومت میں ہو چکی تھی، آہستہ آہستہ اس میں ترقی ہوتی گئی۔ خلفا بنی عباس کے دور میں ترجمہ کا کام انتہائی وسعت اور

تکمیل تک جا پہنچا۔ منصور نے طبی تراجم کے علاوہ دیگر علوم و معارف کو بھی عربی زبان میں منتقل کرانے کی طرف توجہ دی تھی کیوں کہ وہ علوم وفنون کا دلدادہ تھا۔ اس پر خالد برمکی کی مصاحبت اور بھی نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔

کہتے ہیں کہ دورِ منصور کے بہترین انشا پرداز عبداللہ بن المقفع نے فلسفیانہ تراجم کے علاوہ بعض طبی رسائل کو بھی عربی میں منتقل کیا تھا۔ جورج بن جبرئیل جندیسا پور کے مدرسہ طبیہ کا مہتمم تھا۔ منصور نے اسے بغرض علاج اپنے پاس بلوایا۔ اس طرح نسطوری عیسائی اطبا کا یہ خاندان دولتِ عباسیہ کے دربار سے وابستہ ہوگیا۔ جورج یا جورجیس خود بھی صاحب ذوق طبیب تھا۔ اس نے سریانی زبان میں بہترین کناش لکھی تھی جس کا ترجمہ حنین بن اسحاق نے کیا۔ جورجیس نے طبّی تراجم کا بیش بہا ذخیرہ اپنے متعلقین واحباب سے فراہم کرایا، اسی طرح ابویحیٰ البطریق نے منصور کے حکم سے بقراط اور جالینوس کے رسائل عربی میں منتقل کیے۔ اس عہد کے دوسرے مترجمین میں عیسیٰ بن ماسرجویہ بھی ہے جس کی کتاب ''الالوان'' اور کتاب الروائح والطعوم، کا تذکرہ ابن ابی اصیبعہ نے کیا ہے۔ علاوہ ازیں ابن ناعمہ الحمصی، سلام الابرش اس دور کے مترجمین ہیں۔

منصور کے علمی ذوق اور قدر دانی، علم کی شہرت سن کر بہت سے ہندوستانی علما بغداد آئے اور طب کے موضوع پر مختلف تصنیفات کو پیش کیا، جن کا ترجمہ عربی زبان میں کیا گیا۔ عہدِ نوشیرواں میں جندیسا پور کے مدرسہ طبیہ میں جہاں یونانی طب کی تعلیم کا معقول انتظام تھا وہیں ہندی طب بھی پڑھائی جاتی تھی اور اس خدمت کو بعض ہندو اطبا انجام دیتے تھے۔ خلفا بنوعباس ہندوستانی طبیبوں کی بڑی قدر کرتے تھے اور جب یونانی طبیبوں سے مایوس ہوجاتے تھے تو ہندوستانی طبیبوں کو بغرض علاج بلاتے تھے۔[1]

عہدِ اموی کے آغاز سے ہی عرب ہند کے درمیان تعلقات علمی انداز میں قائم ہونے لگے تھے۔ لیکن منصور کے زمانے میں ہندوستانی دانشوروں اور طبیبوں کی آمد کا سلسلہ تیزی سے شروع ہوا اور دورِ رشیدی میں جب برامکہ کو رسوخ حاصل ہوا تو یحیٰ بن خالد برمکی نے ایک شخص کو ہندوستانی ادویہ کو درآمد کرنے کے لیے ہندوستان بھیجا۔[2]

اس طرح رفتہ رفتہ مامون رشید کے عہد میں بیشتر ہندوستانی علوم حکمیہ وطب کی کتابوں

کا عربی میں ترجمہ کیا گیا۔ قدیم ویدک کتابوں کے ترجمے کا اثر یہ ہوا کہ بغداد بصرہ اور دوسرے شہروں میں ہندوستانی دواؤں اور جڑی بوٹیوں کی دوکانیں کھل گئیں۔ جن میں عام طور سے سندھی لوگ ملازم ہوتے تھے، ان ویدک علما میں شاناق ہندی کا نام سرفہرست ہے۔ یہ ویدک طریقۂ علاج کا ماہر تھا لیکن مترجم نہیں تھا۔ اس کی ایک کتاب کا ترجمہ دورِ عباسی میں کیا گیا جس کا نام ''کتاب السموم ہے۔

(1) کتاب السموم: یہ کتاب شاناق کی تصنیف ہے۔ اصل میں یہ سنسکرت زبان میں تھی۔ سنسکرت میں اس کا نام ساہکا ہے۔ یہ پانچ مقالوں پر مشتمل ہے۔ یحییٰ بن خالد برمکی کی فرمائش پر منکہ ہندی نے پہلے اس کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا اور اس کی شرح بھی لکھی۔ پھر ابو حاتم بلخی نے فارسی سے عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ پھر عہد مامون میں دوبارہ اس کا ترجمہ عباس بن سعید الجوہری نے کیا۔ اس سلسلے میں علامہ شبلی لکھتے ہیں۔

''کتاب السموم شاناق کی تصنیف ہے۔ اس میں زہروں کا بیان ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ اوّل فارسی میں ابو حاتم نے منکہ کی مدد سے کیا۔ پھر مامون کے حکم سے عباس بن سعید الجوہری نے کیا۔''(3)

مؤلف عربی ادبیات میں ہندو پاک کا حصہ (ڈاکٹر زبیر احمد لکھتے ہیں۔) کہ سمیات پر شاناق کا ایک مختصر رسالہ مخطوطہ کی شکل میں کتب خانہ برلن میں موجود ہے۔ اس کے دیباچہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اصل کتاب کا ترجمہ فارسی زبان میں ابو حاتم بلخی نے خالد برمکی کے لیے 200ھ مطابق 815ء میں کیا تھا۔ اس کے بعد عباس بن سعید جوہری نے 210ھ مطابق 825ء میں اس کا عربی میں ترجمہ کیا۔ حاجی خلیفہ نے بھی کتاب السموم کے نام سے اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ رسالہ 84 صفحات پر مشتمل ہے اور اس کو چار مقالات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا مقالہ تعارفی ہے جس میں مصنف نے یہ بیان کیا ہے کہ بادشاہوں کی مقدس جان بچانے کے لیے طبیبوں نے مہلک زہروں کے مرکبات کس طرح ایجاد کیے۔ دوسرا مقالہ زہروں کے اثرات و علامات سے متعلق ہے، تیسرے مقالے میں زہر تیار کرنے کے مختلف طریقے بیان کیے گئے ہیں۔ آخری مقالہ علاج اور تریاق کے بارے میں ہے۔ مصنف نے تریاق کا ایک نسخہ درج کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ جو شخص یہ تریاق استعمال کرے اس پر کسی زہر کا اثر نہ ہوگا۔(4)

اس کتاب کو عربی میں منتقل کرنے کے اسباب دورِ رشیدی میں پیدا ہوئے، ان اسباب کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شبلی رقمطراز ہیں۔

''ہارون رشید ایک دفعہ سخت بیمار ہوا۔ اور بغداد طبیبوں سے معمور تھا۔ تاہم اس کو کسی کے علاج سے شفا نہیں ہوئی اس وقت ہندوستان کا ایک طبیب جو فلسفی بھی تھا شہرت عام رکھتا تھا ...... اور بغداد میں برامکہ کا جو اسپتال تھا اس کا مہتمم مقرر کیا گیا۔ سنسکرت کی علمی کتابیں اکثر اس نے ترجمہ کرائیں۔ چنانچہ ششرت کی کتاب جو دس بابوں میں ہے اور سامیکا جس میں زہروں کا بیان ہے اس نے ترجمہ کرائیں۔''(5)

یہ ہندوستانی طبیب جس کو رشید نے طلب کیا تھا۔ منکہ ہندی تھا جس کو دربار میں بلانے کا مشورہ ابو عمر عجمی نے دیا تھا۔

منکہ طبیب بہت دیانت دار اور مخلص ویدک علما میں سے تھا اس سلسلے میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے جس سے اس کی دیانت داری اور خلوص کا پتہ چلتا ہے۔

''اپنے مصاحبوں کے ساتھ منکہ کا گذر ایک بازار سے ہوا وہاں اس نے دیکھا کہ ایک دوا فروش چادر بچھا کر اور اس پر کچھ دواؤں کو پھیلا کر ان کے حیران کن افعال وخواص بتا رہا تھا۔ منکہ کو بہت تعجب ہوا۔ اس نے اپنے مصاحبوں سے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کا حاکم جاہل ہے کیوں کہ اگر یہ دوا فروش سچا ہے تو مجھے دور دراز علاقے سے کیوں بلایا اور اگر یہ جھوٹا ہے تو زندہ کیسے بچ رہا ہے کیوں کہ اس کے قتل سے ہزاروں کی جان بچ جائے گی۔''(6)

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ خلافت عباسیہ میں کتب قدیمہ کی نقل کا کام منصور کے زمانے میں شروع ہو چکا تھا، اس کے بعد اطبا کے چار خاندان آلِ بختیشوع، آلِ حنین، آل ماسرجویہ، اور آلِ ثابت طب وفلسفہ میں نقل وترجمہ کی خدمات انجام دیتے رہے، حبیش، حنین بن اسحاق، عیسیٰ بن یحییٰ وغیرہم نے بقراط کی کتابوں میں سے کتاب الفصول، کتاب الکسر، کتاب تقدمتہ المعرفتہ، کتاب الامراض الحادہ، کتاب الاخلاط کا ترجمہ کیا اور جالینوس کی تقریباً پچیس کتابیں جیش، حنین، ابن بطریق اور ابطلیات وغیرہ کے ذریعے ترجمہ سے آراستہ کیں۔

(2) کتاب الفصول: یہ بقراط کی مشہور طبی کتاب ہے جس کا ترجمہ شیخ المترجمین حنین بن اسحاق نے کیا۔ یہ دورِ مامونی کا بہت ہی اہم ترجمہ ہے جس طرح تقدمتہ المعرفتہ ایک اہم طبی

کارنامہ ہے۔

فصول بقراط کے متعلق یہ کہنا کافی ہوگا کہ قصر طب کی خشت اولین کی حیثیت رکھتی ہے جو آج سے تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل بنی نوع انسان کو امراض سے نجات دلانے کے لیے مرتب کی گئی۔ بقراط کے بعد یہ کتاب ہمیشہ بڑے قدر و احترام سے مطالعہ کی گئی ہے اور ابن سینا و زکریا رازی اور تمام اکابر اطبا نے اپنی کتابوں میں اس سے استفادہ کیا ہے، ابن ابی اصیبعہ اس کی مدح میں رطب اللسان ہے۔

ایک مصری طبیب ''کتاب الجدری والحصبہ' کے حاشیہ پر اس کا تعارف یوں کراتا ہے:۔

''کتاب الفصول لبقراط شرح جالینوس و ترجمہ الی السریانی حنین بن اسحاق و ترجمہ من السریانی الی العربی قسطا بن لوقا البعلبکی۔''(7)

یعنی کتاب الفصول بقراط کی تالیف ہے۔ جالینوس نے اس کی شرح کی، اور حنین بن اسحاق نے اس کا ترجمہ کیا اور قسطا بن لوقا نے سریانی سے عربی میں ترجمہ کیا۔

عام طور پر خیال جاتا ہے کہ کتاب الفصول حنین کی ترجمہ شدہ کتاب ہے لیکن مذکورہ بالا عبارت سے یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ حنین نے دراصل اس کتاب کو یونانی سے سریانی میں منتقل کیا تھا اور عربی میں اس کا ترجمہ قسطا بن لوقا نے کیا۔ یہ کتاب مصر میں چھپ چکی ہے۔

ذیل میں اس کے چند اقتباسات درج کیے جاتے ہیں۔

(1) امراض مزمنہ میں زیادہ عرصے تک غذا کا روک دینا خطرناک ہے کیوں کہ اس سے مریض کمزور ہو جاتا ہے اور اس میں مقابلۂ مرض کی استعداد نہیں رہتی۔

اس رسالہ میں روفس نے نبیذ کے فوائد اور طبی استعمال کو واضح کیا ہے۔ اس میں مؤلف نے اپنے ذاتی تجربات اور مشاہدات کو بھی درج کیا ہے، اس رسالے سے، یونانی سماج میں نبیذ کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ اس میں روفس نے واضح کیا ہے کہ خوشی کے موقع پر یونانی لوگ نبیذ کا استعمال کرتے تھے جبکہ فارس کے لوگ علمی مجالس میں اس مشروب کا استعمال کرتے تھے، طب یونانی میں نبیذ کا استعمال تسمین اور ہضم کی اصلاح کے لیے کیا جاتا ہے۔ عام طور پر عربوں میں کھجوروں سے نبیذ تیار کی جاتی لیکن یونانی

طب میں مختلف ادویہ کو مٹی کے آبخورے میں رات کو ڈال دیا جاتا اور جھاگ نکلنے سے پہلے اس کو استعمال کر لیا جاتا تھا۔[9]

(3) **کتاب الفصد**: یہ جالینوس کی بہت مشہور طبی کتاب ہے۔ دور ماموني میں عیسیٰ بن یحییٰ اور اصطفن بن بسیل نے اس کو عربی میں منتقل کیا۔ یہ کتاب دراصل ایک ضخیم مقالہ ہے۔ جو رسالے سے بڑی ہے۔ حنین بن اسحاق نے اسے یونانی سے عربی میں منتقل کر کے اس میں اصلاح بھی کی، اس کتاب کا ایک مقدمہ بھی ہے جس کو خود حکیم جالینوس نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے اس مقدمہ میں جالینوس نے حکما کو کچھ نصیحتیں کی ہیں اور ان کو اپنے علم پر بھروسہ کرنے کے لیے کہا ہے اس میں مصر کے علاقہ نوبہ کی سیاحت کا بھی تذکرہ ملتا ہے کیوں کہ اس میں فصد سے متعلق ایک کہانی مندرج ہے جو حسب ذیل ہے۔

''میں (جالینوس) نے نوبہ کے گرد و نواح میں بعض ایسی وحشی قومیں دیکھی ہیں جو وقت ضرورت ایک دوسرے کی فصد کو کھول لیتی ہیں۔ ایک دفعہ میں نے ایک وحشی کو دیکھا کہ دوسرے کی فصد کھول رہا ہے۔ بجائے شاہ رگ کے ایک دوسری چھوٹی سی رگ کو کانچ کے ٹکڑے سے کھولنا چاہا۔ کانچ اندر ہی ٹوٹ گیا۔ مریض کی رگیں پٹھوں سے زیادہ سخت تھیں۔ باندھنے سے پھولتی نہیں تھیں اور کھولنے سے سکڑتی نہیں تھیں۔[10]

(2) اگر کسی مرض میں نیند سے بدن میں درد پیدا ہو تو یہ ہلاکت کی علامت ہے اور اگر راحت محسوس ہو تو یہ صحت کی نشانی ہے۔

(3) جو چیز بدن میں بہ سرعت غذا بننے کی صلاحیت رکھتی ہے اس میں جسم سے بہ سرعت خارج ہونے کی استعداد بھی موجود ہے۔

(4) اگر کسی شخص نے دوائے مسہل پی لی اور اسے پیاس نہ لگی تو بالمعمول اسے اس وقت تک اسہال آتے رہیں گے جب تک تشنگی محسوس نہ ہوگی۔

(5) حالت مرض میں جس حصۂ بدن سے پسینہ آئے تو سمجھ لیجیے۔ مرض اسی حصہ میں مقیم ہے۔

(6) جب جسم سے پسینہ بہت زیادہ مقدار میں مسلسل جاری رہے تو سرد پسینہ مرض کی عظمت

کی شہادت ہے اور گرم پسینہ مرض کی خفت کی۔

(7) جب لازمی بخار میں عسر نفس اور اختلال عقل پیدا ہو جائے تو یہ علامت موت ہے۔

(8) اگر کسی شخص کو بخار کی حالت میں بہرا پن عارض ہو جائے پھر اس کی ناک سے خون خارج ہونے لگے یا اسے دست آ جائیں تو مرض رفع ہو جائے گا۔

(9) سِل کی بیماری عموماً اٹھارہ سال کی عمر سے لے کر پینتیس سال کی عمر تک لاحق ہوا کرتی ہے۔

(10) جس شخص کے پیشاب میں خون یا پیپ آئے اس کے گردہ یا مثانہ قرحہ ہوگا۔[8]

(4) رسالۃ النبیذ: یہ ایک یونانی مختصر طبی کتاب ہے جس کا مؤلف روفس (المتوفی 100ء ہے اس کا ترجمہ عربی میں قسطا بن لوقا البعلبکی نے کیا ہے۔ روفس جالینوس سے مقدم ہے۔ یہ علم التشریح کا بہت بڑا عالم تھا۔ اس کتاب کا پورا نام ''کتاب فی النبیذ وشربہ فی الولائم'' ہے۔ نبیذ ایک قسم کی شراب ہے جس میں نشہ نہیں ہوتا ہے۔ عام طور پر عربوں میں بھی اس کے پینے کا رواج تھا۔ عرب لوگ اس کو بطور غذا اور دوا استعمال کرتے تھے۔

(5) کتاب النبض الکبیر: یہ جالینوس کے قلم کا ایک طبی شاہکار ہے اس کا مترجم حبیش ہے لیکن اس کے ایک مقالہ کا ترجمہ عربی میں حنین نے کیا اس کتاب کے چار حصے ہیں جو سولہ مقالات پر مشتمل ہیں۔ اس کتاب کے بہت سے اقتباسات رازی نے اپنی کتاب، الحادی فی الطب، میں شامل کیے ہیں۔ ایک جگہ اس کی عبارت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"قال فی اول المقالته الرابعتهِ عشرة من النبض علی نحوورقۃٍمنها اِنَّ الـدّمَ قـد یتعفنُ نعفناً شدیداً جداً فی الاورامِ الّتی یَبْلُغُ مِن افراط لطیبها انهـا تـحَـرّقُ الـجِلْدَ وتُحدِثُ فیهِ الجُدریَ والحمرة المنتشره التی یکونُ معها تاکل۔"[11]

ترجمہ: جالینوس نے اپنی کتاب النبض کے چودھویں مقالے کی ابتدا میں لکھا ہے کہ ان اورام میں جن کی شدتِ تپش سے جلد میں احتراق پیدا ہو جایا کرتا ہے کبھی خون سخت متعفن ہوتا ہے جس سے جلد میں جُدری پیدا ہوتی ہے۔ اور حمرہ منتشرہ پیدا ہوتا ہے جس کے ساتھ جلد میں قرحہ پیدا ہو جاتا ہے۔

(6) کتاب منافع الاعضا: یہ جالینوس کی شہرۂ آفاق طبی کتاب ہے۔اس کا عربی ترجمہ حبیش نے کیا ہے، اس کتاب میں سترہ مقالے نقل کیے ہیں۔ایک جگہ اس کی عبارت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قال فی التاسعته من منافع الاعضاء، ان الفضول الباقیته من الاعدیق ممالا یستحمید الی الدم و تبقرفی الاعضاء تعفن علی الا یام حق تولد الحمرة او الجدری و الساعیته۔"[12]

جالینوس نے اپنی کتاب منافع الاعضاء کے نویں مقالے میں کہا ہے کہ غذا کے فضلات جوخون میں تبدیل نہیں ہوتے کچھ عرصہ اعضا میں رہ کر متعفن ہو جاتے ہیں جس سے حمرہ (خسرہ) جدری (چیچک) اور قرحہ ساعیہ پیدا ہوتے ہیں۔

(7) کتاب الحشائش: یہ دیسقوریدوس کی مشہور طبی کتاب ہے۔ جو جڑی بوٹیوں کے بیان پر مشتمل ہے، اس موضوع پر یہ دنیا میں سب سے زیادہ مفید کارآمد اور مستند یونانی تالیف ہے۔ پہلی بار اس کتاب کا ترجمہ دولت عباسیہ میں اصطفن بن بسیل کے ہاتھوں ہوا اور اس کی تصحیح اور نظر ثانی کے فرائض حنین بن اسحٰق نے انجام دیے۔ جتنی یونانی دواؤں کے عربی نام معلوم ہو سکے، اصطفن نے لکھ دیے تھے لیکن باقی نام اس نے یونانی زبان میں جوں کے توں چھوڑ دیے۔ یہی ترجمہ بغداد سے الناصر بن محمد کے زمانے میں اندلس پہنچا، 337ھ مطابق 948ء میں قسطنطنیہ کے رومی حکمراں ارمانیوس نے الناصر کو اصل کتاب جو یونانی زبان میں لکھی ہوئی اور جڑی بوٹیوں کی تصاویر سے مزین تھی۔ بطور ہدیہ بھیجی۔اس وقت اندلس کے نصاریٰ میں سے کوئی شخص یونانی زبان کا عالم موجود نہیں تھا اور یہ کتاب شاہی کتب خانہ میں بلا ترجمہ پڑی رہی اور اہل اندلس اصطفن کے ترجموں سے استفادہ کرتے رہے۔ الناصر نے کتاب کا ترجمہ کرانے کا فیصلہ کیا اور رومی بادشاہ ارمانیوس کو لکھا کہ یونانی زبان کے کسی عالم کو اس کے پاس بھیج دیں چنانچہ نقولا نامی ایک راہب کو اس کے پاس بھیجا۔ نقولا نے قرطبہ پہنچ کر اپنا کام شروع کیا اور کئی علما کی مدد سے اس کا ترجمہ مکمل کیا۔ تمام اندلس میں ہی کام کی دھوم مچ گئی۔ اس کے بعد ابن جلجل نے (273ھ مطابق 982ء) کتاب الحشائش کی جانب توجہ دی اس نے اس کی بہت سی ادویہ مفردہ کی تفسیر کی، جس میں ان ادویہ کا تذکرہ بھی کیا گیا۔ جن کو دیسقوریدوس نے اپنی کتاب میں بیان نہیں کیا تھا۔ ابن جلجل کے

بعد (663ھ مطابق 1264ء) میں ابن بیطار کا زمانہ آیا۔ اس نے کتاب الحشائش اور علم الادویہ پر تحقیقات اور انکشافات کے سلسلے میں وہ کارنامے انجام دیے جو تاریخ طب کے صفحات پر جگمگاتے رہیں گے۔

ابن بیطار نے کتاب الحشائش کی شرح کے سلسلے میں کتاب الایانہ والاعلام کے نام سے ایک طبی کتاب لکھی ہے۔[13]

(8) کتاب شرک الھندی: یہ آیورویدک طب کی مشہور کتاب ہے۔ اس کا مولف مشہور ہندوستانی رشی چرک تھا۔ جو بقول بعض دوسری صدی عیسوی میں تھا۔ بعض لوگ اس کے عہد کا تعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ دوسو سال قبل مسیح میں گذرا ہے۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے شمالی ہند کا رہنے والا بتایا ہے۔ منکہ نے اس کتاب کو فارسی زبان میں منتقل کیا اور عبداللہ بن علی نے اس کو عربی زبان کا جامہ پہنایا۔ یہ کتاب دس مقالات پر مشتمل ہے اور اس کو کناش اہرن بن اعین کا درجہ حاصل تھا۔ یہ ویدک طریقۂ علاج کی مستند کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس کتاب کو عرب اور ایرانی اطبا نے بڑی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا اس کے حوالے فردوس الحکمت اور الحادی فی الطب میں ملتے ہیں۔

ہندی طب کی قدر و منزلت عرب اہلِ فن کی نگاہوں میں مسلم تھی۔ اس سلسلے میں صالح بن بہلہ ہندی اور منکہ ہندی کا مقام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے۔ صالح بن بہلہ ہندی عہد عباسی میں ہند سے عراق پہنچ کر درباری طبیب مقرر ہوا۔ جہاں اسے شاہی اور درباری اطبا کے درمیان خاص امتیاز حاصل ہوا۔

دربار خلافت میں منکہ آیورویدک علم طب کا سب سے ممتاز عالم اور حاذق معالج تسلیم کیا جاتا تھا۔ یہ فارسی اور ہندی دونوں زبانوں کا ماہر تھا۔ ابن الندیم نے اپنی کتاب ''الفہرست'' میں علم طب سے متعلق ہند کی ان کتابوں کی ایک فہرست شائع کی ہے جو اس کے زمانے میں لغت عربی میں موجود تھی یہ فہرست حسب ذیل ہے:۔

(1) کتاب سسرو (ششرت) یہ دس مقالات پر مشتمل ہے۔ جس کی شرح یحیٰ بن خالد کے حکم سے منکہ نے کی۔ اور شفاخانہ میں کناش (فارماکوپیا) کے طور پر رائج کی گئی۔ عصر المامون کے مطابق اس کتاب کا ترجمہ بھی منکہ نے کیا۔

(2) کتاب استانکر الجامع: جس کی تفسیر ابن دھن نے لکھی ہے۔

(3) کتاب سرک (شرک الھندی) یہ وہی کتاب ہے جس کو سنکھتا کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اسے عبداللہ بن علی نے پہلے ہندی سے فارسی میں اور پھر فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا جیسا کہ اس کے بارے میں ہم پہلے تذکرہ کر چکے ہیں۔[14]

(4) کتاب مختصر فی العقاقیر الھندیہ: ہندوستانی جڑی بوٹیوں کے بارے میں یہ ایک مختصر کتابچہ ہے۔ اس کے مترجم اور مصنف کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔

(5) کتاب علاج الحبالی للھند: جیسا کہ نام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طبی کتاب حواس کے علاج سے متعلق ہے۔ مصنف اور مترجم کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔

زکریا رازی نے الحاوی الطب، میں جگہ جگہ اس کا حوالہ دیا ہے۔

(6) کتاب التوھم فی الامراض والعلل: یہ بھی ایک اہم ہندی طبی تصنیف ہے جو ناکشتل ہندی کی طرف منسوب ہے۔

(7) کتاب السکر للھند: یہ بھی ایک ہندی طبی کتاب ہے جس کے مصنف اور مترجم کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔ زکریا رازی نے اس کے حوالے اپنی کتاب الحاوی فی الطب، میں دیے ہیں۔

(8) کتاب روسا الھندیہ فی: لاجات النسا۔ یہ روسا نامی ہندوستانی عورت کی طرف منسوب ہے اس میں عورتوں کے امراض کے بارے میں مفصل نسخے مندرج ہیں۔ مترجم کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔ فردوس الحکمت اور الحاوی فی الطب، میں اس کے حوالے ملتے ہیں۔

(9) کتاب رای الھندی فی اجناس الحیات وسموھا: رائے ہندی وید کی طرف منسوب ہے لیکن اس میں سانپوں کے اقسام اور اس کے زہروں کا بیان اور ان کا علاج بیان کیا گیا ہے اس کے مترجم کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔

مختصر یہ کہ ابتدا ہی سے اخذ و استفادہ عربی طب کے مصنفین کی خصوصیت رہی ہے اور انھوں نے اپنی طب میں اضافہ کے لیے جہاں دنیا کے دیگر علوم وفنون سے استفادہ کیا وہاں آیورویدک کی مفید معلومات کو بھی اپنی طب میں شامل کیا ہے۔ فردوس الحکمت کا چوتھا مقالہ آیورویدک کی معلومات پر مشتمل ہے۔ اس میں ایک باب ایک ہندی خاتون کی (شاید روسا

الھند یہ) طبی معلومات پر محتوی ہے۔ جس میں امراض نسواں کے سلسلے میں اس کے بہترین نسخہ جات بھی شامل ہیں اس کے علاوہ ابن سینا اور زکریا رازی نے اپنی تصانیف میں کئی جگہ آیورویدک کی معلومات کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح علی بن ربن طبری نے ''فردوس الحکمت'' ''ششرت'' چرک ندان آور اشٹانگ ہروتے کی معلومات سے متعدد مقامات پر متعارف کرایا ہے۔ ذیل میں ہم طبی تراجم کی ایک مفصل فہرست درج کررہے ہیں اور ان کے مترجم اور کتاب کی کیفیت کے بارے میں اپنی تحقیقی معلومات کو مختصراً پیش کررہے ہیں۔

کتب البقراط

نمبر شمار	نام کتاب	مترجم	کیفیت
1	کتاب عہد بقراط	حنین حبیش عیسیٰ	جالینوس نے اس کی تفسیر کی ہے اور حنین نے اس کا ترجمہ یونانی سے سریانی میں کیا اور عیسیٰ بن یحییٰ اور جیش نے اس کا ترجمہ عربی میں کیا، اس میں بقراط نے وہ شرائط بتائے ہیں جن کے بغیر کسی کو فن طب نہیں پڑھانا چاہیے۔
2	کتاب الفصول	حنین وعیسیٰ	اس کی تفسیر جالینوس نے کی ہے، سات مقالوں پر مشتمل ہے۔ اس میں تمام مسائل طبیہ کا خلاصہ ہے۔
3	کتاب الکسر	حنین بن اسحٰق	اس کی تفسیر بھی جالینوس نے کی ہے اس میں ہڈیوں کے ٹوٹنے اور جوڑنے کا بیان ہے۔ پورا نام ''کتاب الکسر والجبر'' ہے۔ یہ چار مقالات پر مشتمل ہے۔
4	کتاب تقدمتہ المعرفہ	حنین وعیسیٰ	یہ تین مقالات پر مشتمل ہے اس میں علامات مرض کا بیان ہے۔

5	الامراض الحادہ	عیسیٰ بن یحییٰ	یہ کتاب غذا، فصد، مسہل وغیرہ کے بیانات پر مشتمل ہے اس کے پانچ مقالات تھے لیکن ان میں سے صرف تین مقالات کا عربی میں ترجمہ ہوا۔
6	لیذ یمیا	عیسیٰ بن یحییٰ	یہ سات مقالات پر مشتمل ہے اس کی تفسیر جالینوس نے کی ہے۔
7	کتاب الاخلاط	عیسیٰ بن یحییٰ	یہ تین مقالات پر مشتمل ہے اس کی تفسیر جالینوس نے کی ہے۔س۔ف۔ا۔
8	کتاب قاطیطر یون	حنین	یہ تین مقالات پر مشتمل ہے اس کی تفسیر جالینوس نے کی ہے اس میں ہاتھ کے افعال و اعمال کا بیان ہے۔عصر المامون میں ایک کتاب کا نام قاطیطو ن لکھا ہے۔
9	کتاب الماءوالہوا	حنین وحبیش	اس میں مختلف ملکوں کی آب و ہوا کی تاثیر کا بیان ہے اس کی تفسیر بھی جالینوس نے کی ہے۔ یہ تین مقالات پر مشتمل ہے جن میں دو مقالوں کا ترجمہ حنین نے کیا اور باقی کا ترجمہ حبیش نے کیا۔
10	کتاب طبیعتہ الانسان	حنین وعیسیٰ	اس کی تفسیر جالینوس نے کی ہے۔یہ تین مقالات پر مشتمل ہے اس میں جسم کی ترکیب کا بیان ہے۔ حنین نے اس کتاب کے ملخص کا ترجمہ کیا(15)

کتب جالینوس

نمبر شمار	نام کتاب	مترجم	کیفیت
1	کتاب الفرق	حنین	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
2	کتاب الصناعتہ	حنین	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
3	کتاب النبض	حنین	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔

4	کتاب شفا الامراض	حنین	اس میں دو مقالے ہیں۔
5	کتاب المقالات الخمس فی التشریح	حنین	یہ علم التشریح پر مشتمل ہے۔
6	کتاب الاسطقسات	حنین	اس میں ایک مقالہ ہے اس میں عناصر اربعہ کا بیان ہے۔
7	کتاب المزاج	حنین	یہ تین مقالات پر مشتمل ہے۔
8	کتاب القوئ الطبیعۃ	حنین	یہ تین مقالات پر مشتمل ہے۔
9	کتاب العلل والامراض	حنین	یہ چھ مقالات پر مشتمل ہے۔
10	کتاب تعرف علل الاعضاء الباطنہ	حبیش	یہ چھ مقالات پر مشتمل ہے لیکن تاریخ الحکما میں مترجم کا نام حنین لکھا ہے۔
11	کتاب النبض الکبیر	حبیش	اس کتاب کے چار حصے ہیں جو سولہ مقالات پر مشتمل ہیں۔ ان مقالات میں سے ایک مقالہ کا ترجمہ حنین نے عربی میں کیا۔
12	کتاب الحمیات	حنین	یہ دو مقالات پر مشتمل ہے، الفہرست میں اس کا نام کتاب الحمایات لکھا ہے لیکن تاریخ الحکما میں کتاب الحمیات ہے جو زیادہ صحیح ہے۔
13	کتاب البحران	حنین	یہ تین مقالات پر مشتمل ہے۔
14	کتاب ایام البحران	حنین	اس میں بھی تین مقالات ہیں
15	کتاب تدبیر الاصحا	حبیش	یہ چھ مقالات پر مشتمل ہے۔
16	کتاب حیلۃ البرء	حبیش	یہ چودہ مقالات پر مشتمل ہے ان میں سے پہلے چھ مقالات کی اصلاح حنین نے کی ہے۔

یہ سولہ کتابیں تھیں قدیم زمانے میں ان کے علاوہ جالینوس کی دیگر تصانیف حسب ذیل ہیں:

17	کتاب التشریح الکبیر	حبیش الاعسم	درس گاہوں کی نصاب تعلیم میں داخل تھیں اس میں علم التشریح کا بیان ہے اس میں پندرہ مقالات ہیں۔
18	اختلاف التشریح	حبیش الاعسم	اس میں دو مقالے ہیں۔
19	تشریح الحیوان المیت	حبیش الاعسم	اس میں ایک مقالہ ہے۔ مردہ جانوروں کی تشریح کا بیان ہے۔
20	تشریح الحیوان الحی	حبیش الاعسم	اس میں زندہ جانوروں کی تشریح کا بیان ہے اس میں دو مقالے ہیں
21	کتاب علم البقراط بالتشریح	حبیش الاعسم	اس میں پانچ مقالے ہیں
22	کتاب علم ارسطو بالتشریح	حبیش الاعسم	اس میں تین مقالے ہیں۔
23	کتاب تشریح الرحم	حبیش الاعسم	اس میں ایک مقالہ ہے۔
24	کتاب العادات	حبیش الاعسم	اس میں ایک مقالہ ہے۔
25	کتاب نصب البدن	حبیش الاعسم	اس میں ایک مقالہ ہے۔
26	کتاب المنی	حبیش الاعسم	اس میں ایک مقالہ ہے۔
27	کتاب منافع الاعضا	حبیش الاعسم	اس میں سترہ مقالے ہیں۔
28	کتاب ترکیب الادویۃ	حبیش الاعسم	اس میں سترہ مقالے ہیں۔
29	کتاب الریاضیۃ	حبیش الاعسم	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
30	کتاب الحث علیٰ تعلیم الطب	حبیش الاعسم	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔

31	کتاب الریاضۃ بالکرۃ الکبیرۃ	حبیش الاعسم	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
32	قوی النفس ومزاج البدن	حبیش الاعسم	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
33	حرکات الصدر	اصطفن بن بسیل	یہ تین مقالات پر مشتمل ہے۔ حنین نے اس کی اصلاح کی ہے۔
34	علل النفس	اصطفن بن بسیل	یہ دو مقالات پر مشتمل ہے۔ حنین نے اپنے لڑکے کے لیے اس کی اصلاح کی۔
35	کتاب حرکۃ العضل	اصطفن بن بسیل	یہ دو مقالات پر مشتمل ہے اس کی اصلاح بھی حنین نے کی۔
36	کتاب الحاجۃ الی النفس	اصطفن بن بسیل وحنین	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
37	کتاب الامتلاء	اصطفن	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
38	کتاب المرۃ والسوداء	اصطفن	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
39	کتاب علل الصوت	حنین	یہ چار مقالات پر مشتمل ہے۔
40	الحرکات المجہولۃ	حنین	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
41	افضل الہیئات	حنین	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے اس کا ترجمہ دو زبانوں میں ہوا۔ سریانی اور عربی دونوں زبانوں میں اس کا ترجمہ حنین نے کیا۔
42	کتاب سوء المزاج المختلف	حنین	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
43	کتاب الادویۃ المفردہ	حنین	اس میں گیارہ مقالات ہیں۔

44	کتاالمولودالسبعة اشہر	حنین	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
45	کتاب رداءة النفس	حنین	اس میں تین مقالات ہیں۔
46	کتاب الذبول	حنین	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
47	کتاب قویٰ الاغذیة	حنین	یہ تین مقالات پر مشتمل ہے۔
48	کتاب التدبیر الملطفا	حنین	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
49	مداوة الامراض	حنین	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
50	کتاب القراطفی الامراض الحادہ	حنین	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
51	الطبیب و الفیلسوف	حنین	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
52	کتاب القرابط الصحیة	حنین	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
53	کتاب محنة الطبیب	حنین	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
54	کتاب تقدمة المعرفة	عیسیٰ	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
55	کتاب الفصد	عیسیٰ واصطفن	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
56	صفات لصبی یصرخ	ابحلیات	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔ الفہرست میں اس کا نام صفات بعی یصرع لکھا ہے اس کتاب کے دو ترجمے ہوئے۔ سریانی اور عربی اور دونوں زبانوں میں ترجمہ ابحلیات نے کیا۔
57	کتاب الاورام	ابحلیات	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔

58	کتاب الکیموس	ثابت جبش الصلی	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
59	کتاب الادویۃ والادوا	عیسیٰ بن یحییٰ	یہ دو مقالوں پر مشتمل ہے۔
60	کتاب التریاق	ابن البطریق	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔

ان کے علاوہ دیگر طبی تراجم کا تذکرہ صاحب الفہرست نے تفصیل سے کیا ہے۔ لیکن مترجمین نامعلوم ہیں ان میں سے بیس سے کچھ زیادہ کتابیں حکیم روفس کی ہیں جو جالینوس سے قبل گذرا ہے۔ لیکن بعض لوگوں نے اس کی تصانیف کی تعداد ساٹھ لکھی ہے اور بیت الحکمت کے زیر اہتمام اس کی بیشتر کتابوں کا ترجمہ ہوا ہے۔ ابن الندیم اور ابن ابی اصیبعہ نے ان کی نشاندہی کی ہے۔ زکریا رازی کی تصنیف ''الحاوی فی الطب'' میں ان کے حوالے ملتے ہیں۔ کچھ کتابیں اور بیانیوس کی طرف منسوب ہیں۔ ان میں کتاب الادویۃ بہت مشہور ہے اس کا ترجمہ اصطفن بن بسیل نے کیا۔ اسی طرح حکیم دیسقوریدس کی طرف ایک مشہور طبی کتاب منسوب ہے یعنی ''کتاب الحشائش'' اس کا ترجمہ اصطفن بن البسیل نے کیا ہے اور حکیم اسکندروس کی کتاب ''البرسام'' بھی بہت مشہور ہے اس کے مترجم ابن البطریق ہیں، اس کے علاوہ دیگر طبی تراجم بھی ہیں جن کے مترجمین نامعلوم ہیں۔[16]

حواشی:

1. جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، ج3، ص69 طبع مصر 1902ء۔
2. ابن الندیم، الفہرست، ص289 طبع لاہور 1969ء۔
3. علامہ شبلی، رسائل، ص262 طبع علی گڑھ 1898ء۔
4. ڈاکٹر زبیر احمد، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ، ص38 (مترجم شاہد حسین رزاقی) ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور 1973ء۔
5. علامہ شبلیؒ، رسائل، ص73 طبع علی گڑھ 1898ء۔
6. علامہ شبلیؒ، رسائل، ص73 طبع علی گڑھ 1898ء۔
7. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ص33 طبع بیروت 1995ء۔
8. حکیم سید نیر واسطی، طب العرب، ص214، بار دوم طبع لاہور 1969ء۔
9. بقیہ صفحہ 250، مجلہ ابحاث تاریخ ترجمہ علمیہ بزبان عربی طبع حلب 1984ء۔
10. حکیم سید ظل الرحمن، رسالہ النبیذ، (قسطا بن لوقا) جلد نمبر شمارہ۔ 3-4، ص185، رسالہ اسٹڈیز ان ہسٹری آف فیڈیکین اینڈ سائنس، نئی دہلی 1985ء۔
11. حکیم سید نیر واسطی، طب العرب، ص217، بار دوم طبع لاہور 1969ء۔
12. القفطی، تاریخ الحکماء، ص98 طبع دہلی 1965ء۔

بقیہ ص253 احمد فرید مفاعی، مصر المامون ص385 طبع القاہرہ 1928ء۔

بقیہ صفحہ 254 ص 11 حکیم سید نیر واسطی، طب العرب، ص317، بار دوم طبع لاہور 1969

بقیہ صفحہ احمد فرید رفاعی، مصر المامون ص384 طبع القاہرہ 1927ء۔

12 سید نیر واسطی، طب العرب، ص314، بار دوم طبع لاہور 1969ء۔

احمد فرید رفاعی مصر المامون ص385 طبع القاہرہ 1927ء

13. حکیم سید نیر واسطی طبّ العرب، ص416-417، بار دوم طبع لاہور 1969ء۔

احمد فرید رفاعی، مصر المامون، ص389 طبع القاہرہ۔ 1927ء۔

14. حکیم سید نیر واسطی، طب العرب، ص273، بار دوم طبع لاہور 1969ء۔

احمد فرید رفاعی المامون ص391 طبع القاہرہ 1927ء

احمد فرید رفاعی، مصر المامون ص39 طبع القاہرہ 1927ء۔

15. بقراط کی ان تصنیفات اور ان کے علاوہ دیگر تصنیفات کے مضامین کو مورخ یعقوبی اور ابن ابی اصیبعہ نے تفصیل سے لکھا ہے۔
16. الدکتور احمد فرید الرفاعی، مصر المامون، ص385 الطبعۃ الشامیۃ المجد دور اول طبع القاہرہ 1927ء۔

دسواں باب

فلسفیانہ تراجم کا تحقیقی مطالعہ

اس میں شبہ نہیں کہ جتنے بڑے بڑے حکما یونان گذرے ہیں ان سب کی کتابوں کا ترجمہ مختلف ادوار میں کیا گیا جس کا اثر حکمائے اسلام اور فلسفۂ اسلامی پر پڑا۔ ان حکما میں سب سے زیادہ مشہور پانچ شخص تھے جیسا کہ اس سے قبل ابواب میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔ یعنی بندقلیس، فیثاغورث، سقراط، افلاطون اور ارسطو ـــــ ان میں سب سے مقدم بندقلیس ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں تھا اور اس نے شام میں حضرت لقمان علیہ السلام سے حکمت سیکھی تھی۔ پھر شام سے یونان میں آیا اور تخلیق عالم سے متعلق ایسی باتیں کیں۔ جس سے بظاہر معاد کا انکار ہوتا ہے۔[17] اس لیے لوگوں نے اس سے کنارہ کشی اختیار کی، بندقلیس پہلا فلسفی ہے۔ جس کا خیال تھا کہ خدائے تعالیٰ کی ذات میں جو مختلف اوصاف مثلاً علم قدرت وغیرہ پائے جاتے ہیں وہ الگ الگ چیزیں نہیں۔ معتزلہ میں ابوالھذیل بصری نے صفات باری کے متعلق اسی کا مذہب اختیار کیا ہے۔

فیثاغورث بندقلیس کے بعد پیدا ہوا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب سے مصر میں حکمت سیکھی۔ معاد کے متعلق اس کا مذہب تقریباً وہی ہے جو بندقلیس کا ہے۔ یعنی اس مادی عالم کے علاوہ ایک روحانی عالم بھی ہے جس کے حسن و جمال کا ادراک عقل نہیں کر سکتی۔ تمام

پاکیزہ روحیں اس کی مشتاق رہتی ہیں۔

اخوان الصفا[18] اسی فیثا غورث کے فلسفہ سے متاثر تھا۔سقراط فیثا غورث کا شاگرد تھا اس نے فلسفہ کی تمام شاخوں میں سے صرف فلسفۂ الٰہی کو لے لیا تھا۔صفات باری کے متعلق اس کا مذہب تقریباً وہی تھا جو فیثا غورث اور بندقلیس کا تھا۔

افلاطون بھی سقراط کی طرح فیثا غورث کا شاگرد تھا ابتدا میں شعر کہا کرتا تھا۔افلاطون سقراط کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے فلسفہ کو نہایت شوق سے حاصل کیا۔اسی افلاطون کے زمانے سے یونانی فلسفہ کی تاریخ کا نیا دور شروع ہوا۔افلاطون کے شاگرد ارسطو نے فلسفۂ الٰہی کو درجۂ کمال تک پہنچایا۔اس نے فرقہ الٰہیین کے قواعد واصول کو مستحکم کیا۔

مسلمانوں میں فلسفۂ یونان کی اشاعت صرف ترجموں کے ذریعے سے ہوئی۔خلیفہ منصور سے لےکر مامون کے زمانے تک ترجموں کا کام ہوتا رہا۔مامون کے زمانے تک زیادہ تر ارسطو کی کتابوں کے ترجمے ہوئے۔فارابی نے تمام تراجم کو سامنے رکھ کر فلسفہ کی کتابوں کا ایک عمدہ ترجمہ تیار کیا۔اسی لیے وہ معلم ثانی کے نام سے مشہور ہوا۔تصنیف وتالیف وتراجم جن کے توسط سے فلسفہ کی اشاعت ہوئی ان کو تین ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔جیسا کہ پچھلے ابواب میں ہم اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔

(1) پہلا دور خلیفۂ منصور کے زمانے سے شروع ہوکر ہارون رشید کے زمانے پر ختم ہوتا ہے۔

(2) دوسرا دور جو مامون کے زمانے سے شروع ہوا اور اس دور میں تمام یونانی علوم وفنون کے ترجمے ہوئے۔

(3) تیسرے دور میں جو چوتھی صدی ہجری تک قائم رہا اس دور میں ارسطو کی منطق اور طبیعات کی کتابوں کے ترجمے ہوئے۔ان کی شرحیں اور تفسیریں بھی لکھی گئیں۔[19]

مسلمان فلسفہ اور طب کے پہلے مرحلے میں بے شبہ یونان وروم کے احسان مند ہیں۔ ان کی تصنیفات کے ہر صفحے سے احسان مندی کا اظہار ہوتا ہے اور سچ یہ ہے کہ افلاطون اور ارسطو کے کارناموں کو اسلامی ممالک نے جو عزت دی، یونان میں ان کو نصیب نہ ہوئی ہوگی۔

مسلمانوں نے ایک ذرہ پایا تھا مگر اس کو آفتاب بنا دیا۔ ہیئت کو ترقی دی، طبیعات میں ارسطو کی غلطیاں دریافت کیں، منطق کو جدید ترتیب دی نئے آلات رصد ایجاد کیے۔ روشنی کی رفتار دریافت کی، جبر و مقابلے کو ایک علم کے رتبہ پر پہنچایا۔ دوا سازی کے نسخوں کی ترتیب، عرق ریزی کشید کرنے کے آلے، موالید کی تحلیل، تیز آبوں کی تفریق ان ہی کی ایجادات میں سے ہیں۔ کیمسٹری کی بنیاد ڈالی، علم نباتات میں کئی ہزار پودوں کا اضافہ کیا غرض آج یونانی و عربی تصنیفات کا کوئی موازنہ کرے تو قطرہ و دریا کا فرق پائے گا۔[20]

اب ہم مشہور فلسفیانہ تراجم کا تحقیقی مطالعہ پیش کریں گے۔

(1) کتاب الکون والفساد: یہ کتاب عناصر عالم میں تغیر و تبدل سے متعلق ہے۔ پہلے یونانی زبان سے اس کا ترجمہ حنین بن اسحاق نے سریانی زبان میں کیا۔ پھر اسحاق اور ابو عثمان و مشقی نے اس کا ترجمہ عربی میں پیش کیا۔ ایک ترجمہ ابراہیم بن بکوس کی طرف منسوب ہے۔ اس کتاب کی شرح بھی لکھی گئی، اس کے شارح کا نام اسکندر ہے، اس کتاب کا ترجمہ اسطاث نے بھی کیا ہے۔ یہ شخص یونانی، سریانی اور لاطینی زبانوں میں مہارت رکھتا تھا اور اس کتاب کا ترجمہ اس نے سریانی میں کیا ہوگا۔

یہ شخص بیت الحکمت میں یحییٰ بن خالد برمکی کے لیے ترجمہ کیا کرتا تھا۔ اس ترجمۂ اسطاث کی شرح امقیذ ورس نے لکھی۔ قسطا بن لوقا نے اس کتاب کے صرف مقالۂ اولیٰ کا ترجمہ کیا۔ پھر متیٰ بن مونس نے بھی اس کتاب کا ترجمہ کیا اور اپنے ترجمہ کی بنیاد اسطاث کے ترجمہ پر رکھی اور اس ترجمہ کی اصلاح ابوزکریا یحییٰ بن عدی نے کی، یحییٰ نحوی نے بھی اس کی شرح سریانی زبان میں لکھی جس کا بعد میں عربی میں ترجمہ کیا گیا۔

اس سلسلے میں مؤلف تاریخ الحکماء لکھتے ہیں:۔

''ارباب علم کا خیال ہے کہ سریانی نسخہ بلحاظ فصاحتِ زبان و تسہیل مضامین عربی ترجمہ سے بہت بلند ہے اور عربی مترجم سے ترجمہ میں کافی غلطیاں سرزد ہوئی تھیں۔[21]

یہی بات تقریباً صاحب الفہرست نے بھی لکھی ہے۔ علامہ شبلی نے اس کتاب کی یونانی شرح کی بھی نشاندہی کی ہے اس کے یونانی شارح کا نام لاینڈروس ہے اس یونانی شرح کا بھی ترجمہ عربی زبان میں کیا گیا[22] لیکن مترجم کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔

(2) کتاب الالٰھیات: یہ ارسطو کی بہت اہم کتاب ہے جو کتاب الحروف و مابعد الطبعیۃ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب یونانی حروف کی ترتیب کے مطابق مرتب کی گئی ہے۔ اس کا ترجمہ اسحاق بن حنین نے کیا لیکن مکمل ترجمہ دستیاب نہیں صرف حرف مو تک ہے۔ ابوزکریا یحیٰ بن عدی نے بھی اس حرف ''مو'' کی تمام بحث کا ترجمہ کیا ہے۔ لیکن اسکندر نے یونانی زبان میں اسکی شرح لکھی ہے۔ جو حرف ''نو'' تک ہے۔ اسطاث نے ان تمام حروف کا کندی کے لیے ترجمہ کیا تھا۔ ابوبشر متی بن یونس نے اس کتاب کا مقالہ ''لام'' کا...... جو گیارھواں حرف ہے، سکندر کی شرح کے ساتھ عربی میں ترجمہ کیا۔ اس کتاب کا سریانی ترجمہ حنین بن اسحاق نے کیا ثامطیوس نے بھی مقالہ ''لام'' کی شرح لکھی ہے اومتی بن یونس نے اس شرح کا ترجمہ کیا۔

سوریانوس نے مقالہ ''یا'' کی شرح لکھی اور اس شرح کا ترجمہ بھی عربی زبان میں ہو چکا ہے۔ اس کتاب کے سلسلے میں علامہ شبلیؒ رقم طراز ہیں۔

"اسحاق بن حنین، یحیی بن عدی، اسطاث الکندی اور ابوبشر متی ھر ایك نے اس کا پورا ترجمه کیا اور بعض مقالوں کا حنین بن اسحاق نے بھی۔"[23]

لیکن تاریخ الحکما اور الفہرست کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا ترجمہ صرف حرف ''مو'' تک ہوا یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا مکمل ترجمہ ہوا ہو لیکن یہ مکمل ترجمہ زمانے کے دست برد سے محفوظ نہ رہ سکا۔ خود یونانی نسخہ بھی نامکمل ہے کیوں کہ یہ حرف ''نو'' تک ہے۔

(3) کتاب النفس: یہ بھی ارسطو کی ایک اہم تصنیفات میں سے ہے اس میں نفس کی حقیقت کا بیان ہے[24] اس کتاب میں تین مقالات ہیں۔ حنین بن اسحاق نے اس کتاب کا سریانی میں ترجمہ کیا اور اسحٰق نے بھی اس کا ترجمہ کیا۔ شاید عربی زبان میں۔ کیوں کہ اسحٰق عموماً سریانی سے عربی میں ترجمہ کیا کرتا تھا۔ پہلا ترجمہ نامکمل تھا پھر دوبارہ اس نے ایک مکمل اور واضح ترجمہ پیش کیا۔ ثامسطیوس نے اس کی مفصل شرح لکھی ہے۔[25] یہ شرح سات مقالات پر مشتمل ہے۔ سریانی زبان میں دو شرحیں لکھی گئیں ہیں۔ ایک امقیدروس اور دوسری سنبلی قیوس کی طرف منسوب ہے۔ سنبلی قیوس یونان کا ایک مہندس اور ریاضی داں تھا۔ اقلیدس کے بعد گذرا ہے۔ اس نے اقلیدس کی کتاب کی شرح بھی لکھی ہے۔[26]

صاحب الفہر ست نے سنبلی قیوس کی شرح کی بہت تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ سریانی میں اس کی ایک شرح ہے جو بہترین شرح ہے اور سنبلی قیوس کی طرف منسوب ہے۔[27]

اس کی ایک تلخیص بھی سو اوراق میں لکھی گئی ہے جس کو اسکندر نے قلم بند کیا اور ابن البطریق نے اس کی مختصر شرح لکھی۔ صاحب الفہر ست اسحاق بن حنین کے قول کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''میں نے اس کتاب کے ایک نہایت ہی رڈی نسخے کا عربی میں ترجمہ کیا اس سے تیس سال بعد مجھے ایک بہترین نسخہ ملا جس سے میں نے پہلے ترجمہ کا تقابل کیا۔ یہ ثامطیوس کی شرح تھی۔''[28]

اس کتاب کے سلسلے میں علامہ شبلی لکھتے ہیں۔

حنین نے پوری کتاب کا ترجمہ سریانی زبان میں کیا اور بعض مقالوں کا ترجمہ اسحاق نے کیا۔ ثامطیوس نے اس کتاب کی جو مبسوط شرح لکھی تھی اس کا ترجمہ اسحاق نے ایک خراب نسخے سے کیا پھر ایک عمدہ نسخہ سے مقابلہ کر کے صحیح کیا۔[29]

علامہ شبلیؒ نے یہ بات شاید مؤلف تاریخ الحکما کے بیان پر اعتماد کر کے لکھی ہے لیکن الفہر ست کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ کتاب النفس کا ترجمہ ایک ردی نسخہ سے عربی میں لکھا تھا اور ثامطیوس کی شرح سے پہلے ترجمہ کی تصحیح کی تھی۔

یہی بات رسائل میں علامہ شبلی نے لکھی ہے وہ لکھتے ہیں ''کتاب النفس میں نفس کی حقیقت کا بیان ہے۔ حنین نے اس کا ترجمہ کیا، اسحٰق نے دو ترجمہ ناقص اور کامل کیے۔[30]

(4) کتاب السماء والعالم: یہ بھی ارسطو کی مشہور تصنیف ہے جیسا کہ نام سے معلوم ہے کہ اس کا موضوع عناصر اربعہ اور فلک ہے۔[31] یہ چار مقالات پر مشتمل ہے۔ اس کا ترجمہ یوحنا بن بطریق نے کیا۔ اغلب یہی ہے کہ عربی زبان میں کیا ہوگا لیکن چونکہ یوحنا بن بطریق لاطینی زبان کا مشہور مترجم تھا اور عربی زبان میں اس کی شہرت نہیں تھی اس لیے اس کے ترجمہ کی اصلاح عموماً حنین بن اسحٰق کیا کرتا تھا اور کتاب السماء والعالم'' کی اصلاح بھی اسی نے کی ہے اس کے علاوہ ابو بشر متی بن یونس نے بھی اس کے کچھ حصہ کا ترجمہ کیا، اسی ترجمہ متی کی شرح اسکندر نے لکھی ہے۔ ثامطیوس نے اس پوری کتاب کی شرح لکھی ہے جس کا ترجمہ یحیٰی بن عدی نے کیا۔ حنین بن اسحاق نے ثامطیوس کی شرح میں سولہ نئے مسائل کا اضافہ کیا۔[32] اسی طرح ابوزید بلخی نے اس

کتاب کے کچھ حصوں کی شرح لکھی۔

ابو ہاشم جبائی (متوفی 321ھ مطابق 933ء نے اس کتاب کی تردید میں ایک رسالہ لکھا جس کا معتزل نام التصفح ہے، اس کتاب میں اس نے ارسطو کے اصول پر نکتہ چینی کی ہے۔ یحیٰ بن عدی نے جبائی پر نکتہ چینی کی ہے اور کہا ہے کہ جبائی پر نکتہ چینی کی ہے اور کہا ہے کہ جبائی قواعد منطق سے نا آشنا تھا اس لیے اس کی تردید غلط ہے۔ اگر جبائی ان قواعد سے آگاہ ہوتا تو تردید کی کبھی جرأت نہ کرتا۔ اس کتاب کی تلخیص بھی تیار کی گئی ہے...... قاضی ابوالولید ابن رشد نے اس کا خلاصہ کیا۔[33]

(5) کتاب السماء الطبیعی: اس کتاب کا دوسرا نام سمع الکیان ہے۔ یہ آٹھ مقالات پر مشتمل ہے۔ اسکندر افرودسی نے اس کی شرح لکھی ہے اس کو عربی میں ابوروح الصابی نے منتقل کیا۔ حنین نے کچھ حصے کا ترجمہ سریانی میں کیا کچھ حصہ کا ترجمہ قسطا اور دمشقی نے کیا مرفوربوس کی تفسیر کا ترجمہ بسیل نے کیا۔

قسطا نے اس کتاب کے ان مقالوں کا ترجمہ کیا جو مواعظ ونصائح پر مشتمل ہیں۔ شیخ بوعلی سینا اور دوسرے علمائے اسلام نے اس کی تفسیر بھی لکھی ہے۔[34]

(6) کتاب الآثار العلویہ یہ ارسطو کی ایک مشہور زمانہ کتاب ہے جو عناصر سے متعلق ہے۔ یحیٰ بن بطریق نے اس کا ترجمہ عربی میں کیا۔ امقیدورس نے اس کتاب کی شرح لکھی۔ ابو بشر متی اور ابطری نے اس شرح کا ترجمہ کیا۔ اسکندر نے بھی اس کی شرح لکھی۔ اس کا ترجمہ عربی میں ہو چکا ہے۔ ثامطیوس نے بھی اس کی شرح لکھی ہے جس کا عربی میں ترجمہ اسحاق نے کیا۔ یحیٰ بن عدی نے بھی اس کتاب کا ترجمہ کیا۔[35]

(7) کتاب الاخلاق: یہ کتاب بھی ارسطو کی ہے، جیسا کہ نام سے معلوم ہے یہ علم الاخلاق پر مشتمل ہے۔ اس میں بارہ مقالے ہیں، مرفوربوس نے اس کی شرح لکھی ہے، اس کا ترجمہ حنین بن اسحاق نے کیا ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ سریانی میں بھی ہوا جس کو اسحاق بن حنین نے کیا۔ کشف الظنون کے مطابق اس میں چار مقالے ہیں لیکن صاحب کشف الظنون کے مطابق اس کے دو حصے ہیں۔ ہر حصے دو مقالوں پر مشتمل ہے اور ہر مقالہ پھر تین مقالوں پر مشتمل ہے اس طرح بارہ مقالے ہو جاتے ہیں ثامطیوس نے بھی اس کی شرح لکھی ہے۔[36]

(8) کتاب الحس والمحسوس: یہ کتاب دو مقالوں پر مشتمل ہے۔ لیکن صاحب کشف الظنون کے مطابق یہ تین مقالات پر مشتمل ہے۔ مؤخر الذکر بیان ہی زیادہ قرین قیاس ہے کیوں کہ حاجی خلیفہ نے اس کا نسخہ خود دیکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

''کتاب الحس والمحسوس ثلاث مقالات لارسطو قل لایعرف لهذا الکتاب نقل وانما الموجود شیٔ منہ اقول رایتہٗ، تماماً۔[37]

یعنی کتاب الحس والمحسوس تین مقالات پر مشتمل ہے کہتے ہیں کہ اس کا مکمل ترجمہ موجود نہیں، صرف کچھ حصہ ملتا ہے لیکن میں نے اس کتاب کو مکمل شکل میں دیکھا ہے۔ شاید حاجی خلیفہ کا اشارہ تاریخ الحکما کی طرف ہو کیوں کہ اس میں لکھا ہے کہ

''اس کا کوئی صحیح نسخہ نہیں مل سکا ہے اور نہ کہیں اس کا ذکر ملتا ہے۔ ہاں ابو بشر نے اس کا کچھ حصہ کہیں سے حاصل کر لیا۔''[38]

(9) کتاب الولوجیا: یہ بھی ارسطو کی مشہور کتاب ہے۔ یہ الٰہیات پر مشتمل ہے۔ کندی نے اس کا ترجمہ عربی میں کیا ہے۔ اور تاریخ الحکما کے مطابق کندی نے اس کی تفسیر بھی لکھی ہے مرفوربوس مصری نے بھی اس کی تفسیر لکھی ہے جو یورپ میں چھپ گئی ہے۔[39]

(10) کتاب سوفسطیقا: یہ کتاب بھی ارسطو کی ہے۔ اس لفظ کے معنی مغالطہ کے ہیں، مختلف لوگوں نے اس کا ترجمہ کیا۔ ابن ناعمہ اور ابو بشر متی نے سریانی میں ترجمہ کیا اور یحییٰ بن عدی نے عربی میں منتقل کیا۔ ابراہیم بن بکوس نے ابن ناعمہ کے ترجمہ کی اصلاح کی۔

تین اشخاص نے اس پر شرحیں لکھیں یعنی قویری، کندی، اور اسکندر، ان میں سے مؤخر الذکر کی شرح کے وجود کی نشاندہی صاحب الفہرست نے کی ہے۔ یونان میں حکما متاخرین کا دور ارسطو سے شروع ہوتا ہے وہ امام الفلسفہ کے نام سے مشہور ہے۔ مسلمانوں نے اس کے فلسفہ کی طرف بہت زیادہ توجہ دی۔ مذکورہ کتب کے علاوہ ارسطو کی دیگر کتب کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا۔ چنانچہ ان میں سے جو کتابیں ساتویں صدی تک موجود تھیں ان کی نشاندہی علامہ ابن ابی اصیبعہ نے کی ہے۔ اس طرح الفہرست اور کشف الظنون میں ان کی کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے۔

علامہ شبلیؒ نے رسائل میں علامہ ابن ابی اصیبعہ کی فہرست کو درج کیا ہے جس کو تطویل کے خوف سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔

ثاؤفرسطس (310ق۔م) ارسطو کا خاص شاگرد تھا اور ارسطو نے اس کو اپنے مدرسے کا جانشین مقرر کیا تھا۔ فلسفہ میں اس کی بھی متعدد تصانیف ہیں اس کے علاوہ اسکندر فرودیسی دمشقی (129ق م نے ارسطو کی تصانیف پر کثرت سے شرحیں لکھیں۔ اس کی شرحیں اور مستقل تصنیفات دونوں عربی میں ترجمہ کی گئیں۔

ذیل میں ہم ''عصر المامون کی بنیاد پر فلسفیانہ تراجم کی فہرست درج کر رہے ہیں۔ جس سے مترجمین کے بارے میں اور کتابوں کی کیفیت سے متعلق تحقیقی معلومات کا اضافہ ممکن ہوگا۔

کتاب ارسطو

نمبرشمار	نام کتاب	مترجم	کیفیت
1	کتاب الکون والفساد	حنین، اسحاق ابوعثمان دمشقی	سریانی میں اس کا ترجمہ حنین نے کیا پھر اسحاق اور دمشقی نے اس کو عربی میں منتقل کیا اس میں انقلابات عناصر کا بیان ہے۔
2	کتاب الٰہیات (کتاب الحروف)	حنین، اسحاق یحییٰ بن عدی	حنین نے ایک مقالہ کا ترجمہ سریانی میں کیا اور اسحاق نے چند مقالات کا ترجمہ عربی میں کیا۔ یحییٰ بن عدی نے ایک مقالہ کا ترجمہ کیا۔ یہ یونانی حروف تہجی کی ترتیب پر ہے۔
3	کتاب النفس	حنین واسحٰق	یہ تین مقالات پر مشتمل ہے اس میں نفس کی حقیقت کا بیان ہے۔

4	کتاب السماء والعالم	ابن البطریق متی بن یونس	اس میں عناصر اربعہ او رفلک کا بیان ہے۔ یہ چار مقالات پر مشتمل ہے اس کی تلخیص اسکندرا فرودسی نے کی ہے۔
5	کتاب الحس والمحسوس	نامعلوم	یہ کتاب دو مقالات پر مشتمل ہے اس میں حس کے اسباب اور علل سے بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب کی تلخیص ابن رشد نے کی ہے کشف الظنون میں تین مقالات کا ذکر ہے۔
6	کتاب الآثار العلویۃ	ابوبشر متی یحییٰ بن عدی	اسکندر نے اس کی شرح لکھی جس کا ترجمہ یحییٰ بن عدی نے کیا اور امقیدروس کی شرح کا ترجمہ ابوبشر متی نے کیا اس میں عناصر کا بیان ہے یہ چار مقالات پر مشتمل ہے۔
7	کتاب اثولوجیا	کندی	فرفوریس مصری نے اس کتاب کی شرح لکھی۔ کندی نے بھی اس کی تفسیر کی ہے۔
8	کتاب الاخلاق	اسحٰق بن حنین	فرفوریوس نے اس کے بارہ مقالے کی تفسیر لکھی اس کا ترجمہ حنین نے کیا۔

9	کتاب السماع الطبیعی	ابودوح ایصابی حنین، قسطا دمشقی	یہ کتاب آٹھ مقالات پر مشتمل ہے یہ مواعظ و نصائح سے متعلق ہے اس کی تفسیر شیخ بوعلی سینا نے کی ہے۔
10	کتاب سوفسطیقا	ابوناعمہ ابوشر متی یحیٰی بن عدی	یہ حکمت اور دانائی پر مشتمل ہے۔

کتب افلاطون

نمبر شمار	نام کتاب	مترجم	کیفیت
1	کتاب طیماوس	یحیٰی بن طریق حنین بن اسحٰق	یہ تین مقالات پر مشتمل ہے۔
2	کتاب التوحید	یحیٰی بن عدی	یہ بھی الٰہیات سے متعلق ہے۔

ان دو کتابوں کے علاوہ فلسفہ سے متعلق دیگر کتابیں بھی افلاطون کی طرف منسوب ہیں۔ جن کے مترجم یا شارح کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل نہ ہوسکیں۔ ایک کتاب العقل والنفس والجوہر افلاطون کی طرف منسوب ہے، افلاطون المتوفی 347ق۔م۔ سقراط کا شاگرد تھا جس نے ایتھنز میں فلسفہ کا ایک اسکول قائم کیا اور فلسفہ پر لیکچر دینا شروع کیا اس نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں تصنیفات میں اس کا طرز یہ تھا کہ فرضی اشخاص کی زبان سے مسائل بیان کرتا تھا اور کتاب کا نام انھیں لوگوں کے نام رکھتا تھا۔ اس طرح چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:۔

(1) کتاب ارسطو
(2) کتاب لاحس
(3) کتاخرمیدس
(4) کتاب غورجیاس
(5) کتاب سوفسطس
(6) کتاب اوتوزیمس
(7) کتاب قریطن
(8) کتاب فراطولس
(9) کتاب ابرخس
(10) کتاب مینس

اس باب کی تیاری میں بہت سی دشواریوں کا سامنا ہوا کیونکہ اصل تراجم کے نسخوں کا حصول بہت مشکل تھا۔ بہ توفیق ایزدی کچھ نسخے دستیاب بھی ہوگئے۔ اس سے تحقیقی کام میں بہت مدد ملی۔ خاص کر حکیم ظل الرحمٰن کی ذاتی لائبریری بڑی کارآمد ثابت ہوئی۔

ذیل میں ہم رسالۂ نبیذ کا عکس شامل کر رہے ہیں جو قسطا کا ترجمہ شدہ نسخہ ہے اصل کتاب کو یونانی حکیم روفس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

عکس مقالہ: رسالہ نبیذ قسطا بن لوقا (بر پشت)

حواشی:

1. جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، ج3، ص69، طبع مصر 1902۔
2. ابن الندیم، الفہرست، ص289، طبع لاہور 1969۔
3. علامہ شبلی، رسائل، ص262، طبع علی گڑھ 1898۔
4. ڈاکٹر زبیر احمد، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ، ص38، (مترجم شاہد حسین رزاقی) ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور 1973۔
5. علامہ شبلیؒ، رسائل، ص173، طبع علی گڑھ 1898۔
6. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ص33 طبع بیروت 1995۔
7. حکیم سید نیر واسطی، طب العرب، ص214، بار دوم طبع لاہور 1969۔
   بقیہ ص250 مجلہ ابحاث تاریخ ترجمہ علیہ بزبان عربی، طبع حلب 1984۔
8. حکیم سید نیر واسطی، طب العرب، ص217، بار دوم طبع لاہور 1969۔
9. حکیم سید ظل الرحمٰن، رسالہ الحنیذ، (قسطا بن لوقا) جلد نمبر شمارہ۔ 3-4، ص185، رسالہ اسٹڈیز ان ہسٹری آف فیڈ کین اینڈ سائنس نئی دہلی 1985۔
10. القفطی، تاریخ الحکماء، ص198 طبع دہلی 1965۔
   بقیہ ص253، احمد فرید رفاعی، عصر المامون، ص385 طبع القاہرہ 1927۔
11. بقیہ ص254، حکیم سید نیر واسطی، طب العرب، ص316، بار دوم طبع لاہور 1969۔
   بقیہ ص254 / احمد فرید رفاعی، عصر المامون ص384 طبع القاہرہ 1927۔
12. سید نیر واسطی، طب العرب، ص314، بار دوم طبع لاہور 1969۔
   احمد فرید رفاعی عصر المامون، ص385 طبع القاہرہ 1927۔
13 حکیم سید نیر واسطی، طب العرب، ص416-417، بار دوم طبع لاہور 1969۔
   احمد فرید رفاعی، عصر المامون، ص389 طبع القاہرہ 1927۔
14. حکیم سید نیر واسطی، طب العرب، ص283، بار دوم طبع لاہور-1969
   احمد فرید رفاعی المامون، ص291 طبع القاہرہ 1928۔
   احمد فرید رفاعی، عصر المامون ص39 طبع القاہرہ 1927
15. بقراط کی ان تصنیفات اور ان کے علاوہ دیگر تصنیفات کے مضامین کو مؤرخ یعقوبی اور ابن ابی اصیبعہ نے تفصیل سے لکھا ہے۔
16. الدکتور احمد فرید الرفاعی، عصر المامون، ص385، الطبعۃ الثانیۃ المجلد ولاول طبع القاہرہ 1927
17. مولانا عبدالسلام الندویؒ حکمائے اسلام، ص9، حصہ اول طبع اعظم گڑھ 1953۔
18. اخوان الصفا:۔ دور عباسی میں فلسفہ کو بہت اہمیت حاصل تھی لیکن فلاسفہ اس دور میں الحاد کے الزام سے بھی متہم تھے۔ خلیفہ مامون بھی اس الزام کا نشانہ بنا کیونکہ اسی کے ایماء سے فلسفہ کا ترجمہ کیا گیا تھا حالات زمانہ کے لحاظ سے فلاسفر اپنے خیالات کو پردۂ راز میں رکھنے پر مجبور ہو گئے تھے، انھوں نے اس غرض سے خفیہ انجمنیں قائم کیں جس میں مشہور اخوان الصفا ہے جو چوتھی صدی ہجری کے وسط میں بغداد میں قائم ہوئی اس جمعیت کے پانچ ارکان تھے۔
   (1) ابوسلیمان محمد بن معشر البستی (2) ابوالحسن علی بن ہارون الزنجانی (3) ابواحمد المہرجانی (4) العوفی (5) زید بن رفاعہ۔

ان کے جلسے اکثر پوشیدہ ہوا کرتے تھے۔ جن میں فلسفہ پر بحث ہوتی تھی اسی طرح ان کا ایک خاص مذہب بن گیا جو تمام فلاسفۂ اسلام کے خیالات کا نچوڑ تھا اور جس میں فلاسفۂ یونان، فارس اور ہند کے خیالات سے واقف ہونے کے بعد ان کو اسلام کے مطابق ڈھالا گیا تھا۔ اخوان الصفا کا فلسفہ باون رسائل پر مشتمل ہے جو رسائل اخوان الصفا کے نام سے مشہور ہیں ان رسائل پر نظر ڈالنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ مولفین نے غور وفکر کے بعد ان کو مدون کیا۔ معتزلہ اور ان کے متبعین ان رسائل کا درس دیا کرتے تھے (لطفی جمعۂ تاریخ فلاسفۃ الاسلام ص-25)

19. مولانا عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام، ص-2 حصہ اول طبع اول، اعظم گڑھ 1953۔
20. علامہ شبلی، مضامین شبلی، ص309، طبع اول، دہلی سنہ ندارد۔
21. القفطی، تاریخ الحکما ص73، طبع دہلی1970۔
22. علامہ شبلی، مضامین شبلی، ص318، طبع اول سنہ ندارد۔
23. علامہ شبلیؒ، مضامین شبلیؒ، ص313، طبع اول دہلی سنہ ندارد۔
24. علامہ شبلیؒ، رسائل، ص202، طبع علی گڑھ 1898۔
25. ابن الندیم، الفہرست، ص59، طبع لاہور 1969۔
26. القفطی، تاریخ الحکما، ص76، طبع دہلی1975۔
27. ابن الندیم، الفہرست، ص 59، طبع لاہور 1969۔
28. ابن الندیم، الفہرست ص59، طبع لاہور 1969۔
29. علامہ شبلیؒ رسائل شبلی، ص313، طبع اول، دہلی سنہ ندارد۔
30. علامہ شبلیؒ رسائل شبلی، ص202، طبع اول علی گڑھ 1898۔
31. ایضاً
32. القفطی، تاریخ الحکماء، ص73، طبع دہلی1975۔
33. علامہ شبلیؒ، مضامین شبلی، ص313، طبع اول، دہلی سنہ ندارد۔
34. علامہ شبلیؒ، مضامین شبلیؒ، ص313، طبع اول، دہلی سنہ ندارد۔
35. القفطی، تاریخ الحکما، ص74، طبع دہلی1975۔
36. حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ص 1387، جلد دوم، دار الفکر، بیروت 1982۔
37. حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ص1412، جلد دوم، دار الفکر، بیروت 1982۔
38. القفطی، تاریخ الحکما، ص74، طبع دہلی1975۔
39. علامہ شبلیؒ، رسائل ص208، طبع علی گڑھ 1898۔

مقالہ روفس در نبیذ

بسم الله الرحمن الرحيم

قومل مع الاصل

20جمادی الاولے

1158

مقالہ روفس فی ولیمہ حضرها ان کان یحب ان تیشاغل فی الولایم بکلام فانه لیس بالمخطرفیما اری البذی یجل کلام فی امرالنبیذوان انا اخذق فی ذلك لم اکن خارجاعمااراه هواباولاعمائرونه انتم ایضالذلك ان انابذات فاخذت اولایمنافع النبیذ المصالح المولدة لدوام صحه البدن والحادثه عنه ثم اتبع ذلك بمانیبغی ان یتربربه مریغوم علے شربالتد لیکون ا ن شربه یسّربشربه ولایتاذی به ثم اتبع ذلك بمانیبغی ان یتعالج به فی اتفق له ان یسکرلیفیوفی سکره سریعا ولاینالہ کثیر ضررواما اصناف النبیذوانها محمودة وانها مذمومه فلیس بناالرذکوذلك جاجه لانه خارج عنه عرضناالذی قصد ناله فاقول ان افعال النبیذومنافعه کثیرة ولااظن ان احدایجهد جمتهاواناذاکرالآن منها ماکان مودیا الے الحت علے شربه فاقول ان النبیذ یمضم الطعام هفما جید اوقد نیبغی ان یفهم من فی الهضم انه جید ادردی الے لست اعنی بذلك الهضم کلته فینهضم فی کل واحد فی الاعضاء وهتشبه ویزید فی جوهره وهذالفعد انمایکون بالحرارة ولن بوجد شریعین هذه الحراره ویقویها کالنبیذاذکان حارا ملایما لحرارة البدل خاصا بابطیعه وان انت غذوت رجلین غذاء واحد اوجعدتے شرب احدهما الماوالاخرالنبیذ علمت علما یقیناً انك ستجدبین الرجین فی اختلاف مقدارالحراره فیها مقدارا کثیراجدا واذانهضم الغذافی المعده

واعـضـاء الـبـدن جـمـيـعـا هضما جيداكان ذلك معينا على دوام صحته البدن
وعـلـى لـقـويـتـه زايـد انيهـافـان كـان القوة الترننها تد تمروتذيد بالحرارة
اذاكـانـت الـحـرارـة متـزيـدة نزيد امعتدلاستويا محمود اولون البدن ايضا
تـديشـرق وبحسن عند شرب النيذاذكان النبيذ يزيد فى حرارته ورمه وان
انـت فـكـرت فى نفسك فى فضل الرجل على قوة المراة وجدت ذلك مشابها
لـفضل قوة النبيذ على قوة ا لماوراكان ذالك كذلك مظاهران وان فلك منه
كـان داعيـاالـى شـرب الـنـبيـذ نانحا لشهوته فا ماالا شبأ اليابسه مثل الثمر
الـمـقـلـوالـمـجـفـف الـمـصرى ومثل الـحمص المقلوفانهمااقل ضررالمافيهما فى
درورالبـول وامـاالـلوزوحوزالسرود الجوزالاحسروالخوخ المجفف وغيرذلك
ممـابـرى لـحـراه فكلها بصدع الراس و فى اجل الكثيرامنى يشرب البيذق
يـنهـذامـالك اكـالـيـل فـى ريـاحـيـن يتـصـل بهـما الرور والفع فانـى اقول ان
الاكـلـيك الـمـنسـوب الـى جهـه الـلـه وحـذم هياكله هوالاكليد المتحذفى زهر
الـقـوسـج واماازى ان الذى عمل ذلك الا كليك وجعله اكيلا لاكهنه انمافعل
ذلك لـعـلـه بـان زهرالقوسج الفع الاسـاس كلهالواس فان اراد مريدان يسعل
اكيـلا ضـرور دكان ذلك طبالراحيه بين البرورة وليس اصحاب النبياء الى
شـراحـوم مـنهـم اـى تبـريـرروهم والا كلته التخذة فى الخنج هى اقل لفعافى
الاكـلـته المتخذه فى الورد فى كلمه اطهات واماالمتخذه فى النمام دفى الثبت
و فـى الآمـعـدد فـى الـخـارفـا صالحه للراس وللنهالليبيت فى آلته الرور لولا
حـالـه و كـل لتـعمد فى آلته العطر فيصدع الراس خلاالنصوع فـانه وان كان
دون الاشـبـاء الـعـطـره فـى الـراكـه فـقـرتـه نـى مـقاومته السكرظاهرة فهذا
مـامـحـتـاج ان بـعلم من امر شرب النبيذ فـى الولامم ومن استعمله لم بنله من
الـنبيذ ضرر البتدلا فـى نفسه ولا فى بدنه فان احمد عليه النبيذ وقوى عليه
خـلـيـفـيـه ولـيـخرز فـى تدبره من غدفان كبرا من الناس اختدعواباثمل الذى
يـضـرب فـانـه يقال واآلخمار بالـخمارفا نبعواسكرابسكرمعرمت لهم امراض

صحبنه وان كان قد فعلوانعل ذلك قوم نسلوامن الامراض لقوه ابدانهم وصحته اعضايهم فليس ذلك بمرض عنهم الخطاني فعلهم وان كانواسلموامنه فمن عرض له وجع الفوادعن كشره شرب النبيذ فيشر المأانهار وفانه ينفع بينه وقدينفع لسرب الاننتن من نطر النبيذ ولذلك ينبغى ان سرب من فبل النبيذ على سيل الاسفداده ويسرب منه في عذيوم النبيذ فانه ينفع منفعه عظيم ه

علي هذه الحل ينقي المثانه ولحبلب الرزق وينفج كل ماكان في اللحم بيافحاوريهضم ويحبل الرخاط جيد محمود واذكان هذا هكذا ينبغى ايهاالاخوان ان نشربواالنبيذ ماناء ه ولقد ويقوفى ان يبغ بنا شربه الي كلام يوى موى الكفر بالله والمنع من الحركات بل يكوشرب شربا لايمنعنا فى القيام بحق الله جل ذكره في فرايضه ولايعوقناعن الرجوع لامنازله علي تثبتت من غير خطاورلاتخليط فان ذلك قبيح ولايودى الي صحته البدن ولاتوقع معه الامراض الرديته الصعبته وتدان لى ان اخبرني اى حال ينبغى ان يكون من يريد حضورالوليمته فاقول ان من عزم علي حضورالوليمته محتاج ان يكون هضمه مستوياوان يكون راس وسايريدنه سليما من الاعراض ولايكون اتعب بدينه تعباشديد اواخلاه من التعب البته فانه اذااتعب بدنه تعبا شديدالحتاج الي اليوم ضيمنعه ذلك عن حضور الوليمته وافالم يتعبه بدنه البته كسل عن شرب النبيذواحمدالتعب نے ذلك الذى يكونوا بالمثى لانه يجفف من الواس ويستفرع البطنه ويخرج البول وذلك كله موافق لمن مرنوع آخر عن التعب ايران بخلط المروخ بالوهد الصداع اذاسحن البدن ورطب وله بعد ذلك بستعمل الاستحمام بالماء الحارويتوفي طول اللبث نے الحمام فان ذلك غير موافق وذلك انه يحتل البدن ويضربالراس والقلب وذلك اضرالاشياابمن ارادشرب النبيذ علي ان كثيراضرالناس بستعمل ٠ ، ذلك ٠ ـدما يحب ويرى ان الصواب فيما يفعد و

ذلك انــه يـرى ان نـے طـول الـلبـث نـے الـحـمام واخراج الفرق بـه ضررها
مستـقيـمـا قـوـة عـلے شرب النبيذ لانه فيما يرغمون يستفرع البدن بالعرق
الـذى خرج فيملا تلك المواضع الفارغته بالنبيذ فيعين ذلك علے الاكثارعن
شـرب النبيذ فهذا بالحتاج ان نقود نے هذا المعنى فاما ماينغ ذلك فهن ماانه
اذاشرب النبيذ مصرفاولايكون شربه لاشرب وقت شربه اياه منعا لبدنه نے
تـصـرف اومثى اوغيـره مـن انواع التعب وقد بستعمل اصحاب النبيذالقى
كثيـراولسـت احـمـده حـمـد اعـلـے كل حال لحسب ماخواكثيربمن بستعمل
معلكم ينبغي ان لا يكره المنقبتي نفسه علے القركراهنه علے ماومنه استدعاء
لان البـغـلـغـم كثيـرامايخرج نے اول الفريبغ كل مايحتاج الے تنقيته نے اول
دفـعـه وقدينبغي ان بستعمل من عرض عليه اكل اخيزوحده نے اول طعامه
قبـل ال يـنـا شيامن الطعام وان كان اهل زماننـا لايستعملون ذلك لانا نراهم
يـقـدمون اكل الفجل والـحسن وذلك ليس بصواب لان احد هما يصد الباس
والآخـر بـنـوم ويـمـلاالبهنه رماحانا ماانا عندآ بالجبر وحدۂ فانه معبرعلے
دوام صـحتـه البـدن غـوى عـلے احتمال النبيذ واذا اتبع باليبوسته الترفيه
فـامـا مـن زاى ان اكل البصل لقوى علے شرب النبيذ وقدمه قبله واصتج نے
ذلك بـقـول اومِرس الشـاعـر فـانـے ارى ان قـول اومرس فيه صواب ولكن
نيبغي ان بستعمل علے سِل استعمال الابازيرو البقول وغيرهاجملته الطعام
فـامـااكله مصرذافانه رومى ضاربين ذلك من ضوره وردأنه بعد اليوم فانه
بـظـمـر مـن حـرارة ماريته محرقه وان كان يلين البطنه ويدر البول وكانت
هـذه الـمـعـانـے قـديـقيـن عـلے شرب النبيذ واحمد الاغذيه التريتقدم البيذ
الـخبـزوالراس والدجاج ومن البقول الكونب وان اكل الكونب فے وسط من
شربه حربصر الكرنب بين الشرابين منع الخمار وجملته مااقول نے ذلك ان
فـى كـان ضـرمعـاملے شرب النبيذ فينبغي الان يمتلے من الطعام لان المعدة
الاتـحنمل امتلا بن لكتريضطرالے ان برست الطعام ويطفواالنبيذ فے اعلاها

فیسرع الے الراس الضروررویکون منه کظّنه ویعنه الشارب ویملّه سریعاد
الاجود الاصحاب البیذان لایوکن یاکلوا طعامهم نے اکلته واحدة لان ذلك
یضطرهم الے ان یاکلوافے الاکته الواحدة مقدارا کثیرالکنهم ان قصروافے
غذائهم وجعلواذلك عشاء کان اصلح لهم اوفق وکان ذلك اعون علے الشرب
لانهم اذاقصووا نے غذائهم وکان بصبرهم ذلك زایدا نے شربهم ومابستعمد
من البقله فقد بلند ولستطاریکن احمد منه شیأالبته ودرائرنه یبقی فے
المعده غیربهضم ورلدرها الحرکات کلهایکون فیمن یشرب النبیذ باعتدال
اجودمنها واقوی فیمن یشرب الماء والحرکات الترجنتحوکمامنها مایوکن
بارادنناومنها مایکون بطیعتنا مایکون لمعانی تخصناف لبنذ یقویها جمیعا
ویزیرفیها وقداری النبیذ والاغتذائیس بحض البدن دون النفس
فاناقدنجد من یشرب النبیذ سریع الحرکه الے الاعمال یعملها بسهولته ونیم
اعماله من غیر ان ینالـه تعب ولاغیانه واناری ان اومیرش الشاعر
عندمافکوفے هذا قال فی شعره فے الناس هذا القول والرجل اذاامتلأمن
الصعام والشرب یحارب القوم الشراب نهاره جمیعا ویکون نے نفسه حرنا
وفے اعضایه قویا ولایمل الحرب والقتال حتی یبلغ اے اقاصیه واداخوه
فاماالافعالی القمریفعلها النبیذ نے الفنس من الفرح والسرورونسیان
الاحزان والطرب والانبساط فلیس لے الے ذکرها جاحته لافی لاظن احد
ایجهلها وتداری ان اذکرهذا الامرالعجیب منی فضیل النبیذ نے شربه
وهوانه نافع موافق للناس فے الانسان کلها والازمان کلها والبلدان کلها
وذلك انے قداری ان انیل منه الاطفال والصبیان شیأ مادان أتخذالشباب
والا حداث والکهول فاما المشائخ فلن یوجد شراعون علے سلامتهم وصحه
ابدانهم منه اذکانت حاجتهم الے مایسخنهم شدیده وکذال الصبیان قدیحتا
جون الے مایفیدیهم حرارة اذکانت الحرارة فیهم لم یبلغ بها انتها فامامن
کان نے نهایه الشباب فانه قدیلایمه بمشابهته اماه وزیادته نے جوهره

والقول الذی قلته فے النبیذ نے الانسان قداقول مثله نے الازمان وذلك انے
لم ارطبیباً فقط ولامتبادیا قدبلغ به منی استقصایه فے امرالبیذان یطلق
شربه نے الصیف ویمنع منه فے الشیاء ویامراستعماله فے الحرنف وبالا
تقباض عنه فے الربیع الاان یکون ذلك الزیادة والتقصان والکثرة القلته
علے سیل الاستظهاروشدة التوفے بل قداراهم یشیرون به فے السنه کلها
وانافلست اری ان فے الامصارؤ المدن موضعا لایوافق اهله النبیذ ذلك ان
المواضع البارویة قدیحتاج اهلها الے النبیذ لبسخنهم والوضع الحارة
قدیحاتج اهلها الیه لیرطبهم انکانت شدة حوارة البلد ان مادعیس الشاعر
قدسال نے ذلك هذا القول ان النبیذاذا منه اللصدهی الکثیر کان رویا ضارا
اواذاشربه من یحسن شربه کان جید انافق ولم یجیریاکیف یمس قدم وافی
الاخب محبته شدیدان اسمع ذلك من رجل عالم واذاکان ذلك الشاعر لم
یخش هذا فانی اروم ان اخبربذلك وانبته الاکثارمن النبیذ هوان
یتجاوزالرجل فیه مقدار طاقته حتی یغرض له الخطانے دابه ویضعف بدنه
ویکون افعاله قبیحه غیر مرخیته ولامحمودة عندجمیع من یحفره ولذلك
قدینبغی لشارب النبیذان ینفقد نفسه وبدنه اباه فمتی انکررایه
وفکروحرکات بدنه وقوته وجب ان یمسك عنه ولایمعن نے شربه وماعلمه
حدالمقدار شربه ومحسنة افضل من هذه وهرمحسنه تدیمه
تداستعملهاالامم علے غابرالدهوراماالفرس نانهم استعملوهابان جعلوا
شرب النبیذ مصرونالے المناظرات والمشاورات و المفادضات فے الرای
والتدبرواماالیوبانبوت فانهم استعملوا ذلك بضربهم بالعیدانولاخذهم فے
انفأوانشا والاشعارواستعمال الرقص فانهم بنده الافعال یعلمون مقدار
مامعهم من الافکار نے التمیز و قوة البدن عند شربهم النبیذ وامعانهم نیه
وانااری ان مادعیس نے قوله انه ینبغی ان الشرب النبیذ عنه شربهم النبیذ
من یحسن شربه انماذهب الے هذا المعنے بعینه ولم یرد منع الناس من

الاکثـار مـنـه البته لا ن من احسن شربه استعمل فے شربه المعانے التریعرف
بهـامـقـدار تمیزه وقوة بدنه فے سدنه فلا یحمل نفسه علے ذهاب عقله وقوه
بـدنـه ولا یمنع من بلوغ غایته فیه ولوں ان ذلك کذلك ماکان معنی قوله ان
یـحسـن الانسـان شـرب الـنـبیـذ انا کان انـایشرب منه کل یوم مقدارا یسیرا
یـقـوم مقام الدواء الذی یتعالج به الذی لا یوحد منه الامبلغ معروفه اومکسه
نـامامن یحسن شربه فینبغی ان یعرف مقدار مایحب ان شرب نے وقت وقت
وحـال حـال وبـعـد ذلك الـمقدار علے قدرالاوقات والحـالات فان شربه بعد
التـعـب والـطـعـام یحب ان یکون مقدار قطع العطش وشربه فے الولایم وفے
الافـراح یـحـب ان یـکـون بمقداراولرب والسروررونسیان الاشیاء التی یولم
بـنـفـس ذکـرهـا واداجـوں الاصر فے شرب النبیذ هذا المجری اتنفع به البدن
مـنـفـعـه کثیـرنـانه یتبهم وقد بلغ من شهوة الـناس النبیذان صـاروا اذااتفق
مـوضـع لالوجه فیه النبیذ یحتالون باشیأ مشاکلّه له وان قدراحسدان بانی
اهـل هذه الامصارالتے لایوجید فیهاالنبیذ ویتخذ مایستعملونه فیها بدلامن
النبیذ المتخذ من الترتیب والتین لاشرابا صحیحافامنهم یقدمونه لامحالته
بـل اقـول مثـلاانهم یعبدونه عبادة وقد یمکن فے النبیذ ان یقام مقام الطعام
وذلك مـن کـانـت بـه الشهـوة الطبیته منے خلی والطعام اکل وایماولم یشبع
وان سـقـی مـن البیذ الشی الیسیرا عان شبعه و اذهب یکوعه ویقطع شرب
الـنبیـد لم نعطش مالا لقطمعه الماء وذلك فے العطش الشدید المفرط و کیف
لاسـخـن الـنبیـذالـمشـایـخ اکثـر مـن الماء اذکان یذهب برداء بائما ویغرمن
جـنـایـاتیـه وآفـاتـه اذا اعـوزنـاالـمـاء الـذب ولـم نـجدالاماء یافاشیا فلیـس
یـخـدمـایـصـلـح بـه رداءـة الـمـأوفـاده اقوی فعلامن النبیذ وکذلك کلمه
مـاواسبـضـاء امرمـن لیـکـن السبـاخ والـمواضع الثعه الردیـه المیـاه ان
یمزجوامیاء بـالنبیذ ویشریوها به وکذلك فے المواضع التریکون المیاه فیها
مـالتـه وفے المواضع التریکون فیها اُفته اخری نقد هاوایضافانه وان کانت

مـالته والمواضع التواالمياه محمودة يحتاج فيها اے مزجها بالنبيذ اختلا فها
اوتـغيـرهاوان كان جميعا جيداً طيباً فاما المياه الباردة ومياه الشلوج فانها
قـدتـضـرمـضـره عـظيـمة جداان هی شربت مفردة وحدها من غير ان يمزح
بهـانبيـذ فـانهـا تـدتـولـد انـفـجارغرق فے الصدر ونغث الدم ووجع البطنه
وخـدرااوفسخاد فيق النفس وفالجافاذاحالطتها حرارة النبيذ معامايضدها
مـن الاسـنـلـذا وقـديـمـنـعـنـا من الصرفاما منافع الذوم فانے ان اخذت فيه
احتـجـت انـے ان اقـول فيـه قـولا كثيـروانـا قـابل فيه فے كتاب آخر اذليس
غـرضـے فـے هـذا الـكتـاب ان الآن باحث نے هذا الموضع هبل فے الاكثار من
شـرب الـنبيـذ متـفقدام لاوذلك ان فے الولايم قديفع للناس نے شرب النبيذ
حـراروتـغالب فتجب كل واحد قمزحشرالوليمته ان يكون اكثرهم شرباوان
تيجاوزهم نے مقدار ماينال من النبيذ تلننظ ذلك ولفحص عنه فنقول۔

ملحوظہ رسالۂ نبیذ

یہ رسالہ مشہور رومی حکیم روفس (متوفی 100عیسوی) کی تالیف ھے اس کو مشھور عیسائی مترجم قسطابن لوقا نے دور عباسی میں عربی میں ترجمہ کیا۔

روفس جالینوس سے پہلے گذرا ھے اس طبیب نے علم التشریح کے سلسلے میں عظیم الشان کارنامہ انجام دیا اور اس علم میں بہت سے اضافے کیے اس رسالے میں روفس نے نبیذ کے منافع پر تفصیلی گفتگو کی ھے اور حفظان صحت سے متعلق اس کے فوائد اور دیگر طبی و منافع و مضرات کا تذکرہ کیا ھے یہ مولّف کے ذاتی تجربات پر مبنی ھے اس نے یونان کے دو مشھو رشعرا کی طرف بھی اس سلسلے میں اشارے کیے ھیں یونانی سماج میں نبیذ کی اھمیت پر بھی تبصرہ کیا ھے اسی طرح یہ بات بھی قابلِ ذکر ھے کہ نبیذ کا استعمال روفس کے مطابق یونانی اس وقت کرتے تھے جب وہ عیش و طرب کی مجلس جماتے تھے جبکہ فارسی لوگ علمی مجلسوں میں اس کا استعمال کرتے تھے روفس نے نبیذ کے اقسام کو نھیں بتایا صرف اس کے عام فوائد کا ذکر کیا ھے کہ نبیذ جسمانی حرارت کو مناسب طریقے سے برقرار رکھنے میں مدد دیتا ھے اور قوت ھاضمہ کو بھی تیز کرتا ھے۔

گیارھواں باب

خاتمۃ الکلام

اس باب میں گذشتہ مباحث کا خلاصہ پیش کیا جائے گا جس سے پورے کام کا صحیح اندازہ ہوسکے گا۔

جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ بعثت نبویؐ (41 عام الفیل مطابق 610) سے قبل عرب گھٹا ٹوپ اندھیرے میں پڑے ہوئے تھے۔ پھر ہدایت کی روشنی سے فیضیاب ہونے کے بعد انھوں نے اس نور ہدایت کے ذریعے جزیرۂ عرب کے تمام ظلمناک گوشوں کو منور کرنے کا عزم کیا اور اس کے لیے بھرپور جدوجہد بھی کی۔ لیکن جس طرح ایک سیلاب کو روکنے کے لیے اس کی روانی کو دھیما کرنے کے لیے درمیان میں بہت سی چیزیں سدّ راہ ہوجاتی ہیں۔ اسی طرح اس سیل ہدایت کو روکنے کے لیے بہت سی شیطانی وطاغوتی قوتیں ابھر آئیں ان قوتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر طرح کے ہتھیاروں کا استعمال ناگزیر ہوگیا۔ جس کے نتیجے میں فتوحات کی عظیم تحریک پیدا ہوئی۔

40ھ مطابق 661ء میں خلافت راشدہ کا دور ختم ہوجاتا ہے اور خلافت بنوامیہ[1] کا دور شروع ہوجاتا ہے۔ اس وقت عرب مسلمان دنیا کے دور دراز گوشوں میں پھیل چکے تھے اور بہت حد تک حکومت کو استقرار حاصل ہوچکا تھا۔ جب مسلمانانِ عرب فتح کی عظیم تحریک سے فارغ ہوئے اور انھوں نے اپنے مفتوحہ شہروں میں اچھی طرح اقتدار حاصل کرلیا تو وہ ایک دوسری عظیم

تحریک کی طرف متوجہ ہوئے جسے ہم علمی، ثقافتی اور فکری تحریک کہہ سکتے ہیں۔ اس تحریک نے ان کے شوق کو ابھارا اور قریب اور دور کی قوموں سے اپنی بہترین امکانی صلاحیتوں کی بنیاد پر کچھ اخذ کرنے کا ان میں داعیہ پیدا ہوا۔

اسلام نے اپنی تعلیمات کے ذریعے حصولِ علم کے لیے ابھارا۔ پہلی آیت جو حضورِ پُر نورؐ نازل ہوئی تھی وہ یہ تھی:

"اقرأ باسم رَبِّكَ الذی خلق" (سورۃ العلق)

ترجمہ: پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔"

یہ آیت سے ایک امر کے صیغہ پر مشتمل ہے جو قرأت کو واجب قرار دیتی ہے۔ اور پڑھنا ہی سارے علوم کی کنجی ہے اسی طرح ایک مشہور حدیث میں علم کی اہمیت واضح کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا۔

"البو العلمَ وَلوکَانَ بالصین"

ترجمہ: "علم طلب کرو اگرچہ وہ چین میں ہو"

ان اسباب کی بنا پر مسلمانوں میں اس دور میں پہلے علوم وفنون سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ایک تحریک کی بنیاد پڑی اور اس تحریک کی ابتدا دور اموی میں ہوئی۔ ابتداً یہ عظیم تحریک نقل وترجمہ کی تحریک بن کر سامنے آئی کیونکہ علوم وفنون کا یہ بیش بہا خزانہ صرف یونان اور سریانی زبانوں میں دستیاب تھا۔

ترجمہ کا صحیح مفہوم ایک زبان سے دوسری زبان میں کسی مسئلہ کو منتقل کرنا ہے اور دوسری زبانوں سے عربی میں کوئی چیز منتقل کی جائے تو اس کو ہم تعریب کہیں گے اور اس کے برعکس کو تعجیم۔ ترجمہ ایک عام لفظ ہے جو ان دونوں پر دلالت کرتا ہے۔ ابتدا میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ لفظ فارسی زبان کے لفظ "تراجمان" سے مشتق ہے۔ لیکن جدید تحقیقات سے یہ بات واضح ہوکر سامنے آتی ہے کہ یہ لفظ آرامی زبان کے فعل "ترجم" سے مشتق ہے۔ اس کا مطلب ہے وعظ، نصیحت کا تشریح کرنا۔ عبرانی لفظ "ترجوم" بھی اصل میں آرامی سے ہی مشتق ہے مورخ مسعودی کا بیان ہے کہ عراق میں بنی اسرائیل کے پاس ایک زبان ہے جس کو وہ "ترجوم" کہتے ہیں اس زبان سے وہ عبرانی تورات کی تفسیر کرتے ہیں۔[2]

ترجمہ ایک خاص ہتھیار ہے جس کو فن اور تجربہ کو منتقل کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ ایک بنیادی چیز ہے کیونکہ یہ علمی اور فنی میدان میں اس بات کی ضرورت ہے کہ لین دین کا ایک تعلق مختلف اقوام کے درمیان قائم ہو۔ تہذیب وتمدن کی تعمیر کے لیے علمی ترجمہ ایک بنیادی کارنامہ ہے۔ علوم ومعارف کو ایک قوم سے دوسری قوم تک پہنچانے کے لیے ترجمہ کا عمل لازمی ہے۔ ماضی میں عربوں نے علمی میدان میں ترقی اسی راستے سے کی۔ مختلف اقوام کے علوم وفنون کو ترجمہ کے ذریعے پہلے اپنے لیے قابل استفادہ کیا پھر اس میں اضافہ وتحقیق کے بعد اسے عروج کی منزلوں تک پہنچایا۔

علوم کی تاریخ سے متعلق مزید تحقیقات سے کچھ نئے آرا، منظر عام پر آئی ہیں ان میں سے ایک رائے یہ بھی ہے کہ ترجمہ کا کام دور عباسی میں شروع نہیں ہوا بلکہ اس سے قبل دور اموی میں اس کی ابتدا ہو چکی تھی۔ اموی سلطنت کے ہر حصے میں طب، فلسفہ اور مختلف علوم کے مدارس پھیلے ہوئے تھے۔ کچھ مدرسے جندیسا پور، اسکندریہ، حران اور نصیبین میں تھے۔

اس دور میں علوم وفنون دوسری زبان میں تھے۔ بغیر ترجمہ کی تحریک کے اس کا حصول ممکن نہیں تھا۔ اس کے علاوہ خلفا، امرا، وزرا کی سیرت پر نگاہ ڈالنے سے ایک دلچسپ چیز جو سامنے ابھر کر آئی ہے وہ علم وثقافت سے بھرپور دوستی ہے۔ ان کی علم دوستی نے علوم وفنون کو عربی میں منتقل کرنے کے لیے علما اور فضلا کو اس کام کے لیے ابھارا۔ اس سلسلے میں تاریخی طور پر ثابت ہے کہ اموی شہزادہ خالد بن یزید بہت بڑا علم نواز تھا۔ وہ اسکندریہ سے علما کو اپنے پاس بلاتا تھا اور علوم کو سیکھتا تھا۔ اس کا معلم مریانوس راہب تھا۔ جس نے کیمیا گری کی صنعت اسکو سکھائی۔ اسی طرح خلیفہ عبدالملک بن مروان[3] (65ھ مطابق 648ء) تا 86ھ مطابق 705ء) اپنے زمانے کا عالم وفاضل شخص تھا اور عراق کا گورنر حجاج بن یوسف[4] المتوفی 95ھ مطابق 713ء بھی بہت بڑا ادیب اور علم نواز تھا افسوس کی بات ہے کہ حجاج جیسے ادیب اور فاضل کی شخصیت کے روشن پہلو کو تاریخ میں صحیح طور پر اجاگر نہیں کیا گیا۔ اس کی شخصیت کے بارے میں جو کچھ عوام میں مشہور ہے وہ یہ کہ حجاج ایک سخت حاکم تھا جس کو دور اموی میں ابھرنے والے فتنوں کو دبانے کے لیے کھڑا کیا گیا تھا۔ لیکن اس کا یہ کارنامہ کہیں ذکر نہیں کیا جاتا کہ اس نے عربی حروف پر نقطہ لگانے کی تحریک چلائی۔ اس کے علاوہ علوم وفنون کی بعض قسمیں ایسی تھیں جس سے عملی نفع حاصل کرنا ممکن تھا۔

شہزادہ خالد بن یزید کو کیمیا گری سے محبت اسی عملی نفع کے حصول کے لیے تھی۔ اسی صنعت سے معدنیات میں تبدیلی پیدا کرنا ممکن ہو جاتا تھا۔ اسی طرح طب اور نجوم سے تراجم مہیا کیے گئے۔ علم زراعت بھی ایک مفید عمل ہے اس سے بھی عملی منافع حاصل ہوتے تھے۔

عربی میں ترجمہ کا کام اکثر و بیشتر تین زبانوں سے ہوا۔ سریانی، یونانی اور فارسی۔ ان تینوں میں سریانی زبان چونکہ عربی سے بہت قریب تھی اور اسی وجہ سے اس کے علما بھی بکثرت موجود تھے۔ اس لیے اس زبان کو علوم کے منتقل کرنے کے لیے زیادہ استعمال کیا گیا۔ سریانی زبان آرامی لہجہ سے نکلی ہے۔ آرامی قوم دراصل سامی قوم تھی اور سریانیوں کی جداعلیٰ تھی۔ انھوں نے چودھویں اور تیرھویں صدی قبل مسیح میں جزیرۂ خرابتہ اور شمالی شام کے ایک بڑے حصے کو فتح کر لیا تھا۔ دمشق آرامی حکومت کا پایۂ تخت بن گیا تھا اس طرح آرامی قوم تیسری سامی قوم تھی جو جزیرۂ عرب سے نکلی اور جزیرۂ خرابتہ میں سکونت پذیر ہوگئی۔

ان کی زبان کا تعلق مغربی سامی لہجہ سے ہے یہ زبان خاص طور پر عراق کے شہر الرھا[5] میں بولی جاتی تھی۔ یہی زبان شام کے گرجا گھروں کی زبان تھی۔ اور علم وادب کی زبان بھی یہی تھی۔ شام کے باشندے سریانی کہلانے لگے تھے۔ یہ لوگ زیادہ تر عیسائی مذہب کے پیروکار تھے۔ عربوں کی فتوحات کے بعد بہت مدت تک اہلِ شام سریانی زبان بولتے رہے۔ عربی اور سریانی میں ایک گونہ مماثلت پائی جاتی تھی۔ زید بن ثابت انصاری کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا، میں ایک قوم کی طرف خط ارسال کرتا ہوں اور مجھے خوف لاحق ہوتا ہے کہ وہ اس میں کمی بیشی نہ کر دیں۔ پس تم سریانی زبان سیکھ لو۔ تو میں نے سترہ دنوں میں یہ زبان سیکھ لی۔[6]

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ سریانی اور عربی ایک ہی اصل سے نکلی ہوئی ہیں اور یہ کہ دونوں قوموں کی اصل اور خون ایک ہے۔ اور دونوں جزیرہ عرب سے تاریخ کے مختلف ادوار میں منتقل ہوئے، اس طرح عربی زبان کے لیے سریانی زبان پر غلبہ آسان ہوگیا۔ یہی زبان ایک وسیلہ تھی جس کے ذریعے سریانی لوگ کتاب کا ترجمہ اور شرح کر کے یونانی علوم اور فلسفہ کو مختلف گوشوں میں پھیلاتے تھے۔ اسی زبان میں افلاطون کی شروحات اشاعت پذیر ہوئیں۔ سریانیوں نے ترجمہ کے ذریعے عالم عربی کی طرف یونانی علوم اور فلسفہ کو منتقل کیا، اس طرح گذشتہ باتوں

سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ سریانی زبان کے ترجمہ کے سلسلے میں بہت ہی اہم کردار رہا ہے۔ یونانی علوم کا ترجمہ اس زبان میں بہت امانت داری سے کیا گیا ہے، کبھی کبھی بالکل لفظی ترجمہ کردیا گیا ہے۔ مگر لفظی ترجمہ بہت سے سریانی مترجمین کے نزدیک معیوب تھا ان ترجموں میں بہت سی لفظی غلطیاں بھی ملتی ہیں۔ مترجمین جب کسی یونانی لفظ کے معنی کو نہیں سمجھ پاتے تھے تو صرف سریانی حروف میں اس کو نقل کردیتے تھے۔

ترجمہ کے سلسلے میں خانقاہوں کا کردار بہت اہم تھا۔ اس کا تجربہ پانچویں صدی عیسوی کے شروع میں ہوا۔ جبکہ جبل ازل کے دامن میں پہلی خانقاہ بنائی گئی۔ خانقاہ کے چبوتروں پر بحث و مباحثہ کے لیے راہبین جمع ہوا کرتے تھے۔ حنین بن اسحاق نے اپنی کتاب ''تراجم جالینوس'' میں لکھا ہے کہ ہمارے نصاریٰ بھائی ملک شام میں ان دنوں اس بات کے عادی ہیں کہ مجلسیں جماتے ہیں اور تدریسی ادارے بھی چلاتے ہیں۔ جن کو اسکل کہتے ہیں۔

سریانی میں ترجمہ کے سلسلے میں دو اسکول موجود تھے۔ انطاکیہ کا اسکول اور دوسرا اسکندریہ کا اسکول۔ پہلا اسکول سینٹ اغناطیوس نورانی کی تعلیمات کے اثر سے پیدا ہوا۔ یہ کتاب مقدس کے لفظی ترجمہ پر زور دیتا تھا اور نحوی قواعد کی طرف بھی خاص طور پر دھیان دیتا تھا، کثرت سے حاشیے قائم کرنے پر زور دیتا تھا۔ نسطوری سریانی علما کے نزدیک یہی طریقہ اہم اور قابل قبول تھا۔ دوسرا اسکول سینٹ اور یجین اسکندری (185ء تا 254ء) کی تعلیمات کے اثر سے پیدا ہوا۔ اس نے توضیحی ترجمہ کی اجازت دی تھی یہ لوگ افلاطون کے فلسفے کے متبع تھے۔

گذشتہ بیانات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ سریانی زبان علوم کو منتقل کرنے کے لیے سب سے اہم ذریعہ تھی اور عربی میں علوم کے اکثر تراجم اسی زبان کے توسط سے منظر عام پر آئے۔ دوسرے درجہ میں یونانی زبان تھی۔ اگرچہ علوم اسی زبان میں صفحہ قرطاس پر آئے اور عربی میں منتقل ہوئے۔ یونانی تہذیب وہ سرچشمہ تھی جس سے عربوں نے دوسروں کی بہ نسبت خوب سیرابی حاصل کی۔ بطلیموس کی کتاب ''المجسطی'' کا انھوں نے ترجمہ کیا اور کچھ بقراط اور جالینوس کی طبّی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا۔ عربی میں بہت سے تراجم اسی زبان کے توسط سے کیے گئے۔ کچھ تراجم پہلے یونانی سے سریانی میں اور پھر سریانی سے عربی میں کیے جاتے تھے، مورخ مسعودی نے حضرت امیر معاویہ کے روزنامچے کے سلسلے میں لکھا ہے کہ وہ ایک تہائی رات کے بعد اٹھ کھڑے

ہوتے تھے اور سلاطین کی سیرت اوران کی تاریخ کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔[7] جرجی زیدان[8] اس سلسلے میں کہتا ہے کہ یہ تاریخی کتابیں لاطینی اور یونانی میں تھیں۔لوگ امیر معاویہ کواس کا ترجمہ عربی زبان میں کر کے سناتے تھے۔[9] اسی طرح یہ بات بھی ثابت ہے کہ ثابت بن قرہ نے ابلینوس کی کتاب ''المخروطات'' کا یونانی سے عربی میں ترجمہ کیا۔حنین نے خلیفہ واثق کے لیے اقلیدس کی کتاب الاصول کا یونانی سے ترجمہ کیا۔ثابت بن قرہ نے اس کی دوبارہ اصلاح کی[10] اسی طرح اور بھی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یونانی زبان سے بے شمار کتابیں عربی میں منتقل ہوئی ہیں۔

فارسی اور سنسکرت زبانوں سے بھی عربی میں تراجم ہوئے۔مگر سریانی اور یونانی کی بہ نسبت ان کی تعداد بہت کم ہے۔فارسی سے ترجمہ کرنے والوں میں عبداللہ بن المقفع اور فضل بن نوبخت اور عمر بن فرخان طبری کے نام قابلِ ذکر ہیں۔اول الذکر کے تراجم میں سے کلیلہ ودمنہ، الادب الکبیر اور الادب الصغیر اور فضل کے تراجم میں سے کتاب المدخل اور کتاب الموالید اور عمر بن فرخان کے تراجم میں سے کتاب المحاسن، کتاب اتفاق الفلاسفہ، واختلافہم فی الخطوط ہیں۔

سنسکرت سے بھی عربی زبان میں تراجم ہوئے۔مگر سابق زبانوں کی بہ نسبت اس سے بہت کم تراجم ہوئے ہیں۔سنسکرت سے جن مؤلفین کی کتابوں کے تراجم عربی میں ہوئے ان میں شاناق، کنکہ، منکہ، جوور، صالح بن بہلہ ہندی کے نام معروف ہیں۔

شاناق کی مشہور کتاب ''کتاب السموم'' ہے۔[11] ابوحاتم بلخی نے عربی میں ترجمہ کیا ہے۔اس کی دوسری کتابیں کتاب البیطرۃ اور ''کتاب فی النجوم'' ہیں۔[12]

ترجمہ کے سلسلے میں ایک بات جو بہت اہم اور قابل ذکر ہے وہ مراحل ترجمہ کی تعیین ہے۔عموماً مورخین اس کی تجدید دورِ عباسی سے کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کی ابتدا دورِ اموی میں ہو چکی تھی۔ترجمہ کے عمل کے ہم چار مراحل میں تقسیم کرتے ہیں۔

(1) عہد اموی (40ھ مطابق 661ء سے 132ھ مطابق 750ء تک)

(2) عہد عباسی (اس کے تین مراحل ہیں) پہلا مرحلہ 136ھ مطابق 753ء سے 198ھ مطابق 813ء تک دوسرا مرحلہ 198ھ مطابق 813 سے 300ھ مطابق 912ء تک، تیسرا مرحلہ 300ھ مطابق 912ء سے آگے تک۔

یہ حقیقت سامنے آچکی ہے کہ دور اموی میں ترجمہ کا کام ہوا اور اس کا اچھا ماحول بھی پیدا ہو چکا تھا۔ مستشرق نلیلنو کی رائے ہے کہ عربی میں سب سے پہلا ترجمہ 125ھ مطابق 742ء میں ہوا۔ یعنی عہد اموی کے اخیر میں۔ کیونکہ یہ دور 122ھ مطابق 750ء میں ختم ہو جاتا ہے۔ دوسرے مورخین کی رائے وہی ہے جس کو ابن الندیم نے اپنی کتاب الفہرست میں نقل کیا ہے کہ 80ھ مطابق 669ء کے قریب سب سے پہلے خالد بن یزید کے ہاتھوں عربی میں ترجمہ کا کام ہوا۔ فلپ حتی کی رائے ہے کہ سب سے پہلا ترجمہ ماسر جویہ نے تقریباً 90ھ مطابق 708ء میں کیا۔ اس کام کی داغ بیل حضرت امیر معاویہ کے ہاتھوں پڑ چکی تھی۔ یعنی ترجمہ کی ابتدا، عہد اموی کے ابتدا سے ہی ہو چکی تھی۔[13] جن کتابوں کا ترجمہ امیر معاویہ یا ان کے بعد فوراً عمل میں آیا ان میں سے وہ کتاب بھی تھی جس کو شاہ چین نے امیر معاویہ کے لیے بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ اس کتاب میں کیمیا گری کی تعلیم تھی، یہ کتاب خالد بن یزید کے ہاتھ لگی جو آل مروان کا عالم وفاضل تھا اور اس نے یونانی فلاسفہ کو مصر سے بلایا اور یونانی وقبطی زبانوں میں موجود کیمیا کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔[14]

ابن الندیم دوسری جگہ کہتا ہے کہ اصطفن نے سب سے پہلے طب، نجوم اور کیمیا، کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔[15] اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خالد کے بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا۔

علی سامی النشار کہتا ہے کہ مسلمان یونانی منطق سے عہد اموی میں ہی واقف ہو چکے تھے۔ کیونکہ خالد بن یزید نے اور جانون کا ترجمہ یونانی سے عربی میں کرایا۔[16]

ماسرجیوس نے اھرن کی ایک طبی کتاب کا ترجمہ عربی زبان میں کیا جو کناش اھرن کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں تیس مضامین تھے۔ ماسرجیوس نے اس میں مزید دو اور مضامین کا اضافہ کیا۔[17] یہ کتاب یونانی زبان میں تھی۔ پھر اس کا ترجمہ سریانی میں ہوا۔ پھر ماسرجیوس نے اس کا ترجمہ سریانی سے عربی میں کیا۔

یہ ترجمہ بنوامیہ کے حکام کے پاس قصر خلافت میں موجود تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز (متوفی 102ھ مطابق 720ء) کے حکم سے رفاہِ عام کے لیے اس کی اشاعت چالیس دن تک استخارہ کے بعد کی گئی۔[18]

ھشام بن[19] عبدالملک کے زمانے میں بہت سی کتابوں کے ترجمے ہوئے۔ مورخ مسعودی نے کہا ہے کہ یہ میں نے فارس کے شہر اصطخر میں 330ھ مطابق 942ء میں ایک موٹی کتاب دیکھی اس میں بادشاہوں کی خبریں اور ان کی سیاست کا تذکرہ تھا۔[20] فارسی سے عربی میں اس کا ترجمہ ھشام بن عبدالملک کے لیے کیا گیا۔ اسی طرح کتاب البیزرہ جو پرندوں کے علاج سے متعلق ہے اس کا عربی میں ترجمہ ھشام کے لیے کیا گیا۔

سالم بن عبدالرحمٰن جو ھشام بن عبدالملک کا میر منشی تھا وہ عہد اموی کا ایک مشہور مترجم تھا اور ترجمہ شدہ کتابوں کی اصلاح بھی کیا کرتا تھا۔

اس دور کے مترجمین پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے کے لیے ہم ذیل میں ان کے نام اور ترجمہ شدہ کتابوں کی ایک فہرست درج کرتے ہیں۔

ابن اثال: یہ نامور طبیب تھا، نصرانی العقیدہ تھا اس نے حضرت معاویہ ابن ابی سفیان کے لیے طب کی بعض یونانی کتابوں کا ترجمہ کیا تھا۔ یہ یونانی سے عربی زبان میں پہلا طبی کارنامہ تھا۔[21]

سالم بن عبدالرحمٰن: یہ ھشام بن عبدالملک کا میر منشی تھا۔ اس نے سکندر کے لیے ارسطو کے بہت سے خطوط کا ترجمہ کیا۔ ''سرالاسرار'' کے نام سے بھی ایک کتاب کا پتہ چلتا ہے۔ ''مقالات فلسفہ'' کے نام سے اس کی ایک کتاب دستیاب ہے۔

ماسرجیس المصری: اس کو بعض مورخین ماسرجویہ سمجھتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ ماسرجویہ دور عباسی کا ایک مشہور مترجم تھا۔ دور اموی کے مترجم کا نام ماسرجیس ہے۔ اس نے اھرن بن اعین کی کتاب کناش کا ترجمہ خلیفہ مروان کے زمانے میں سریانی زبان سے عربی میں کیا تھا۔

عبداللہ بن المقفع: متوفی (142ھ مطابق 759ء) یہ عہد اموی کے دور آخر میں منظر عام پر آیا۔ اس لیے اس کو ہم عہد اموی کے مترجمین میں شمار کر سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کی بیشتر کتابیں عہد عباسی میں ترجمہ ہو کر سامنے آئیں اس لیے عموماً اس کو مورخین عہد عباسی کے مترجمین میں شمار کرتے ہیں۔ یہ پارسی مذہب کا پیرو کار تھا۔ اور ظاہراً اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کی بیشتر ترجمہ شدہ کتابیں۔ تاریخ اور اخلاق پر مشتمل ہیں مثلاً کلیلہ و دمنہ الادب الکبیر والادب الصغیر۔

حسّان بن ابی سنان: (متوفی 180ھ مطابق 796ء) یہ بھی عہد اموی کے مترجمین میں شمار ہوتا ہے۔ یہ عربی فارسی اور سریانی تینوں زبانوں میں مہارت رکھتا تھا۔ پہلے نصرانی المذہب تھا پھر مسلمان ہوگیا یہ دور عباسی میں بھی ترجمہ کرتا رہا۔ انبار کے گورنر ربیعہ کے لیے ترجمہ کرتا تھا۔

جبلّہ بن سالم: یہ بھی ہشام بن عبدالملک کا منشی تھا۔ مذکور شدہ سالم بن عبدالرحمٰن کا بیٹا تھا۔ یہ عموماً فارسی سے عربی میں ترجمہ کرتا تھا۔ اس کی دو کتابیں مشہور ہیں۔ ''رستم واسفندیار'' اور ''بہرام شوش''

وھب بن منبہ یمنی: متوفی 114ھ مطابق 732ء) یہ یمن کا مشہور فاضل شخص تھا۔ جو آسمانی کتابوں سے متعلق بکثرت معلومات رکھتا تھا۔ اس نے 92 آسمانی کتابوں کو پڑھا تھا۔ یہ یونانی سریانی اور حمیری تینوں زبانوں سے واقف تھا۔ غالب گمان یہی ہے کہ یہ دوسری زبانوں کی معلومات کو عربی زبان میں منتقل کرتا تھا۔

الغرض عہد اموی جس کی ابتدا 41ھ مطابق 661ء میں ہوتی ہے اور 132ھ مطابق 749ء میں یہ دور ختم ہوجاتا ہے۔ علوم وفنون کے اعتبار سے ایک اہم اور بنیادی دور کہلانے کے لائق ہے۔ اس دور میں عرب مختلف گوشوں میں پھیل چکے تھے، مختلف ثقافتوں میں امتزاج ہو چلا تھا۔ لوگ فلسفہ سے متاثر ہو رہے تھے۔ دمشق اور قسطنطنیہ کے درمیان سفارتی تعلقات قائم ہوچکے تھے۔ بغرض تجارت لوگ چین تک سفر کررہے تھے۔ علما دین منطق، فلسفہ اور علم مناظرہ سے خوب واقفیت رکھتے تھے۔ فرقۂ معتزلہ (22) کا ظہور بھی اسی دور میں ہوا۔ یہ لوگ اپنے مخالفین کو زیر کرنے کے لیے منطق اور فلسفہ کو بھی بطور ہتھیار استعمال کرتے تھے کیونکہ ملاحدہ کے ساتھ ان کا مناظرہ ہوتا تھا۔

سیوطی نے اپنی کتاب ''صون المنطق والکلام'' میں بروایت ابن کثیر لکھا ہے کہ گذشتہ قوموں کے علوم پہلی صدی ہجری میں اسلامی دنیا میں داخل ہوئے لیکن اس کی اشاعت عام نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ اسلاف ان میں مصروف ہونے سے روکتے تھے۔ شہرستانی نے ''الملل والنحل'' میں اور احمد امین نے ''فجر الاسلام'' میں لکھا ہے کہ واصل بن عطا (متوفی 123ھ مطابق 750ء) کے پیروکار معتزلہ نے فلسفہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ اور ان سے متاثر ہوئے تھے۔[23]

اس سلسلے میں احمد حسن زیات ''تاریخ ادب عربی میں'' رقم طراز ہیں:

''عہد اموی میں عربوں کی طبیعتیں علوم کے لیے بالکل تیار نہیں ہوئی تھیں نہ ان کی عقلیں علوم میں غور وخوض کے لیے پختہ ہوئی تھیں بلکہ فتوحات اور ادبی رجحانات کے مشاغل نے ان کی توجہات اپنی طرف مشغول کر رکھی تھی اور انھوں نے موروثی علوم طب و نجوم پر ہی اکتفا کر رکھی تھی ...... رہا غیر ملکی زبانوں سے ترجمہ، سو اس عہد میں اس کا اہتمام نہیں تھا۔ البتہ خالد بن یزید کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے اسکندریہ کے مدرسہ سے ایک جماعت کو بلوایا جنھوں نے اس کو علم کیمیا، سکھایا اور اس سلسلے میں اس کے لیے کچھ ترجمے بھی کیے۔''(24)

غرض اس دور کے متعلق مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ اس میں ادب جاہلیت پک کر تیار ہوا، علوم اسلامیہ نے نشو ونما پائی اور غیر ملکی علوم کے تراجم کی ابتدا ہوئی۔

الغرض اس دور کے متعلق مختصراً ان مصنفین کا تذکرہ بے سود نہیں ہوگا جنھوں نے عہد اموی میں علمی کارہائے نمایاں انجام دیے اور مختلف علوم وفنون میں بیش بہا تصانیف چھوڑیں، اگرچہ ان میں بیشتر تصنیفات زمانہ کی دستبرد سے محفوظ رہ سکیں۔

(1) خالد بن یزید بن معاویہ: (متوفی 85ھ مطابق 704ء) کیمیا اور طب کا جید عالم تھا۔ ان کی کئی تصنیفات کی نشاندہی کی گئی ہے ان میں مشہور یہ ہیں:

(1) رسالۃ فی الکیمیا
(2) فردوس الحکمت فی الکیمیا
(3) دیوان النجوم
(4) کتاب الحرارۃ وغیرہ

(2) جابر بن حیان: (متوفی 200ھ مطابق 815ء) بعض مورخین نے اس کو خالد بن یزید کا شاگرد تسلیم کیا ہے اور بعض نے اس سے انکار کیا ہے۔ علم الکیمیا کو عملی طور پر مرتب کیا۔ اس کی مشہور تصانیف یہ ہیں:

(1) اسرار الکیمیا
(2) رسائل جابر
(3) کتاب فی الکیمیا

(3) ابوالحکم الدمشقی: یہ نصرانی العقیدہ تھا۔ خواص ادویہ میں ماہر تھا اور حضرت معاویہ کا طبی مشیر تھا۔ اس کی تصنیفات کا پتہ نہیں چلتا۔

(4) الحکم الدمشقی: (متوفی 210ھ مطابق 825ء) یہ اموی دربار سے وابستہ رہا۔ اور عہد مامون میں انتقال کیا۔ اس کی تصانیف کا بھی پتہ نہیں چلتا۔[25]

(5) تیاذوق: (متوفی 90ھ مطابق 708ء) یہ حجاج بن یوسف کا طبیب خاص تھا اور مبادیات طب سے متعلق اس کے بہت سے اہم اقوال منقول ہیں۔ اس کی تصانیف میں مشہور یہ ہیں:

(1) الکناش

(2) کتاب ابدال الادویۃ

(3) کتاب تفسیر أسماء الادویۃ

(6) عبدالملک بن ابجر الکنانی: یہ اسکندریہ میں یونانی علوم کی تعلیم کا نگراں تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں مسلمان ہوا اور ان کا طبی مشیر بھی رہا۔[26]

عہد عباسی

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے عہد عباسی میں ترجمہ کا کام بہت تیزی سے ہوا اور یہ کہ اس دور کو تین مراحل میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

پہلا مرحلہ: 136ھ مطابق 753ء — 198ھ مطابق 813ء۔

دوسرا مرحلہ: 198ھ مطابق 813ء — 300ھ مطابق 912ء۔

تیسرا مرحلہ: 300ھ مطابق 912ء — آگے تک۔

علوم کی ترویج و ترقی میں خلافت عباسیہ کا ابتدائی دور بہت اہمیت کا حامل ہے۔ بغداد کو علم و ادب میں مرکزیت حاصل تھی۔ اس خلافت کے بانی ابوالعباس السفاح کے بعد دوسرا خلیفہ ابوجعفر منصور سریر آرائے خلافت ہوا۔ اس کا برتاؤ اہل علم کے ساتھ فیاضانہ تھا۔ اسی عہد میں بغداد میں دور دراز ملکوں سے علما کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مثلاً ابراہیم فزاری، علی بن عیسیٰ اور جورجیس کے علاوہ بہت سے ہندوستانی اور ایرانی فضلا بھی اس دربار علم کی زینت بنے اور بغداد کا بیت الحکمت علم کا ایک زبردست مرکز بن گیا۔

علمی میدان میں اس زبردست کامیابی کی وجہ یہ تھی یہ عربوں کی سماجی زندگی میں بھاری تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ عربوں کو معلوم ہوا کہ علم کی بنیاد پر ہی تہذیب وتمدن قائم رہ سکتے ہیں۔ وہ طلب علم کی طرف مائل ہوئے۔ دینی اور فکری مناقشہ کے لیے عموماً یونانی فلسفہ کو بطور ہتھیار استعمال کیا جانے لگا۔ حجت واستدلال کے لیے ارسطو کی منطق کا ترجمہ کیا گیا۔ خاص کر منصور نے طب اور نجوم کی کتابوں کا ترجمہ کرایا اور اس نے ترجمہ کا ایک محکمہ بھی قائم کیا تھا۔

خلیفہ منصور علم نجوم کے احکامات کا دلدادہ تھا اور اسی کے مطابق عمل کرتا تھا۔ جیسا کہ بغداد کی بنیاد ڈالتے وقت اس نے کیا تھا۔ اس نے حکمت کی کتابوں کے لیے شاہ روم کے ساتھ خط وکتابت کی۔ منصور پہلا خلیفہ تھا۔ جس نے آزاد کردہ غلاموں کو حکومت کے کاموں پر مقرر کیا اور عربوں پر ان کو فضیلت دی۔ اس کے بعد آنے والے خلفا نے بھی اس کی پیروی کی۔[27]

خلیفہ ابو جعفر منصور (136ھ مطابق 754ء)—158ھ مطابق 775ء) پہلا شخص تھا جس نے ترجمہ کی تحریک میں روح پھونکی۔ اس نے بہت سے مترجمین کو اپنے پاس بلایا۔ اور علوم کی کتابوں کا ترجمہ کرایا جندیساپور کے شفاخانے کے رئیس الاطبا، جورجیس بن بختیشوع کو دعوت دی۔ اور مشہور طبی کتاب کناش کا عربی میں ترجمہ کرایا۔ ابراہیم بن حبیب فزری سے سنسکرت کی کتاب سدھانت کا ترجمہ کرایا۔

ھارون الرشید: (170ھ مطابق 786ء—193ھ مطابق 809ء) رشید نے ترجمہ کے کام کی طرف توجہ کی اور منصور کے محکمہ کی توسیع کی۔ اس نے علما پر خصوصی توجہ دی اور ترجمہ کی تحریک کو بیت الحکمت کے ذریعہ مزید تقویت دی۔ یونان کی تالیفات بلادِ روم سے لائی گئیں اور ان کے ترجمہ کا اہتمام کیا گیا، ان کتابوں کو انھوں نے عموریہ کی فتح سے حاصل کیا تھا اور وہاں کی لائبریریوں سے طب وفلسفہ سے متعلق کتابوں کو منتخب کیا اور انھیں بیت الحکمت میں رکھا گیا۔ یوحنا ابن ماسویہ کو ان کے ترجمہ پر مامور کیا، اس نے زیادہ تر طبی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ اس کے دربار میں ہندوستانی اطبا بھی موجود تھے۔ رشید کے زمانے میں صالح بن بھلہ بہت مشہور تھا۔

اسی خلیفہ کے زمانے میں کچھ سیاسی اسباب کی بنا پر دارالحکومت ''الرقہ'' کی طرف منتقل کیا گیا۔ اس کے وزیر یحییٰ برمکی نے علمی کاموں کے لیے اپنے کو مصروف کرلیا۔ اس نے لائبریریاں قائم کیں اور اس کی جدوجہد سے الرقہ ایک ثقافتی شہر بن گیا۔ جاحظ[28] کہتا ہے کہ:

"اگر کاتبین نہ ہوتے تو رقہ، موصل اور بغداد کے لوگ ان باتوں کو نہ جانتے جو بصرہ اور کوفہ میں رونما ہوتی تھیں۔"(29)

اسی دور میں علمی مباحثہ شروع ہوا اور محمد بن حسن شیبانی (متوفی 189ھ مطابق 804ء) اور محمد بن ادریس الشافعی (30) (متوفی 204ھ مطابق 819ء) کے درمیان مذہبی مباحثہ جاری ہوا۔ اسی طرح علم کا میدان وسیع ہوگیا۔ فن کتابت کا بازار گرم ہوا کاتبین کی بڑی تنخواہیں مقرر ہوئیں۔

المجسطی کا ترجمہ یحییٰ بن خالد برمکی کے لیے کیا گیا۔ سریانی سے عربی میں ایوب بن قاسم الرقی اور سمعان نے کیا۔ اس ترجمہ میں اصلاح ابوحسان اور بیت الحکمت کے نگراں سلما نے کی۔ برامکہ پر مصیبت پڑنے کے بعد 187ھ مطابق 802ء میں ترجمہ کی تحریک دھیمی پڑ گئی کیونکہ ہارون الرشید پر نفسیاتی اثر پڑا۔ اور یہ برا تصور اس کو پریشان کرتا رہا۔ مسعودی کا بیان ہے کہ برامکہ کے بعد اس کے معاملات دگرگوں ہوگئے اور لوگوں کے سامنے اس کی تدبیر اور سیاست کھل کر سامنے آگئی۔(31)

مامون الرشید: اور جونہی عہد مامون شروع ہوتا ہے (198ھ مطابق 813ء — 218ھ مطابق 833ء) ترجمہ کی تحریک اپنے انتہائی عروج پہنچ جاتی ہے۔ یہ خلیفہ عالم تھا اور علما سے دوستی رکھتا تھا۔ ترجمہ کے عمل میں بہت چست تھا، رومی بادشاہوں کے ساتھ تعلقات قائم تھے۔ ان سے افلاطون، ارسطو، بقراط، جالینوس اور اقلیدس و بطلیموس کی کتابیں حاصل کیں۔ ان کتابوں کا بہترین ترجمہ کرایا۔ اس کے علاوہ نادر کتابوں کے لیے وفود بھیجے، یحییٰ ابن ابی منصور کو بلاد روم بھیجا۔ اور نفیس کتابوں کو تلاش کر کے جمع کرایا اور بیت الحکمت کے مترجمین سے ان کا ترجمہ کرایا۔ یہ بھی اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلا۔ سائنسی افکار کو نظری سطح سے بلند کر کے عملی سطح پر لے آیا۔(32) اس نے بغداد میں ایک رصدگاہ بنائی اور ایک بڑی لائبریری سے اس کو مزین کیا۔ اکثر قدیم کتابوں کا عربی میں ترجمہ اسی عہد میں کیا گیا۔ اسی نے موسیٰ بن شاکر اور ان کے بیٹوں کو بلاد روم بھیجا تاکہ علما کی مدد سے علمی کتابوں کی کھوج کرے۔(33)

اسی دور میں عربی ترجمہ کی تحریک اپنے کمال تک پہنچ گئی کیونکہ ترجمہ کے لیے اس نے ممتاز مترجمین کو جمع کیا۔ حکمت، فلسفہ، طب، ہندسہ، ریاضی، فلاحہ اور تاریخ و ادب کی کتابوں کے

تراجم ہوئے۔ منصور اور رشید کے زمانے میں جن کتابوں کے تراجم ہو چکے تھے۔ ان کا دوبارا ترجمہ کیا گیا۔ ان تراجم کا نام "مامونیہ" رکھا گیا۔ تاکہ اپنے سابق تراجم سے ممتاز ہو سکیں۔ یہ ترجمہ بہت عمدہ اور قابلِ اعتماد سمجھا جاتا تھا۔

اس خلیفہ کی علم دوستی کا یہ حال تھا کہ اپنے معاہدوں میں شرط شامل کرتا تھا کہ حریف حکمت کی نفیس کتابوں کو اس کے لیے بھیجے گا۔ جیسا کہ قیصر روم میخائل ثالث کے ساتھ معاہدہ کے وقت کیا تھا۔ اس شرط کے مطابق قیصر روم پر قسطنطنیہ کی مشہور لائبریری کو چھوڑ دینا لازم ہو گیا تھا۔

الفہرست میں ابن الندیم نے لکھا ہے کہ مامون نے شاہ روم کے ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ جاری کیا اور اس نے علما کی ایک جماعت سے قدیم علوم کا انتخاب کرنے کو کہا۔ بادشاہ نے انکار کے بعد بات مان لی۔ مامون نے ترجمہ کی تحریک کو سرکاری تحریک بنا دیا اور سخاوت کے ساتھ اس پر خرچ کیا اور ترجمہ شدہ کتابوں کو پڑھنے کے لیے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی۔ اس دور میں بہت سے حکام اور دولت مندوں نے مامون کی پیروی کی اس طرح عباسی حکومت کے اطراف میں جزیرۃ عربیہ، عراق اور فارس سے مترجمین بڑی تعداد میں جمع ہو گئے۔ انھوں نے یونانی، سریانی، پہلوی اور سنسکرت زبانوں سے عربی میں تراجم کیے۔ موسیٰ بن شاکر کے بیٹے محمد، احمد، اور حسن نے اپنے خرچ پر ایک جماعت کو فلسفہ، ریاضیات اور طبی مخطوطات کی تلاش میں ملک روم بھیجا۔

جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ ترجمہ کے کام کی ابتدا دور اموی میں ہوئی اور دور مامون میں یہ کام اپنے انتہائی عروج کو پہنچ گیا۔ اس سلسلے میں بغداد کے بیت الحکمت نے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ اس کی بنیاد ہارون الرشید نے رکھی تھی۔ بنیادی مقاصد میں علوم حکمیہ کا عربی میں ترجمہ کرنا تھا۔ اس کے بانی کے بارے میں مورخین کے درمیان اچھا خاصا اختلاف پایا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بانی تو خلیفہ ہارون الرشید ہی تھا۔ لیکن مامون رشید نے اس کی توسیع کی اور اس کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ سید علی احمد نیر واسطی نے بیت الحکمت کا بانی مامون رشید کو قرار دیا ہے۔[34] اور جرجی زیدان نے اس کا بانی ہارون رشید کو قرار دیا ہے۔[35] شبلی نے جرجی زیدان کی تائید کی ہے۔[36] یہ عظیم ادارہ یحییٰ برمکی کی کوششوں سے منظر عام پر آیا۔ اس ادارے کے تحت مختلف شعبہ جات مصروف عمل تھے۔ مثلاً خزینۃ الکتب، دار الترجمہ والتالیف، الرصد۔

خزینۃ الکتب: اس شعبہ میں مختلف علوم و فنون کی کتابیں جمع کی گئی تھیں۔ مثلاً یونانی

سریانی، فارسی، سنسکرت اور عربی وغیرہ۔ ابوجعفر منصور نے جو کتابیں بلاد وامصار سے جمع کی تھیں وہ بھی ان میں جمع کر دی گئی تھیں، ہارون رشید نے کتابوں کی فراہمی اور ان کے تراجم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جس کے نتیجے میں بیت الحکمت کا یہ شعبہ منظر عام پر آیا۔ مامون نے سب سے زیادہ کتابوں کی فراہمی میں حصہ لیا۔ انھوں نے آرمینیہ، مصر، شام، ہندوستان اور ایران اپنے قاصد بھیجے اور لاکھوں روپے صرف کر کے کتابوں کو فراہم کیا۔ اس سلسلے میں یحیٰی بن خالد برمکی کی کوششیں بھی ناقابل فراموش ہیں۔ اس کا ذاتی کتب خانہ بھی بہت بڑا تھا بادشاہوں کے کتب خانے بھی اس پایے کے نہیں تھے۔ یحیٰی الخیاط کا قول ہے:

''جس قدر کتابیں یحیٰی کے کتب خانے میں تھیں اس قدر کسی بادشاہ کے پاس نہ ہوں گی ہر کتاب کے تین نسخے موجود تھے...... یہ بات مشہور تھی کہ اگر کوئی نایاب کتاب فروخت ہوتی تو اوّل یحیٰی کو دکھلائی جاتی کیونکہ ایک ہزار درہم دینے والا صرف یحیٰی برمکی تھا۔''(37)

دارالترجمہ: یہ شعبہ بھی یحیٰی بن خالد برمکی کی کوششوں سے منظر عام پر آیا۔ اس شعبہ میں مختلف مذاہب کے علما ترجمہ کے کام میں مصروف تھے۔ ترجمہ کا کام یونانی، سریانی، فارسی اور سنسکرت سے عربی میں ہوا اور مختلف موضوعات سے متعلق کتابوں کے تراجم ہوئے مثلاً فلسفہ، ہندسہ، طب، نجوم اور ادب واخلاق وغیرہ۔ عہد ہارون رشید میں بہت سے غیر ملکی حکما اور فضلا اس شعبہ سے وابستہ تھے۔ مامون نے اس کی مزید توسیع کی۔ یہ شعبہ کئی فروغی شعبہ جات پر مشتمل تھا مثلاً شعبۂ ترجمہ، شعبۂ تالیف، شعبۂ اصلاح، شعبہ تسوید اور جلد سازی۔

عہد عباسی کے مترجمین میں بہت سے مذاہب اور ملکوں کے لوگ شامل تھے۔ ان میں فارسی، سریانی، سنسکرت اور یونانی زبان سے ترجمہ کرنے والے شامل تھے۔ مگر ان سب میں سریانی مترجمین کا کردار سب سے اہم اور نمایاں ہے۔ ان لوگوں نے ترجمہ کے عمل کو خاندانی وراثت کے طور پر اپنایا، اس کام میں سریان کے کئی خاندان مصروف تھے۔ خصوصاً یہ چار خاندان اس کام کے رہنما تھے اور اس میدان میں گویا سبقت لے جانے والے تھے مثلاً: خاندان بختیشوع، خاندان حنین، خاندان کرخی اور خاندان ثابت۔

اب ہم ذیل میں عہد مامون کے اہم مترجمین کے بارے میں مختصراً بیان کرتے ہیں کیونکہ مقالے کے موضوع سے اس کا قریبی تعلق ہے۔

حنین بن اسحاق: (التوفی 260ھ مطابق 873ء) حنین بن اسحاق العبادی شیخ المترجمین کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ نصرانی العقیدہ تھا۔ یہ سریانی یونانی، فارسی اور عربی زبان کا بہت بڑا ماہر تھا۔ اس نے بصرہ میں رہ کر مشہور نجومی عالم خلیل احمد (متوفی 180ھ مطابق 796ء) سے عربی زبان کی تعلیم حاصل کی۔ مامون رشید نے جب بلادِ روم سے بہت سی کتابیں منگوا کر ترجمہ کی ضرورت محسوس کی تو سب نے حنین بن اسحاق کے نام کو پیش کیا، مامون نے حنین کو طلب کیا۔ اور یونانی حکما کی کتابوں کے عربی تراجم اور اس کی اصلاح کے کام اس کے سپرد کیے۔ انھوں نے بہت سی کتابیں بھی تالیف کی ہیں۔ جن کی تعداد 36 تک پہنچتی ہے۔ ان کی مجموعی کتابوں کی تعداد 113 تک شمار کی جاتی ہے۔[38] ان میں تراجم، تالیفات اور شروح بھی شامل ہیں۔ ان کی اکثر و بیشتر ترجمہ شدہ کتابیں سابق اوراق میں مذکور ہو چکی ہیں۔

ابوزکریا یوحنا بن ماسویہ: (متوفی 246ھ مطابق 857ء) یہ نامور حکما اور اطبا میں شمار ہوتا ہے۔ یہ ایک ذہین شخص تھا اور بیت الحکمت کے رئیس الاطبا کی حیثیت سے بھی کام کرتا تھا۔ یونانی، سریانی اور عربی کا ماہر تھا۔ انھوں نے کتابوں کی فراہمی کے لیے رومی شہروں کا سفر بھی کیا۔[39] معالج کی حیثیت سے اس کا مقام بلند نہیں تھا لیکن یہ طب علمی میں مہارت رکھتا تھا اور بنیادی طور پر تصنیف و تالیف کا آدمی تھا۔ بغداد کے بیمارستان کا نظم و نسق اس کے فرائض منصبی میں داخل تھا۔

قسطا بن لوقا البعلبکی: (متوفی 220ھ مطابق 835ء) یہ عہد عباسی کا مشہور فلسفی اور مترجم تھا۔ یہ مامون رشید کے دور میں بیت الحکمت سے وابستہ تھا۔ اس نے بہت سی یونانی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ یہ یونانی، سریانی اور عربی کا فصیح البیان عالم تھا۔ اس نے بہت سے یونانی تراجم کی اصلاح کی۔ القفطی تاریخ الحکما میں لکھتا ہے۔

''قسطا بہت بڑا عالم اور مصنف تھا۔''[40]

حبیش الاعسم: (التوفی 300ھ مطابق 912ء) پورا نام حبیش بن الحسن الدمشقی ہے۔ یہ حنین بن اسحاق کا بھانجا تھا۔ اس نے حنین بن اسحاق سے طب کی تعلیم حاصل کی۔ اس نے ترجمہ میں حنین کا مسلک اختیار کیا۔ اس نے کئی یونانی اور سریانی کتابوں کو عربی میں منتقل کیا۔ حنین اس کے ترجمہ کو بہت پسند کرتا تھا۔[41]

یعقوب بن اسحاق الکندی: (متوفی 258ھ مطابق 872ء) مسلم ترجمہ نگاروں میں

سب سے زیادہ مشہور تھا۔ یہ فلسفی کے لقب سے مشہور ہوا۔ یہ یونانی، فارسی اور ہندی، فلسفہ کی تمام شاخوں میں مہارت رکھتا تھا۔ اس کو مامون کے دربار میں بہت عزت و شہرت حاصل تھی۔ ابن الندیم الفہرست میں لکھتا ہے۔

''تمام علوم قدیم میں مہارت و معرفت کے اعتبار سے فاضلِ دوراں اور یگانۂ روزگار تھا۔''(42)

اسحاق بن حنین: (المتوفی (298ھ مطابق 910ء) یہ حنین بن اسحاق کا بیٹا تھا۔ یہ یونانی وسریانی زبانوں کو بہترین طریقے سے عربی میں ترجمہ کرتا تھا۔ اس کی کتب کے تراجم میں زیادہ تر ارسطو کی کتابیں اور ان کی شروحات ہیں قدیم کتب کے تراجم کے علاوہ اس کی اور بہت سی تصنیفات ہیں۔(43)

عیسیٰ بن یحییٰ: اس کی تاریخِ وفات کا پتہ نہیں چلتا یہ حنین کے خاص تلامذہ میں سے ہے۔ اس نے جالینوس کی تقریباً 25 کتابوں کا ترجمہ کیا۔ حسن یویانی زبان سے سریانی میں ترجمہ کرتا تھا۔ اور پھر یہ ان سریانی تراجم کو عربی میں منتقل کرتا تھا۔(44)

عمر بن فرحان الطبری: یہ طبرستان کا رہنے والا تھا۔ یہ عہد مامون کے مشہور مترجمین میں سے تھا اور بیت الحکمت میں ترجمہ کا کام کرتا تھا۔ صاعد اندلسی نے اپنی کتاب ''طبقات الامم'' میں لکھا ہے۔

''کتب فلسفہ کے روسائے مترجمین میں سے تھا اور نجوم و احکام نجوم کا محقق عالم تھا۔''
(45)

یوحنا بن البطریق: یہ بطریق کا بیٹا اور مامون رشید کا غلام تھا۔ مامون رشید نے اس کو حجاج بن المطر اور سلما کے ساتھ کتابوں کی فراہمی کے لیے روم بھیجا تھا۔ اس نے بقراط افلاطون ارسطو اسکندروس اور جالینوس کی متعدد تصانیف کا ترجمہ کیا۔(46)

ایوب الرھاوی: یہ یونانی، سریانی، عربی اور لاطینی زبان میں مہارت رکھتا تھا رہاوی اطبا و مترجمین میں سب سے زیادہ نامور تھا۔ یونانی سے سریانی میں عمدہ ترجمہ کرتا تھا۔

ترجمہ کا عمل وسیع پیمانہ پر ہوا۔ جیسا کہ سابقہ بیانات سے واضح ہو جاتا ہے۔ اس عظیم تحریک کو آگے بڑھانے میں بہت سے مفکرین، دانشمند...... اور اہلِ سیاست بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے

رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تحریک ایک منظم تحریک تھی۔ جس کو افراد، حکام، اہلِ سیاست، خلفا اور سلاطین سب نے مل کر .... بام عروج تک پہنچایا۔ ترقی کے میدان میں ایک عظیم نمونۂ عمل پیش کیا۔ جس کی مثال کوئی قوم پیش نہ کر سکی۔ جن اہلِ سیاست نے اس عظیم تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنے مالی وفکری تعاون سے مالا مال کیا ان میں برامکہ کا نام سرفہرست ہے ان میں چند مخصوص اشخاص یہ ہیں:

(1) یحییٰ بن خالد برمکی: یہ ہارون رشید کا وزیر تھا اور اس کے ایما سے بیت الحکمت کا قیام عمل میں آیا۔(47)

(2) احمد بن موسیٰ بن شاکر: محمد بن موسیٰ بن شاکر، حسن بن موسیٰ بن شاکر انھوں نے اس زمانے کے بہترین مترجمین کو جمع کیا اور ان کو ترجمہ کا کام سپرد کیا۔ یہ مترجمین بعد میں بیت الحکمت سے منسلک ہو گئے۔

(3) الفتح بن خاقان: یہ ایک عباسی وزیر تھا اور ترجمہ کے عمل کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی کرتا تھا، اس نے اپنے خرچ پر کتابیں حاصل کرنے کے لیے وفود بھیجے اور بڑی مقدار میں دولت خرچ کی۔

(4) محمد بن عبدالملک الزیات: (متوفی 233ھ مطابق 848ء) یہ بھی مترجمین کی حوصلہ افزائی کرتا تھا اور ہزاروں دینار ہر ماہ اس پر صرف کرتا تھا، اس کے لیے متعدد کتابوں کا ترجمہ کیا گیا۔

(5) علی بن یحییٰ: یہ ابن المنجم کے نام سے مشہور ہے۔ مامون رشید کا درباری تھا عالم و فاضل وثروت مند شخص تھا۔ اس نے بھی اپنے خرچ سے متعدد کتابوں کا ترجمہ کرایا۔(48)

(6) عیسیٰ بن یونس الکاتب: یہ الحاسب کے لقب سے بھی جانا جاتا ہے۔ یہ عراقی فاضل تھا۔ اور یونانی علوم کی تصنیفات کو جمع کرنے کا شوقین تھا۔(49)

(7) ابراہیم بن محمد بن موسیٰ: یہ الکاتب کے لقب سے مشہور ہے۔ یہ بھی کتابوں کے تراجم میں دلچسپی لیتا تھا۔ خود بھی عالم و فاضل تھا۔ اور ترجمہ نگاروں کی قدر کرتا تھا۔(50)

ترجمہ کا عمل ایسا کارنامہ تھا۔ جس نے عربوں کو ترقی کے میدان میں لا کھڑا کیا اور علوم و معرفت کے دریا بہا دیے۔ اسی ترجمہ کی بنیاد پر عرب آگے بڑھتے گئے اور اپنی ذہانت کی بدولت

ہر علمی میدان میں انھوں نے اکتشافات کیے۔ قدما کے علوم میں تحقیق و جستجو کی۔ پھر ضرورت کے مطابق ان میں اصلاحات کیں اور اکتشافات کی وجہ سے اضافے بھی کیے۔ اس طرح عرب اس دور میں داخل ہو گئے جس کو ہم دور عروج یا ترقی کا نام دے سکتے ہیں۔ ایسا دور جس میں عقلی میدان اور علمی مباحث اور تصنیفات کا میدان بھی بہت وسیع ہو گیا تھا۔

ریاضیات کے سلسلے میں عربوں نے ہندوستانیوں سے گنتی کے نظام کو حاصل کیا اور انھوں نے اس میں اصلاح بھی کی۔ علم ریاضی میں بھی انھوں نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا۔ محمد بن موسیٰ الخوارزمی (متوفی 236ھ مطابق 850ء) کو الجبرا کا موجد تسلیم کیا جاتا ہے۔

فلکیات میں بھی ان کا عظیم کردار نمایاں ہے۔ محمد الفزاری (متوفی (185ھ مطابق 801ء) سندھ ہند کے مترجم ہیں۔ انھوں نے اس میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ موسیقی کے سلسلے میں عربوں نے بڑی بڑی تالیفات کیں۔ یعقوب بن اسحاق الکندی (متوفی 259ھ مطابق 872ء) ماہر موسیقی تھا اور موسیقی کے ذریعے امراض کا علاج کیا کرتا تھا۔

کیمیا کے سلسلے میں بھی عربوں کا کارنامہ نمایاں ہے۔ یہ علم مصریوں سے آیا اور سب سے پہلے خالد بن یزید (متوفی 85ھ مطابق 704ء) اس میں مشغول ہوا۔

خاص کر عربوں نے علم طب، صیدلہ اور زراعت کی طرف خصوصی توجہ کی ان میں بہت سے علما مصروف عمل رہے۔ اس سلسلے میں ابوبکر الرازی مامون (المتوفی 318ھ مطابق 927ء) کا نام قابل ذکر ہے ان کی کئی کتابیں ہیں کچھ کتابیں جڑی بوٹیوں سے متعلق ہیں۔ ابن سینا، (متوفی (428ھ مطابق 1037) مؤلف القانون اور کتاب الشفا، اس میدان میں گویا سبقت لے جانے والوں میں ہیں۔ انھوں نے بھی اپنی کتاب میں طبی جڑی بوٹیوں کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ ابن البیطار (متوفی 646ھ مطابق 1248ء) خصوصاً طب حیوان مین کامل دسترس کا حامل تھا۔

علم طب کے سلسلے میں عرب اطبا نے یونانی اور ہندوستانی تراجم کا بغور مطالعہ کیا اور اس میں اضافات و اکتشافات کیے۔ انھیں کی تالیفات بعد میں یورپی زبان میں ترجمہ کی گئیں جو جدید طبی ترقی کی اساس تھیں۔

یہ فکری اور علمی بیداری جس کی شعاعیں دمشق اور بغداد سے ترجمہ کی شکل میں نکلیں پھر عباسی دار الخلافت میں اس کی روشنی اکتشاف اور تالیف کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ بعد میں تمام عالم

عرب کے دور دراز گوشوں میں پھیل گئی۔ اس بیداری میں عرب اور دیگر اسلامی علاقوں کے علماء شریک تھے۔ اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ تہذیب وتمدن کی بلند عمارت کو قائم کرنے میں تمام اسلامی علاقوں کے بڑے بڑے علما شریک رہے ہیں۔ یہ تہذیب عربی اسلامی تہذیب تھی۔ جس کے منتظم اہلِ عرب تھے اور عربی زبان اس کا وسیلہ تھی۔ جس نے تمام علوم ومعارف کو اپنے سینے میں سمو لیا تھا، یہ سینکڑوں سال تک علم کی زبان بنی رہی۔

پھر مختلف واقعات رونما ہوئے۔ عربوں کی حالت دگرگوں ہوگئی۔ ان پر مصائب ٹوٹ پڑے۔ اتحاد کی جگہ انتشار نے لے لی۔ ضعف کا غلبہ ہوگیا ملک ریاستوں میں بٹ گیا۔ خلیفہ کے ساتھ امرا وسلاطین حکمراں ہوگئے، قتل وقتال کا دور دورہ ہوگیا۔ علم کی روشنی دھیمی پڑگئی لوگ روزی کے وسائل کے محتاج ہوگئے۔ سماج میں بیماری لاحق ہوگئی۔ علمی سرگرمی میں انحطاط رونما ہوا، ایسے وقت میں یورپ کے لوگ آگے بڑھے۔ عربی تہذیب وتمدن کی روان کی طرف بہہ نکلی، خاص کر اسپین سے، اس تہذیب نے اس کو خوب سیراب کیا۔

اہلِ مغرب نے عربوں کے علوم کو حاصل کرنے کے لیے ترجمہ پر اعتماد کیا۔ یہی ترجمہ جدید علمی ترقی کی بنیاد بن گیا۔ اس کی بدولت آج تک علمی ترقی کا کام ہو رہا ہے۔ ان میں سے بعض لوگ عرب علاقوں میں آئے اور علم سے سیرابی حاصل کی اور علم ہندسہ کو یورپ منتقل کیا۔ مثلاً لیونارڈ نے بہت سی کتابیں طبیعات کی ترجمہ کیں۔ عربوں کی فکری اور علمی درثہ سے مطلع ہونے کے بعد ہی یورپی ترقی کی ابتدا ہوئی۔ عربی فکر کی عظمت کے سامنے اپنے احساس کمتری کے معترف تھے۔ وہ عربی فکر کو تعجب اور استحسان کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ چونکہ ترجمہ کے ذریعے ترقی کا میدان ہموار ہوگیا۔ اس لیے ترجمہ کو بہت قدر ومنزلت حاصل تھی۔ اس لیے پہلے بھی ترجمہ کا کام ہوا اور آج تک یہ کام برابر پیش قدمی کی منزلیں طے کرتا جارہا ہے کیونکہ دنیا کی علمی تاریخ میں اس کا مرتبہ نہایت بلند ہے۔

پچھلی صدی کی ابتدا میں عالم عربی پر تاریکی کے بعد کچھ روشنیاں نمودار ہوئیں۔ عرب دوبارہ اس حقیقت کی طرف متوجہ ہوئے کہ علم ہی طاقت کا منبع ہے اور یہ کہ یورپ کی صنعتی، عسکری اور مادی قوت کا راز علم کی ترقی میں پوشیدہ ہے۔ عربوں نے یہ سمجھ لیا کہ منقطع سلسلہ کو جوڑنے کے لیے۔ علمی ترقی کے راستہ پر دوبارہ سفر کرنا ضروری ہے۔ اس راستے میں پہلا قدم جدید علوم کا عربی

میں ترجمہ کرنا ہے۔ اس کی ابتدا مصر میں تمی کالجوں کے قیام سے ہوئی۔ مثلاً ''کلیۃ القصر العینی'' طبی تعلیم کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ تعلیم عربی زبان میں دی جاتی تھی۔ اس لیے طبی کتابوں کا ترجمہ لازم ہو گیا تھا۔

گذشتہ باتوں سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ترجمہ کی تحریک تمام عرب میں پھیل چکی تھی۔ کیونکہ عموماً عرب قارئین عربی زبان میں علمی باتوں کو سننے سے مانوس تھے اس لیے عرب طلبہ کے لیے عربی زبان میں مجلات شائع کیے جاتے ہیں۔ اور علمی کتابوں کے ترجمے بھی کیے جاتے ہیں اور اگر عربی زبان میں یونیورسٹی کے اندر تدریس کا کام پورا کیا جاتا تو ترجمہ کی تحریک میں بہت زیادہ سرگرمی پیدا ہوتی۔

ترجمہ کی تحریک عام طور پر اور علمی ترجمہ کی تحریک خاص طور پر گذشتہ صدی میں شروع ہوئی (انیسویں صدی) کچھ افراد و اشاعتی اداروں کی کوششوں سے مسلسل چلتی رہی۔ دوسری جنگ عظیم (1358ھ مطابق 1935 —1365ھ مطابق 1945) کے بعد کچھ ایسے ادارے قائم کیے گئے۔ جنھوں نے ترجمہ کی طرف توجہ کی۔ یا تالیف و ترجمہ دونوں کاموں کو انجام دیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ترجمہ شدہ کتابوں کی تعداد بہت کم ہے اور خاص کر علمی تراجم کی تعداد تو بہت ہی قلیل ہے، جب کہ ترجمہ شدہ کتابوں کی تعداد تصنیفات کی تعداد سے زیادہ ہونا چاہیے کیونکہ عربی تہذیب و تمدن ترقی پذیر ہے۔ اور اقتصادی، سماجی و ثقافتی میدان میں ترقی کے لیے بے شمار مواقع ہیں۔ یہ ایسا دور ہے جس میں علمی اور فنی ترقی نے ساری دنیا کو خیرہ کر دیا ہے۔ اور ہم کو ان تمام باتوں کو جاننے کی ضرورت ہے۔ جن کو ترقی یافتہ ممالک جانتے ہیں۔

ریسرچ کے مراکز میں جو جدید معلومات اور اکتشافات ہو رہے ہیں ان کو بھی معلوم کرنے کی ضرورت ہے اس طرح منقطع سلسلہ کو جوڑا جاسکتا ہے اور جدید طور پر ایک مفید و قابل فخر کارنامہ انجام دیا جاسکتا ہے۔

اس دور میں تہذیب و تمدن کی تعمیر کے لیے رسمی ترجمہ ایک اہم اور بنیادی کارنامہ ہے۔ لیکن اس ضمن میں تعلیمی، ثقافتی، اقتصادی اور سماجی سرگرمیوں کو اپنا کر ایک دوسرے کے لیے تکمیلی ذریعہ قرار دیں۔ مختلف قسم کے منصوبے اور سرگرمیوں کے لیے ایک وسیع میدان کھلا ہوا ہے۔ اس کو طے کر لینے کے بعد ترجمہ کی تحریک کو حقیقی مقام مل سکے گا اور مطلوبہ نتائج کو حاصل کرنا ممکن ہوگا۔

مامون کے دور کی تحریک اور اس دور کی تحریک کا موازنہ کیا جائے تو کچھ یکسانیت اور بعض حیثیت سے اختلافات نظر آئیں گے۔ لیکن مقصد ایک ہے اور وہ ہے عربی زبان میں ترجمہ کے توسط سے علوم و معرفت کے ذریعہ عربی تہذیب کو سیراب کرنا۔ عہد مامون میں ترجمہ کی تحریک چند افراد کی ذاتی کوششوں سے شروع ہوئی۔ پھر حکومت نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس کے لیے ادارے بنائے اور زر کثیر صرف کیا۔ کچھ اختلافات بھی ہیں کیونکہ دور اوّل میں ترجمہ کی تحریک نے تھوڑی مدت میں اپنے مقاصد کو پورا کر لیا اور عربی فکر نے اختراع و اکتشاف کی راہ ہموار کر دی۔ جبکہ موجودہ دور میں مطلوبہ مقاصد کو حاصل کرنے سے یہ تحریک بالکل قاصر نظر آتی ہے۔ آج عربوں میں سیاسی انتشار ہے جبکہ عباسی دور میں ایسا نہیں تھا اس وقت قوم کا سیاسی ڈھانچہ ایک تھا۔ بلکہ مقصد و ارادہ میں بھی عرب ایک متحد قوم تھی۔ اس لیے اس تحریک کی حوصلہ افزائی اور اس کی تنظیم اور امداد کا کام بہت آسان تھا۔ اس وقت ایسے لوگ موجود نہیں تھے جو مباحثہ کرتے کہ عربی زبان سائنس کی زبان بن سکتی ہے یا نہیں۔ آج کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ عربی صرف ادب و شعر کی زبان ہے سائنس کی زبان نہیں۔

جیسا کہ سابقہ بیانات سے معلوم ہوا کہ عربی علوم اور اسلامی تمدن سے اہل یورپ نے بہت فائدہ اٹھایا۔ یہی وہ پہلی چنگاری تھی جس سے مغرب کے علوم کا چراغ روشن ہوا اور یورپ میں ترقی کی صبح نمودار ہوئی۔ مغرب کے حملہ آوروں نے علمی وراثت پر اور اس کے اہم مراکز پر قابض ہو کر قیمتی مخطوطات یورپ کی لائبریریوں اور عجائب گھروں کی طرف منتقل کر لیے اور عربی و علمی وراثت کو نئے سرے سے پڑھنا شروع کیا۔ عہد وسطیٰ میں ترجمے کے سلسلے میں جو کام ہوا تھا اس کے منقطع سلسلے مل گئے۔ ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ علم و معرفت اور تمدنی کارنامہ انسان کا ایک عام منصوبہ ہے اور ایک ایسا دروازہ ہے جو تمام قوموں کے سامنے کھلا ہوا ہے۔ علوم و معرفت ایک دوسرے کو منتقل ہوئے ہیں اور مختلف انسانی طبقات اس کا تبادلہ کرتے ہیں۔ ریسرچ کے ذریعے ہی ایک قوم دوسری قوم پر فضیلت حاصل کر سکتی ہے۔

آج عرب قوم علم و فن کی طالب ہے اور جدید علوم و فنون کی پیاسی ہے یہی قوم ماضی میں انسانیت پر احسان کرنے والی تھی، اس کا انکار بددیانتی ہے۔ تحقیق و جستجو سے آج وہ گوشے ظاہر ہو رہے ہیں جن پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ یا نسیان کے غبار میں ڈھکے ہوئے تھے۔ کل کی طرح آج

بھی ضروری ہے کہ عربوں کو ترقی کے جلوس میں شریک ہونے کا موقع دیا جائے اور ایسا موقع تلاش کیا جائے جن سے ترقی کے میدان سر کرنے میں آسانی ہو۔ آج مسلم قومیں تیزی سے علم و معرفت کی طرف متوجہ ہو رہی ہیں اور بڑی سرگرمی سے علمی اور تہذیبی کاموں میں شرکت کر رہی ہیں اور انسانیت کو مادی اور ذہنی طور سے بلند کرنے کا ارادہ کر رہی ہیں۔

آج علوم وفنون نے مختلف شکلیں اختیار کر لی ہیں اور ترجمہ کے عمل کے لیے لازم ہو گیا ہے کہ وہ بنیادی سرگرمی کو پورا کرے تا کہ علوم وفنون کو ایک قوم سے دوسری قوم تک پہنچانا ممکن ہو سکے۔ یہ کام چاہتا ہے کہ متخصصین کی مدد کے لیے تمام ملکوں میں اور مختلف میدانوں میں ایک زبان ہتھیار مہیا کیا جائے تا کہ ان مشکلات کو حل کر سکیں جو ان کے دلوں میں کھٹکتے ہیں۔

اس لیے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ بہت باریک بینی کے ساتھ ادائے مقصد کے لیے ڈکشنریاں بنائی جائیں۔

علم کی تعریب کا مسئلہ بہت اہم مسئلہ ہے۔ کیونکہ یہ ایک قومی مقصد ہے زبان ہی قومی شعور کا پیمانہ ہے کیونکہ جب قاری مادری زبان میں علمی کتاب پڑھتا ہے تو صرف مفہوم کو سمجھنے میں وقت صرف کرتا ہے اور جو غیر ملکی زبان میں پڑھتا ہے وہ ایک ہی وقت میں دوہری کوشش صرف کرنے پر مجبور ہوتا ہے، اس لیے عربی زبان میں مختلف علوم وفنون کے تراجم مہیا کرنا عرب قاری کے لیے بہت ضروری ہے۔

کچھ لوگوں میں یہ بحث چھڑی ہوئی ہے کہ کیا عربی زبان اپنے اندر جدید علوم کو سمونے کی قدرت رکھتی ہے اور کیا عربی میں علمی تراجم کی ضرورت ہے اور وسیلہ تدریس بن سکتی ہے۔ دوسرے ممالک میں لوگ عملی اور نظری طریقوں سے آگے بڑھ چکے ہیں۔ مغربی ممالک میں بہت سے اشاعت گھر اور دارالترجمہ اس سلسلے میں ظہور پذیر ہوئے جن میں بہت سی علمی کتابوں کے تراجم شائع ہوئے کیونکہ انھوں نے اندازہ کر لیا کہ علمی کتابوں کا ترجمہ عرب ممالک میں شائع کرنا ضروری ہے۔

جو لوگ عربی زبان پر غیرت کھاتے ہیں۔ وہ لوگ یہ دیکھ کر حیران ہیں کہ عربی زبان میں ترجمہ کرنے اور نشر و اشاعت کا کام غیروں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور جن لوگوں کا یہ کام ہے وہ خود حیران و ششدر ہیں۔ اس لیے آج اشد ضروری ہے کہ عربی میں تراجم کا کام سرگرمی

سے کیا جائے اور تراجم کی نشر و اشاعت کا کام وسیع پیمانے پر عرب ممالک میں ہونا چاہیے۔

علمی تراجم کے لیے سب سے زیادہ ضروری کام علمی اصطلاحات کا مہیا کرنا ہے۔لیکن یہ حقیقت سب پر واضح ہونی چاہیے کہ علمی کتاب اصطلاحات کا ایک مجموعہ نہ ہونی چاہیے۔ بلکہ ایسے شروح اور توضیحات پر مشتمل ہونا چاہیے جن کی تعبیر عام الفاظ میں کی جاسکتی ہو۔ کیونکہ اصطلاحات سے زیادہ دنوں خوفزدہ رہنا علمی میدان میں حیران و ششدرر ہنے کے مترادف ہے۔

آج عربی زبان دوسرے کی تابعداری سے آزاد ہو چکی ہے اور عمل کے وسائل عربوں کے لیے مہیا ہیں۔آج عرب دنیا سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور کے چوکھٹ پر کھڑی ہے اس وقت علمی کوشش میں عرب دوسروں کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں۔اس لیے ضروری ہے کہ منقطع کڑیوں کو جوڑا جائے۔اس لیے علمی ترجمہ کے ساتھ ایسے اسباب اور وسائل کو اختیار کرنا ضروری ہے جس کی بنا پر دوسروں کو کچھ دیا جاسکے اور لیا جاسکے۔ترجمہ کے عمل کو باعزت مقام دینا ضروری ہے تاکہ بہترین مترجمین تمام شرائط کے ساتھ منظر عام پر آسکیں۔کیونکہ ترجمہ کے لیے چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

(1) جس زبان سے ترجمہ درکار ہے اس میں مترجم کی مہارت۔

(2) عربی زبان میں مہارت۔

(3) علمی ترجمہ کے موضوع میں تخصص۔

(4) تجربہ جس سے مترجم بخوبی آشنا ہو۔

الغرض ترجمہ کا عمل ایسا عمل تھا۔جس کی وجہ سے دور عباسی میں اسلامی دنیا انسانیت کی رہبر بن گئی اور ماضی کے ورثے کو رہتی دنیا تک انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے منتقلی کا ایک واسطہ بن گئی آج بھی، مستقبل میں بھی انسانیت اس احسان کے بارگراں سے سبکدوش نہیں ہوسکتی۔اس سلسلے میں احمد حسن زیارت رقمطراز ہیں۔

''حکومت عباسیہ کا زمانہ اسلام کا وہ عہد زریں ہے جس میں مسلمان تہذیب وتمدن اور عمران واقتدار کے لحاظ سے اس قدر بلند مقام پر پہنچ گئے تھے کہ اس سے قبل یا اس کے بعد پھر کبھی اس بلندی پر نہ پہنچ سکے۔فنون اسلامیہ اس دور میں پھلے پھولے۔آداب عربیہ نے نشو ونما پائی غیر ملکی علوم کے ترجمہ کیے گئے۔عقل عربی پک کر تیار ہوئی اور اس نے غور وفکر بحث وتمحیص کے لیے ایک وسیع جولاں گاہ پائی۔''(51)

حواشی:

1. خلافت بنو امیہ خلافت راشدہ کے بعد شروع ہوتی ہے۔ بنو امیہ کے تخت نشیں ہو جانے سے صرف خاندانوں کا تبادلہ ہی نہیں ہوا۔ بلکہ اصول وضوابط کی کایاپلٹ گئی۔ بدعات کا آغاز ہو گیا۔ ان کے عہد میں فتوحات بہت ہوئیں اور سلطنتِ اسلام کو عروج حاصل ہوا۔ ان کی مدّت خلافت 92 سال ہے (40ھ مطابق 661 سے 231ھ 750ء تک) اس عہد میں چودہ خلفا ہوئے۔ یونانی علوم سے استفادہ کے آغاز کا عہد بھی یہی ہے۔
2. المسعودی، التنبیہ ولا اشراف، ص69 القاہرہ 1938۔
3. عبد الملک بن مروان: (65ھ مطابق 684ء تا 86ھ مطابق 705ء) اپنے باپ مروان کے مرنے کے بعد تخت نشین ہوا جب یہ خلیفہ ہوا تو حکومت اسلامیہ دو حصوں میں منقسم تھی۔ نصف حصہ پر عبد اللہ بن زبیر کی فرمانروائی تھی۔ اس خلیفہ کی اہمیت اس لیے ہے کہ اس نے مملکت اسلامیہ کو متحد کر دیا اور عربی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دیا۔ اس نے اپنی سیاست اور ذہانت کی بنا پر حکومتِ اسلامیہ کی جڑیں مضبوط کر دیں یہ خود بہت بڑے عالم تھے۔ بہت بڑے مدبر اور حوصلہ مند سپاہی بھی تھے۔ اپنے دست راست کے ذریعے ملکی شورش اور اضطراب کو دبا کر سلطنت اسلامیہ کو مستحکم کر دیا اور وہ دست راست حجاج بن یوسف ثقفی تھے۔
4. حجاج بن یوسف ثقفی (95ھ مطابق 713ء متوفی) ابو محمد حجاج بن یوسف ثقفی طائف شہر کے قبیلہ ثقیف کا ایک گمنام شخص تھا۔ طائف میں ہی رہ کر تعلیم وتربیت حاصل کی لیکن اپنی ذکاوت وہمت نفس کی بنا پر آسمانِ شہرت پر پہنچ گیا اموی خلیفہ عبد الملک کے زمانے میں کوفہ اور بصرہ کا گورنر بنا اور وہاں کی شورشوں کو دبانے میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔
عبد اللہ بن زبیر کو شکست دینے میں اسی کا ہاتھ تھا یہ تمام عمر عبد الملک اور ولید کی حکومت کا بنیادی ستون رہا اور بمقام واسط انتقال کیا۔
5. الرہا: یہ بین النہرین کا ایک مشہور شہر ہے۔ اپنے علمی مراکز کی وجہ سے تیسری صدی سے پانچویں صدی تک یہ شہر بہت شہرت کا مالک تھا یہاں تک کہ یہ ثقافت، ادب اور طب کا مرکزی مقام ہو گیا۔ ترجمہ کی ابتدا اس شہر کی خانقاہوں میں ہوئی اس شہر کی خاص زبان سریانی تھی۔
6. احمد امین، فجر الاسلام، ص142۔
7. المسعودی، مروج الذھب، ج3، ص31، طبعۃ القاہرہ 1966۔
8. جرجی زیدان، المتوفی 1914، مصر کا ایک بہت بڑا مورخ اور صحافی مشہور جریدہ ''الہلال'' کا ایڈیٹر تھا۔ بیروت میں پیدا ہوا اور وہیں اپنی تعلیم مکمل کی۔ 1885 میں مصر چلا گیا اور مختلف مراحل سے گزر کر 1892 میں ''الہلال'' شائع کیا اور آخر تک پوری شان سے نکالتا رہا۔
اس کی اسلامی تاریخی ناولیں جو تقریباً اکیس ہیں بہت مشہور ہیں مختلف علوم وفنون پر اس نے قلم اٹھایا مگر اس کی شہرت مورخ اور صحافی کی حیثیت سے ہی مسلم ہے۔
9. جرجی زیدان، تاریخ آداب اللغۃ العربیہ، ج ا، ص352 طبع الہلال القاہرہ 1920۔
10. القفطی، تاریخ الحکما، ص398، طبع دہلی 1945۔
11. ابن ابی اصیبعۃ، عیون الانبار فی طبقات الاطباء، ص32، طبع بیروت 1965۔
12. ایضاً
13. لطف اللہ القاری، بہ . ت الترجمۃ فی عہد الاسلامی . ب . . : ث المؤتمر السنوی السادس حلب 1984)

14. ابن الندیم، الفہرست، ص352۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور 1969ء۔
15. ایضاً، ص354۔
16. علی سامی النشار، مناہج البحث ص4 (بحوالہ مجلہ ابحاث طبع حلب 1984)
17. ابن الندیم، الفہرست، ص428، طبع لاہور 1969ء۔
18. ابن جلجل، طبقات الاطباء والحکماء، ص63، طبع القاہرہ 1955ء۔
19. ابوالولید ھشام بن عبدالملک 72ھ مطابق 691ء میں پیدا ہوا۔ جب یزید بن عبدالملک کا انتقال ہوا تو ہشام حمص میں مقیم تھا یزید بن عبدالملک کی موت کی خبر اس کو ملی تو دمشق آیا اور لوگوں سے اپنی خلافت کی بیعت لی۔ اس نے ابن ھبیرۃ کو عراق سے معزول کر کے اس کی جگہ خالد بن عبداللہ قسری کو عراق کی حکومت دے دی۔ اس نے احادیث کو جمع کرنے کا اہتمام کیا اور خزانۃ الکتب میں ان کو داخل کیا۔ اس کی وفات 125ھ مطابق 742ء میں ہوئی۔
20. المسعودی، التنبیہ والاشراف، ص106 طبع القاہرۃ 1938ء۔
21. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ج1 ص117 طبع بیروت 1965ء۔
22. فرقہ معتزلہ:۔

اس فرقہ کا بانی ابوحذیفہ واصل بن عطا الغزال 131ھ مطابق 748ء ہے یہ امام حسن بصری کا شاگرد تھا۔ مگر خدا کی صفات کے بارے میں اس کا عقیدہ اپنے استاد کے عقیدے سے مختلف تھا۔ اس اختلاف کی بنا پر امام حسن کے حلقۂ درس سے الگ ہو گیا تھا یعنی اعتزال کو اختیار کیا۔ اسی وجہ سے اس فرقہ کا نام معتزلہ پڑ گیا۔ یہ فرقہ الٰہیات میں عقلی دلائل کی پیروی کرتا تھا اور ہر دینی امر کو اپنے عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ امام ابوالحسن اشعری نے ان کے دلائل کے ابطال میں بہت سی کتابیں لکھیں۔ مامون بھی اسی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ بہت سے علما اور اہل قلم اس فرقہ میں شامل تھے مثلاً ابوالھذیل حمانی، ابراہیم بن سیار النظام، ابوعلی محمد الجبائی یہ سب یونانی فلسفہ کے خوگر تھے اور اسی فلسفہ کا سہارا لیتے تھے۔

23. لطف اللہ القادری، ہدایات الترجمہ فی العہد الاموی، ص289 طبع حلب 1984ء۔
24. احمد حسن زیات، تاریخ ادب عربی، ترجمہ عبدالرحمٰن سورتی) ص304، طبع لاہور 1972ء۔
25. ڈاکٹر کمال سامرائی مختصر تاریخ الطب العربی، ج1، ص299، طبع دمشق 1984ء۔
26. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانبا، ج1، ص116 طبع بیروت 1965ء۔
27. المسعودی، مروج الذھب، ج2، ص554، طبع القاہرہ 1966ء۔
28. جاحظ (متوفی 255ھ مطابق 868) ابوعثمان بن عمر بحر جاحظ کے لقب سے مشہور ہے یہ اپنے دور کا بہت بڑا ادیب تھا۔ بصرہ میں پیدا ہوا اور وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اپنے زمانے کے بہت بڑے نقاد اور علما سے کسب فیض کیا۔ مذہبی اعتبار سے یہ معتزلی تھا ادب میں ان کی متعدد کتابیں مشہور و معروف اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ ان میں کتاب الحیوان اور البیان والتبین معروف اور متداول ہیں۔ اپنی گراں قدر تصانیف اور علم کی بنا پر خلفائے عباسی کے عہد سے مشہور رہا۔ بصرہ ہی میں وفات پائی۔
29. الجاحظ، کتاب الحیوان، ج1، ص-75 طبع القاہرہ، 1966ء
30. امام شافعی (متوفی 204ھ مطابق 819) ابوعبداللہ بن ادریس کا تعلق قبیلہ قریش سے تھا اس لیے قریشی بھی کہلاتے ہیں۔ یہ ائمہ اربعہ میں سے ایک ہیں اور اپنے دادا شافع کی نسبت سے شافعی کہلاتے ہیں اور اسی نسبت سے مشہور ہیں ان کی جائے پیدائش فلسطین کا شہر غزہ ہے۔ یہ امام مالک کے شاگرد رشید میں سے ہیں۔ مشہور کتاب مؤطا کی سماعت خود امام مالک سے کی۔ ان کے پیروکار کی تعداد بہت بڑی ہے ان کی مشہور کتاب جو فقہ پر مشتمل ہے۔ ''کتاب الام'' کے نام سے مشہور ہے آخری لمحات مصر میں گذارے اور وہیں وفات پائی۔

31. المسعود، مروج الذہب، ج ا، ص 557 طبع القاہرہ 1966ء۔

32. المسعودی، مروج الذہب، ج ا، ص 557، طبع القاہرہ 1966ء۔

33. ابن الندیم، الفہرست، (مترجم مولانا محمد اسحاق بھٹی) ص 571، طبع لاہور 1969ء۔

34. سید علی احمد نیر واسطی، طب العرب، ص 170، طبع لاہور 1969ء۔

35. جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، ج 3، ص 206، الہلال مصر 1902ء۔

36. شبلی نعمانی، المامون، ص 159، طبع اعظم گڑھ 1957ء۔

37. عبدالرزاق کانپوری، البرامکہ، ص 114، طبع نامی پریس کانپور 1897ء۔

38. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطبا، ج ا، ص 198، طبع بیروت 1965ء۔

39. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ج ا، ص 198، طبع بیروت 1965ء۔

40. القفطی، تاریخ الحکما، ص 358، طبع دہلی 1945ء۔

41. القفطی، تاریخ الحکما، ص 255، طبع دہلی 1945ء۔

42. ابن الندیم، الفہرست، (اردو ترجمہ مولانا اسحاق بھٹی) ص 610، طبع لاہور 1969ء۔

43. ابن اصیبعہ، عیون الانبا، ص 275، طبع بیروت 1965ء۔

44. ابن اصیبعہ، عیون الانبا، ص 277، طبع بیروت 1965ء۔

45. صاعد اندلسی، طبقات الامم، ص 95، طبع اعظم گڑھ 1928ء۔

46. ابن الندیم، الفہرست، ص 710، طبع لاہور 1969ء۔

47. مولوی عبدالرزاق کانپوری، البرامکہ، ص 124 طبع نامی پریس کانپور 1897ء۔

48. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ج ا، ص 205، طبع بیروت 1965ء۔

49. ایضاً ص 206۔

50. ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء، ص 206، طبع بیروت 1965ء۔

51. احمد حسن زیات، تاریخ ادب عربی، ترجمہ عبدالرحمٰن سورتی، ص 308، طبع لاہور 1972ء۔

کتابیات

المراجع والمصادر العربیہ

(1) القرآن المجید: سورۃ العلق، سورۃ القلم۔

(2) ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، بیروت 1965
(ابوالعباس احمد بن القاسم)

(3) ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، الجزء الخامس، بیروت 1985۔

(4) ابن جریر الطبری (ابوجعفر محمد) تاریخ الامم والملوک المجلد الخامس بیروت 1987۔

(5) ابن جُلجل، طبقات الاطباء والحکماء، (القاہرہ)، 1955۔

(6) ابن حجر العسقلانی (احمد بن محمد بن علی) بلوغ المرام مع اتحاف الکرام الطبعتہ الاولیٰ
بنارس 1982۔

(7) ابن خلکان (احمد بن محمد محمد بن ابی بکر) وفیات الاعیان، الجز الاول، بیروت 1978۔

(8) ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد) مقدمہ ابن خلدون، الطبعتہ الاولیٰ، بیروت
1978۔

(9) ابن سعد (محمد) الطبقات الکبریٰ، جلد 6، بیروت 1958۔

(10) ابن العبری (علامہ غریسفو یوس ابی الفرج بن اھرون) مختصر الدول بیروت 1958۔

(11) ابن طباطبا (محمد بن علی) تاریخ الفخری (اردو ترجمہ) بار اول) دہلی 1969۔
(مترجم مولوی محمود علی خاں)

(12) ابن ندیم (محمد بن اسحاق) الفہرست) اردو ترجمہ)، لاہور 1969۔
(مترجم مولانا محمد اسحاق)

(13) الدکتور ابراہیم الشریفی، تاریخ الاسلام، الطبعتہ الاولیٰ، السعودیہ 1969۔

(14) احمد امین، ضحیٰ الاسلام، الجزء الاول الجز الثانی، الطبعتہ الثالثہ) القاہرہ 1938۔

(15) احمد حسن زیات تاریخ الادب العربی، القاہرہ 1987۔

(16) (الدکتور) احمد فرید الرفاعی، عصر المامون، الجزء الاول، القاہرہ 1917 الطبعۃ الثانیہ۔

(17) النسائی) ابوعبدالرحمٰن) سنن النسائی، الطبعۃ الاولیٰ، بیروت 1930۔
(احمد بن شعیب بن علی بن بحرین سنان بن دینار (بشرح جلال الدین السیوطی) الجزء الاول۔

(18) احمد ہیکل، تطور الادب الحدیث، الطبعۃ الرابعہ، القاہرہ 1983۔
بہاء الدین الآ کلی۔ کشکول مصر 1951

(19) الترمذی (ابوعیسیٰ محمد، سنن الترمذی، الجز الاول، بیروت 1980۔
بن عیسیٰ بن سورہ) الجامع وھوا لصحیح۔

(20) الجاحظ) عمر ابن بحر) کتاب الحیوان، القاہرہ 1969۔

(21) القفطی (ابوالحسن جمال) تاریخ الحکماء (اردو ترجمہ) دہلی 1945۔
الابن علی بن یوسف) (مترجم غلام جیلانی برق)

(22) المسعودی (ابوالحسن، مروج الذھب القاہرہ 1966۔
(علی بن الحسینی)

(23) جرجی زیدان۔ تاریخ التمدن الاسلامی، الجزاء الثالث القاہرہ 1938۔
۔التنبیہ والاشراف، القاہرہ 1902۔
۔تاریخ اللغتہ العربیہ؛ القاہرہ 1962
۔تاریخ آداب اللغتہ العربیتہ القاہرہ 1920
۔العرب قبل الاسلام، القاہرہ 1962
۔ الفلسفتہ اللغویتہ، القاہرہ 1962

(24) حاجی خلیفہ (مصطفیٰ بن عبداللہ لقسطنطنی الشہر بلان، بیروت 1982
کاتب الجلبلی) تین اسامی الکتب والفنون۔ الطبعۃ الاولیٰ)

(25) (الدکتور) حسن ابراہیم، تاریخ الاسلام، الطبعۃ السابعۃ القاہرہ 1964

(26) (الدکتور) شوقی ضعیف، تاریخ الادب العربی، الطبعۃ الثانیہ القاہرہ 1973
(العصر العباسی)

(27) صفی الرحمان مبارکپوری، اتحاف الکرام الطبعۃ الاولیٰ بنارس 1982

(28) صاعد بن احمد الاندلسی، طبقات الامم، اعظم گڑھ 1928
(قاضی ابو القاسم) (اردو ترجمہ) مترجم قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی)

(29) فضل امام خیر آبادی، ہدایۃ الحکمت، کانپور سنہ ندارد

(30) کمال سامرائی، مختصر تاریخ الطب العربی، جلد اول، دمشق 1984

(31) (الدکتور) محمد احمد العرب، عن اللغۃ والادب والنقد، والطبعۃ الاولیٰ القاہرہ 1980

(32) محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، الجزء الثانی، بیروت 1978

(33) مجد الدین فیروز آبادی، القاموس المحیط۔ الجزء الرابع، بیروت 1982
(الطبعۃ الاولی)

(34) معلوف یسوعی، المنجد، الطبعۃ الحادیہ والعشر ون بیروت 1973

(35) ولی اللہ الدھلوی (شاہ) حجۃ اللہ البالغہ، الطبعۃ الاولیٰ دہلی 1954

(36) ولی الدین (الشیخ) مشکوٰۃ المصابیح، دہلی آفسیٹ

مراجع ومصادر

(اردو)

(1) (مولانا) ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، الجزا السادس دہلی 1988

(2) احمد حسن زیات، تاریخ ادب عربی، طبع دوم، لاہور 1973

(3) (مولانا) اسلم جیراجپوری، خلافت عباسیہ اور ہندوستان، بار اول، دہلی 1984

(4) (مولانا قاضی) اطہر مبارکپوری، خلافت عباسیہ اور ہندوستان بار اول دہلی 1982

(5) اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، تاریخ اسلام حصہ دوم دہلی 1987

(6) (ڈاکٹر) اقبال احمد قاسمی، اختیارات قاسمی، طبع اول پٹنہ 1987

(7) بہاء الدین آملی، کشکول، مصر 1951

(8) (مولانا) حفظ الرحمٰن سیوہاروی، قصص القرآن۔ حصہ اول، دہلی 1982
طبع چہارم، حصہ سوم، طبع پنجم، دہلی 1982

(9) دائرۃ المعارف اسلامیہ (اردو) دانش گاہ پنجاب، جلد 5 طبع اول لاہور 1971

(10) ذاکر حسین جعفر ایس تاریخ اسلام، دہلی 1918

(11) رضازادہ شفق (ڈاکٹر) تاریخ ادبیات ایران، طبع چہارم دہلی 1969
(اردو ترجمہ)

(12) رشید اختر ندوی، تہذیب وتمدن اسلام، جلد سوم، لاہور 1953

(13) (ڈاکٹر زبیر احمد) عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ لاہور 1973

(14) سید سلیمان ندوی، ارض القرآن، حصہ دوم طبع چہارم، اعظم گڑھ 1956

(15) سید سلیمان (منصور پوری) رحمتہ للعالمین طبع اول، دہلی 1980

(16) علامہ شبلی نعمانی، المامون، طبع دوم اعظم گڑھ 1957
۔ مضامین، طبع اول، دہلی
۔ رسائل، علی گڑھ 1898

۔الغزالی کانپور 1901

(17) (ڈاکٹر) عابد حسین، تاریخ فلسفۂ اسلام طبع اول، دہلی 1972

(18) (مولوی) عبد الرزاق (کانپوری) البرامکہ، کانپور 1897

(19) (مولانا) عبد السلام ندوی، حکمائے اسلام، اعظم گڑھ 1953

(20) عبد القدوس ہاشمی، تقویم تاریخ، (طبع دوم) اسلام آباد 1983

(21) خان ماجد علی، سیرت خاتم النبیین، طبع اول) دہلی 1989

(22) (شاہ معین الدین احمد ندوی)، تاریخ اسلام، حصہ دوم کراچی 1974

(23) محمد فاروق خاں، حدیث کا تعارف (طبع اول) دہلی

(24) محمد لطفی جمعہ، تاریخ فلاسفۃ الاسلام طبع اول کراچی 1964
(اردو ترجمہ)

(25) سید منیر علی، اندلس کی اسلامی تاریخ، کراچی 1968

(26) محی الدین الوائی، عرب دنیا (طبع اول) دہلی 1961

(27) (مولانا) محمد حنیف گنگوہی قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون دیوبند 1978

(28) نہال سنگھ بھائی، رگوید آدی بھاشیہ بھومیکا، لاہور 1914
(طبع سوم)

(29) (حکیم سید) نیر واسطی، طب العرب (طبع دوم) لاہور 1969

(30) وسیم احمد اعظمی، بیت الحکمت کی طبی خدمات (طبع اول) دہلی 1988

مجلات

(1) اسلام اور عصر جدید (اردو) شمارہ نمبر 3، جولائی 1974، نئی دہلی۔

(2) برھان (اردو) اگست 1988، اکتوبر 1987 ندوۃ المصنفین، دہلی۔

(3) المعارف (اردو) مارچ اپریل 1988 لاہور پاکستان

(4) طب اسلامی، ہمدرد، سنہ ندارد۔

(5) ابحاث (عربی) محرر خالد ماغوط، طبع حلب 1984
(المؤتمر السنوی السادس لتاریخ العلوم عند العرب)